نگار

قیمت ایک روپیہ

قواعد رسالہ "نگار"

۱ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے

۲ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا

۳ خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیئے ۔ جن پر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردئے جاتے ہیں

۴ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے

۵ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہیئے

۶ سالانہ قیمت پانچ روپیہ ۔ ششماہی تین روپیہ ۔ بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	یک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۳ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دینگے اُن کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا (۳) میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دیکر مضمون بدل سکتا ہے

تعداد صفحہ	یک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۸ روپیہ	۵ روپیہ

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

نگارستان

(دوسرا اڈیشن)

حضرت نیاز کے ادبی و متعدد مضامین اور افسانے شامل کئے گئے ہیں نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔

قیمت عہ

گہوارۂ تمدن

(دوسرا اڈیشن) مولانا نیاز کی دو معرکۃ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیا ئے تہذیب و شائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے، قیمت علاوہ محصول عہ

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے ۔ اس زبان کی اسکی تخئیل اسکی نزاکت بیان اسکی بلندی مضمون و اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہنچی ہے قیمت علاوہ محصول عہ

فراست الید

مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص بآسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت عروج و زوال موت و حیات صحت و بیماری شہرت و شکست وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے قیمت علاوہ محصول عہ

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام نشاط بخش کیفیات اسکے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں ۔ علاوہ محصول ۱ر

جذبات بھاشا

جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کئے انکی تشریح کی ہے دل اور دماغ جا ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲ر

صحابیات

جسمیں عہد سعادت کی ۸۵ خواتین کے مستند حالات یکجا کر دیئے گئے ہیں اسکا مقدمہ مولانا نے خاص اپنی [illegible] لکھا ہے، قیمت علاوہ محصول [illegible]

تذکرۂ خندۂ گل

مولفہ عبد الباری آسی جسمیں نئے اردو و فارسی کے ظریف شعرا کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف اور انکے کلام کے درج ہیں قیمت علاوہ محصول [illegible]

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

مرزا غالب کی شوخیاں اور شوخ نگاریاں

تمہید عہد قبل تاریخ کا تو علم نہیں کہ انسان پر ہر وقت کس قسم کا جذبہ طاری رہتا تھا، لیکن جب سے دنیا کی تاریخ مدوّن ہوئی ہے، اس وقت سے لیکر اس وقت تک کوئی زمانہ، کوئی قوم، اور کوئی ملک ایسا نہیں، جو مزاح و تفنن کے ذوق سے خالی پایا جاتا ہو۔ علی الخصوص شعراء کا طبقہ کہ ان میں سے اکثر کا مدار شہرت یہی ذوق رہا ہے۔ چنانچہ اردو فارسی جاننے والے حضرات واقف ہوں گے۔ کہ قاآنی۔ نعمت خان عالی۔ سعدی۔ سوزنی۔ جعفر زٹلی۔ ضاحک۔ انشا۔ اکبر وغیرہ کے کلام میں یہ عنصر کس حد تک پایا جاتا ہے۔ غالب کو فلسفی اور دقیق گو شاعر ہونے کی حیثیت سے تو سب نے دیکھا۔ لیکن اسکے بذلہ سنج اور شوخ نگار ہونے پر کسی نے نگاہ نہیں ڈالی جو اصل راز اس کی کامیابی کا تھا۔ چنانچہ اس مضمون میں ہم اس پر اس حیثیت سے گفتگو کریں گے اور بتائیں گے۔ کہ اس کی ظرافت کسقدر بلند تھی۔ ظرافت نہایت وسیع المعنی لفظ ہے۔ جو ہزل۔ پھکڑ۔ ضلع جگت۔ فقرے۔ پھبتیاں۔ اور لطائف وغیرہ سب سے پر مشتمل ہے۔ اس لئے پہلے مختصراً ان سب کے فرق کو بھی معلوم کر لیجئے

ہزل ظرافت کے اُس آخری درجہ کا نام ہے۔ جہاں کلام کا سلسلہ بیہودگی اور مسخرگی سے جا ملتا ہے۔ جس میں کبھی کبھی خواہش کا بھی شمول ہوتا ہے۔ ہم نظم میں سعدی و انوری وغیرہ کی ہزلیات کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں انوری کہتا ہے:-

روزے از بہر تماشا سوے دشت — چند زن بیروں شدند از مہتراں
چوں بہ صحرا ساعتے ماندند دیر — چند خر دیدند در صحرا چراں
نرخرے برماده خرِ رغبت نمود — بر مثالِ عاشقاں با دلبراں
با عمودے یک گزو نیم آبنوس — گادنی میکرد بر رسمِ خراں
گہ فرو مے برد و گہ بر مے کشید — تیز مے افگند و میکرد عاں وعاں

زاں زناں یکے زن براں گادن بدید | برکشید آہے وگفت اے خواہراں
گر جماع نیست کیں خرمے کنند | بر کس ما مے ریند ایں شوہراں

حکیم شفائی بھی اپنے زمانے کے مشہور ہزال گزرے ہیں ایک رباعی کہتے ہیں -

جلاب مرا بہ مفت نتوانی برد | گر سام زیمانی وگر رستم گرد
یا قیمت آنچہ خور - ہ باید داد | یا در عوض آنچہ ریدہ باید خورد

سعدی کہتے ہیں -

زر بامرد کسے دہد بہ گزاف | کہ نہ داند شریعت زردشت
ہر کجا سرو قامتے بینی | چشم در دے کن وخیود رشت
چوں نہ کونش دری ونے شلوار | بے گناہت کسے نہ خواہد کشت

اُردو میں بھی اس قسم کے بہت سے کہنے والے موجود ہیں - جن کے کلام میں ہزالی اور ہزالی کے ساتھ فواحش بھی موجود ہیں - اور جن کے پڑھنے سے ایک خاص قسم کا تکدر اور تنفر پیدا ہوتا ہے -

پھکڑ بھی قریب قریب ہزل کے مشابہ ہے - جو بالکل بازاری چیز ہے - اور جس میں گالی گلوج کی نوبت آتی ہے اور ہاتھا پائی کی بھی - عام طور پر شہدے - اور بازاری لوگ اس سے لطف اٹھاتے ہیں - مگر بعض اوقات مہذب لوگوں کے خاص جلسوں میں بھی پھکڑ بکا جاتا ہے - نظم میں پھکڑ کا وجود زیادہ نہیں ہے - مگر صاحبقراں - جانصاحب - انشا وغیرہ کے یہاں اس قسم کے شعر بھی پائے جاتے ہیں -

ضلع جگت - نام ہے - صنعت مراعات النظیر اور تناسب الفاظ کا - اس میں ظرافت صرف اتنی ہے - کہ سامع اور قائل جو الفاظ سوال وجواب میں استعمال کرتے ہیں - وہ ایک دوسرے کے مناسب اور موزوں ہوتے ہیں - گو اکثر حیا سوز اور فحش بھی ہوتے ہیں - ہر وہ چیز جو کسی وقت مبحث خاص قرار پا جائے - ضلع قرار دی جاتی ہے - اور جگت نام ہے - صرف ایک چیز کے دوسرے سے متعلق ہونے اور رنگ سے تنگ لگانے کا - پس جب یہ دونوں چیزیں مکمل ہو کر گفتگو کی صورت اختیار کر لیں گی اوسی کو عرف میں ضلع جگت سے موسوم کیا جائے گا - یہ گفتگو اکثر بازاریوں میں ہوتی ہے - مگر کبھی کبھی خواص بھی اس میں شریک ہوتے ہیں - اوسی کا نام تناسب الفاظ رکھ لیا گیا ہے - ہمارے خیال میں ظرافت اس میں کچھ بھی نہیں - بلکہ سامع کو جو ایک لطف اور انبساطی کیفیت اس کے سننے کے بعد محسوس ہوتی ہے - وہ صرف طرفین کی

حاضر جوابی کے نتیجہ پر مبنی ہوتی ہے۔

فقرہ چست کرنا یا آوازہ کسنا فقرہ نام ہے اوس بات کا جس سے فریب دینا مقصود ہو۔ فقرہ بنانا۔ فریب دینا۔ فقرہ چلنا۔ فریب کی بات کارگر ہونا۔ فقرہ کرنا۔ کوئی بات فریب کی لکھ کر کسی کو فریب میں مبتلا کرنا۔ مگر فقرہ چست کرنا۔ اکثر آوازہ کسنے کے معنی پر بھی مستعمل ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی طنز آمیز ظرافت ہوتی ہے۔ جیسے ایک شخص مریل اور دُبلے گھوڑے پر سوار جارہا ہے۔ گھوڑا اپنی نقاہت اور ضعف کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہے۔ دیکھنے والے سوار اور گھوڑے پر آوازے کستے ہیں۔

ایک کہتا ہے۔ خر عیسےٰ نے دوسرا جنم لیا ہے۔

دوسرا کہتا ہے۔ بھئی واہ رے کمہار کیا گھوڑا بنا دیا ہے۔ بالکل اصلی معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا کہتا ہے۔ حضرت پہئے لگوائیے پہئے

یا مثلاً ایک بہت لمبا آدمی ایک انار والے کی دکان پر پہونچا جو بیٹھا ہوا ٹوکرے میں انار رکھے آواز لگا رہا تھا۔ یہ صاحب وہاں پہونچے پہلے کھڑے ہوئے کچھ سوچتے اور دیکھتے رہے۔ پھر انار والے سے کہا کہ تمھارے انار بہت چھوٹے ہیں۔ انار والے نے جواب دیا۔ حضرت بیٹھ کر دیکھیے۔ یہ گویا اس کی درازی قد پر ایک تعریض تھی۔

پھبتی یہ ایک قسم کی تشبیہ ہے۔ جس میں قائل مشبہ کے لئے ایسا مشبہ بہ تجویز کرتا ہے۔ جو درجہ میں مشبہ سے بہت پست۔ بہت زیادہ بدنما۔ بہت زیادہ بھونڈا ہوتا ہے۔ اور یا مشبہ بہ اسقدر بلند اور ذی رتبہ ہوتا ہے۔ جس کا مشبہ سے کوئی تقابل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں سامع کی ہنسی دو باتوں پر منحصر ہوتی ہے یا تو وہ اُس پست چیز کے جس کو مشبہ بہ ٹھہرایا گیا ہے۔ نظر میں پھر جانے سے ہنستا ہے۔ یا اُس بلند رتبہ کے مقابل ایسی بدتر چیز کو دیکھ کر ہنستا ہے۔ پھبتی کبھی وضع قطع اور چال پر کہی جاتی ہے۔ اور کبھی ذات پر۔ کبھی ایک خاص جز ذات پر۔ کبھی ایک جزو مشترک و متصل بالذات پر۔ اور کبھی منفصل من الذات پر۔ کبھی ایک صفت پر۔ کبھی ذی روح پر۔ کبھی غیر ذی روح پر۔ اسی طرح مشبہ بہ کے ذوی الارواح یا ذوی العقول یا ہم جنس یا غیر جنس ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔

پھبتی ہر زبان میں پائی جاتی ہے۔ اہل عرب میں اکثر یہی پھبتی ناموں اور کنیتوں کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ مگر انھوں نے اس کو زیادہ تر تشبیہ کی حدود میں رکھا ہے۔ اور مدح و ذم میں برابر سمجھا ہے۔ اس کی پروا نہیں کی۔ کہ مشبہ بہ مشبہ سے زیادہ تر پست یا زیادہ تر بلند ہو۔ بلکہ زیادہ تر اون کی پھبتیوں میں یا کسی حالت خاص کی تشبیہ ہے۔ یا مدحیہ پہلو ہے۔ پھر بھی مشبہ اور مشبہ بہ کے غیر متناسب ہونے کی وجہ سے نقاد نظریں اون کو پھبتیوں ہی حدود میں رکھتی ہیں۔

اسی طرح زبان فارسی میں بھی پھبتی کا رواج قدیم سے چلا آتا ہے۔ مگر اون کے یہاں بالکل وہی طریقہ ہے جو

ہندوستان میں ہے۔ چنانچہ ایک شاعر پر جس کا تخلص تنگی تھا۔ حکیم ابوالفتح نے یہ پھبتی کہی (تنگی مادرزاد)

محمد رضائے کاشی کی عادت تھی کہ جب کوئی بات کہتا تو نہایت قرأت کے ساتھ کہتا تھا۔ اوس پر لوگوں نے یہ پھبتی کہی (قاری روزمرّہ)

زبان اُردو میں بھی پھبتیوں کا رواج زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے۔ مندرجہ بالا نانوں کی پھبتیاں دیکھنے کے بعد یہ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ چیز ہندوستان کی پیداوار ہے۔ بلکہ اس کو بھی اتباع ہی کہا جائے گا۔

فضل علی دانا جو میر کے ایک معاصر شاعر تھے۔ ایک مرتبہ میر صاحب کی محفل مشاعرہ میں جو ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ کو دتی میں منعقد ہوتی تھی، آئے۔ داناکی قطع یہ تھی کہ نہایت سیاہ فام تھے۔ اور داڑھی بھی جو معمول سے زیادہ بڑھی ہوئی پیٹ پر پڑی تھی۔ بہت سیاہ تھی۔ اوس روز اتفاق سے کرتہ بھی سیاہ پہنے ہوئے تھے۔ سودا نے جو شاعر میں موجود تھے یہ قطع دیکھ کر یہ پھبتی کہی۔ کہ ہولی کا ریچھ آیا۔

محمد امان اللہ غریب میر تقی کے بڑے گہرے دوست تھے۔ ذرا ہکلا کر بولتے تھے۔ اسی سبب سے کبھی کبھی الکن بھی تخلص کرتے تھے۔ جی بہلانے کے لئے اکثر مغل پورہ کے باغوں کی طرف چلے جاتے تھے۔ اور دن دن بھر وہیں گزار دیتے تھے۔ میر صاحب نے اون پر پھبتی کہی۔ ارنڈ باغاتی۔

میر تقی میر نے جب تذکرہ نکات الشعرا لکھا تو ایک شاعر محمد یار متخلص بہ خاکسار نے بھی ان کے جواب میں ایک تذکرہ لکھا۔ جس کا نام اپنے دوست محمد معشوق کنبوہ کے نام پر تذکرۂ معشوق رکھا۔ محمد معشوق کی عمر اسوقت چالیس برس کی تھی۔ میر صاحب نے ان پر پھبتی کہی معشوق چہل سالہ۔

محمد یار خاکسار کا عرف کلو تھا۔ محمد معشوق نے پھبتی کہکر ایک مصرع موزوں کیا۔ اور خاکسار کو سنایا۔ ع

کہتا ہے دربار کا کلو اس کا نام

اشرف علی خاں فغاںؔ نے ناگرمل پر جو احمد شاہ کے مزاج میں بہت دخیل تھا۔ اور دُہرے بدن کا موٹا تازہ آدمی تھا۔ یہ پھبتی کہی (گھی کی منڈی کا سانڈ)

ایسے ہی حکیم معصوم گجراتی پر۔ (جو گجرات کے رہنے والے سیدھے سادے بھولے آدمی تھے) (ڈگاؤ گجراتی) کی پھبتی کہی۔

شیخ شرف الدین مضمون کے دانت گر گئے تھے۔ اور پوپلا منہ کچھ عجب طرح کا معلوم ہوتا تھا۔ ویسے سرخ سفید آدمی تھے۔ ایک دن ان کو دیکھ کر ان کے استاد خان آرزو نے شاعر بیدانہ کی پھبتی کہی۔

شیخ ناسخ ایک پہلوان اور اکال شاعر تھے۔ فربہ جسم طویل القامۃ۔ تہمد باندھے ہوئے سر گھٹا ہوا۔ لوگوں نے ان کو دیکھ کر دم کٹے بھینسے کی پھبتی کہی۔

ایک پستہ قد شاعر پر مرزا فخر اللہ بیگ صاحب صابر نے یہ پھبتی کہی۔ چنیا بلطخ
ایک نہایت مشہور و معروف شاعر جواب بوجہ طویل العمر ہونے کے سفید ہو گئے ہیں۔ داڑھی لمبی بھی ہے سفید بھی ہے۔ اُس پر طرہ یہ کہ ضعف کی وجہ سے کہیں آنا جانا دشوار ہو گیا ہے۔ بالکل گوشہ نشین اور عزلت گزیں ہیں۔ لوگوں نے اُن پر بیتاری کے انگور کی پھبتی کہی۔
ایک کریہہ المنظر سیہ فام شاعر اپنے ایک دوست کے بچے کو کھلا رہے تھے۔ خود لیٹے ہوئے تھے۔ اور بچہ کو چھاتی پر بٹھا رکھا تھا۔ ان کے دوست نے دیکھا تو پھبتی کہی۔ اب کے نوروز شور پر سوار ہے۔
پھبتی بہترین وہ ہے جس میں کنایہ کے ساتھ کوئی بات کہی جائے۔ جیسا کہ ایک کالے بدرو بدقطع شخص سٹک پی رہے تھے۔ لوگوں نے کچھ چھیڑنا چاہا تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا۔ کہ اس وقت نہ بولنا۔ کاٹ لے گا۔ غصہ میں ابھی دُم چبا رہا ہے۔
پھبتی کا وجود جس طرح فارسی نظم میں پایا جاتا ہے اسی طرح اُردو میں بھی ہے۔ چنانچہ خدمتگار خاں ایک خوجہ پر آبرو نے مستثنےٰ منقطع کی پھبتی کہی۔

یار و خدمتگار خاں خوجوں کے بیچ ہے تو مستثنےٰ ولیکن منقطع

میر تقی میر شیخ چلہ نشین پر پھبتی کہتے ہیں۔

توبہ زاہد کی توبہ تلّی ہے چلّے بیٹھے تو شیخ چلّی ہے

شیخ امام بخش ناسخ ایک زاہد کے سر اور عمامہ پر پھبتی کہتے ہیں۔

دیکھنا ناسخ سر شیخ معمم کی طرف کیا کلس مسواک کا ہے گنبد دستار پر

نسیم ایک دیونی کے ہر عضو پر پھبتی کہتے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

آبنوس سیاہ خال اُس کے برگد کی جٹائیں بال اُس کے

ایک ایسی ہی جگہ اور کہتے ہیں۔

دانت اُسکے تھے گورکن قضا کے دو ٹھنے رہ عدم کے ناکے

آبنوس ایک ظریف شاعر اپنے معشوق کی مانگ پر پھبتی کہتے ہیں۔

یہ اُن کی مانگ پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے کہ کالے سانپوں میں مُنّا سا کھنکھجورا ہے

اسی طرح مسّی لگے ہوئے دانتوں پر ایک عجیب انداز سے پھبتی کہتے ہیں۔

ان نازک نازک دانتوں پر کیوں بار مسی کا ڈالا ہے میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

غرضکہ پھبتی کو صرف تشبیہ سے علاقہ نہیں۔ بلکہ پھبتی وہ ہے۔ جو تشبیہ سے گزر کر استعارہ کی صورت اختیار کرلے

اور اس میں بہتر قسم کی وہ پھبتی ہے جس میں صرف استعارہ رہ جائے اور مستعار لہ اور مستعار منہ کا ذکر ہی نہ رہے۔

ہجو وہ گفتگو ہے جس میں طنز طعنہ۔ ملامت غصہ۔ رمز و کنایہ۔ استہزا۔ پھبتی وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس گفتگو سے ہمیشہ اپنے مخالف کی دل آزاری مقصود ہوتی ہے۔ اِس کو ظرافت سے اسی واسطے تعلق ہوتا ہے۔ کہ اس میں رمز و کنایہ۔ استہزا۔ پھبتیوں فقروں۔ تمسخر وغیرہ کا بھی شمول ہوتا ہے۔ جیساکہ انوری ایک طویل القامت آدمی کی ہجو کرتا ہے۔

اے خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے　　　کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت

گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی　　　تو زندہ بماندے بدم صور ملک الموت

وہ شخص جس کی ہجو کی گئی ہے۔ اس کو سنکر یقیناً برہم اور متالم ہوگا۔ مگر ایک غیر متعلق شخص کے لئے یہ خالص ظرافت ہوگی۔ اور وہ اس سے بوجہ احسن لطف اندوز ہو سکے گا۔ اور درازی پر وہ طعن آمیز تمسخر جو اس میں موجود ہے۔ اوس کے لئے ایک سامان تفریح ہوگا۔

سعدی ایک داڑھی منڈ انے والے نوجوان کی ہجو اس طرح کرتے ہیں۔ اور ہجو میں ایک طنز و طعنہ شامل کرتے ہیں۔

گر دست بجاں داشتمے ہمچو تو بر ریش　　　نگزاشتمے تا بہ قیامت کہ برآید

یعنی جس طرح تو داڑھی پر ہاتھ رکھتا ہے اس طرح اگر میں جان پر ہاتھ رکھتا تو قیامت تک اُس کو اپنے جسم سے نہ نکلنے دیتا۔

میر تقی میر اوباش اور بازاری لڑکوں کی ہجو کرتے ہیں۔

باہم ہوا کریں ہیں دن رات نیچے اوپر　　　یہ نرم شانے لونڈے ہیں مخمل دوخوابہ

تشبیہ شامل کر کے اس میں ایک ظرافت پیدا کر دی گئی ہے۔

میر صاحب ایک پُرخور شخص کی ہجو کرتے ہیں۔

صد منی دیگ ہے شکم اوس کا　　　نفس اژدہا ہے دم اُس کا

اس ہجو میں پیٹ پر صد منی دیگ۔ اور دَم پر نفس اژدھا کی پھبتی کہکر ظرافت پیدا کی گئی ہے۔

سودا اپنے حریف ظریف میر ضاحک کی ہجو اس طرح کرتے ہیں۔

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر　　　رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

اس ہجو میں ریم کو اُلٹ کر میر کہا۔ اور اُسی سے ہجو کے ساتھ ظرافت پیدا ہوگئی۔ اسی طرح میر ضاحک کی ایک دوسری ہجو میں صرف تمسخر کے ساتھ ظرافت پیدا کی ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا　　　بیوہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا

بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونڈے کو جب ہلایا　　　تب شیخ سعدا پر غصہ کو کھا کے آیا

بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

یہ ہجو کا ایک بند ہے جو نمونتاً لکھا گیا ہے۔ ورنہ اول سے لے کر آخر تک اس میں وہی تمسخر اور ہجو کی شان ہے اور اسی سے ظریفانہ رنگ پیدا ہو گیا ہے۔

ایک شخص نے مسجد کا بیعنامہ کردیا۔ مولوی محمد اسماعیل میرٹھی اوس کے حق میں فرماتے ہیں۔

جب بیع مساجد سے نہیں چلتا کام　　کیا کہتے ہیں اس میں مفتیان اسلام
جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام　　تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو

اس ہجو میں طنز بطریق رمز و کنایہ شامل کر کے اور استفہام کے طریق پر استفتا کر کے ظرافت پیدا کی گئی ہے۔ اسی طرح رمز و کنایہ شامل کر کے مولانا حالی مولویان زمانۂ حال کی خبر لیتے ہیں۔

سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقیں　　کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں
تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں　　مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال

غرض کہ ہجو میں بھی وہ تمام چیزیں شامل کی جاتی ہیں جنھیں اجزاے ظرافت میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اسی لئے ظرافت کا جب ذکر کیا جائے گا۔ ہجو بھی اوس کے اقسام میں سے شمار کی جائے گی۔ اگرچہ اوس کا مقصد ظرافت سے جدا اور اس کا مفہوم مذاق سے علیحدہ ہے۔

ریختی شعر کی ایک قسم ہے۔ جس میں عورتوں کی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ اور انھیں کے رسوم۔ محاورات ضرب الامثال لکھے جاتے ہیں۔ دراصل یہ ریختی غزل ہی کی بگڑی ہوئی ایک صورت ہے۔ محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں جب زمانہ اپنی رنگینیوں اور عیاشیوں میں شرابور ہو رہا تھا۔ تفنن طبع کے طریق پر لوگوں نے اُس عہد کی رسم کو تازہ کرنا چاہا۔ جب ہندوستان کی بھاشا شاعری میں عورت کی طرف سے اظہارِ محبت کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی شاعری کی مثال زمانۂ اوائل شعر اُردو میں ملتی ضرور ہے۔ مگر شاذ و نادر ولی اور رحمان کا معاصر ایک شاعر دھنی رحیم کہتا ہے۔

رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے　　اری نادان تین اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے
سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے　　بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں

بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ یہ صنف شاعری امیر خسرو کے وقت سے رائج ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو۔ اس کا عروج رنگین اور انشا کے ہاتھوں ہوا۔ انھوں نے اس صنف کو نہ صرف تازہ کیا۔ بلکہ لطف بڑھانے کے لئے اون کے محاورات اور روزمرہ کا اس میں اضافہ کیا۔ پھر بقدر ضرورت اس میں ہزالی اور فواحشات کو دخل دیا۔

لطیفہ نام ہے اُس ظرافت کا جس میں کسی چھوٹے سے واقعے کو ظرافت کی چاشنی دیکر اختصار کے ساتھ بیان کردیا جائے۔ اس میں کوئی خاص چیز ایسی نہیں ہوتی جسے لطیفے کے مخصوصات میں شمار کیا جائے۔ البتہ حسن بیان اور طرز

ادا کی قید بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر لطیفہ معمولی گفتگو سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس میں بھی دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک کسی واقعہ کا بذاتہ اتنا دلچسپ ہونا۔ جس میں حسن پیدا ہو جائے دوسرے کسی واقعہ میں انداز بیان سے کوئی خاص ندرت پیدا کر دینا۔ چنانچہ ذیل میں اس قسم کے کچھ لطایف درج کئے جاتے ہیں۔

حکیم سولن کا ایک لڑکا مر گیا۔ اور وہ اُس کے غم میں رویا۔ لوگوں نے کہا کہ رونے سے کیا فائدہ۔ حکیم نے جواب دیا۔ کہ بس اسی لئے میں روتا ہوں کہ رونا بیکار ہو گیا۔

سعدی ایک مکان کی خرید و فروخت میں مشغول تھے۔ وہاں ایک یہودی رہتا تھا۔ اُس نے شیخ کو ترغیب دی کہ خرید لیجئے میں اس کا ہمسایہ ہوں اس مکان میں کوئی عیب نہیں ہے۔ سعدی نے جواب دیا۔ بس یہی عیب ہے کہ آپ یہاں رہتے ہیں۔

سقراط کی بیوی بہت بد خو تھی ایک مرتبہ لڑ کر پانی کی بھری ہوئی پتیلی کھینچ کر پھینک دی۔ سقراط بولا کہ پہلے گرجا اور پھر برسا۔

ایک یونانی پہلوانی کرتا تھا۔ لیکن کشتی کے موقع پر ہمیشہ پچھاڑا جاتا تھا۔ آخر کار اُس نے پہلوانی چھوڑ کر طبابت سیکھنی شروع کی۔ سقراط نے اوس کو اس فن میں مصروف دیکھ کر کہا کہ اب تم لوگوں کو پچھاڑا کرو گے۔

سقراط کی بیوی اُس وقت بہت رو رہی تھی۔ جب سقراط کو زہر کا پیالہ پلایا جا رہا تھا۔ سقراط نے پوچھا کہ تو کیوں روتی ہے۔ کہا اس لئے کہ تو بے گناہ مارا جاتا ہے۔ سقراط نے کہا۔ اری کمبخت کیا تو یہ چاہتی ہے کہ میں کسی گناہ پر مارا جاؤں۔

یہ لطایف جو لکھے گئے ہیں۔ ان میں وہ ظرافت ہے جو صرف مشاق اور ظرافت آگاہ لوگوں کے یہاں پائی جاتی ہے عوام کے لطایف قصداً نظر انداز کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اِن میں ظرافت بالقصد اکثر نہیں پائی جاتی۔ دوسرے اِس قسم کے لطائف اسقدر مشہور ہیں یہاں اون کا لکھنا بیکار ہے۔

کہیں نہ لطیفہ ہوتا ہے۔ نہ ہزل۔ نہ پھبتی۔ نہ پھکڑ بلا ظرافت کا دار و مدار دوسری چیزوں پر رکھا جاتا ہے۔ کہیں اپنی اصلی وضع یا اپنی اصلی گفتگو کو چھوڑ کر کسی دوسرے فرقہ کی گفتگو اختیار کی جاتی ہے۔ کہیں بالکل بےمعنی بات کہی جاتی ہے۔ اور اس کو سنکر سننے والے کو ہنسی آتی ہے۔ کہیں ایک زبان میں دوسری زبانوں کی آمیزش کر کے اور گفتگو کو معجون مرکب بنا کر ظرافت پیدا کی جاتی ہے۔ کہیں واقعات مضحک کا بطریق تلمیح ذکر کیا جاتا ہے۔ کہیں کسی شعر کی غیر موزونی ہی ظرافت اور ہنسی کا سبب ہوتی ہے۔

اِن سب باتوں کے بعد یہ نتیجہ بآسانی نکل آتا ہے کہ انسان کی ہنسی کا فلسفہ یہ ہے۔ کہ اُس کے سامنے

کوئی ایسی بات کہی جائے جو معمول سے ہٹی ہوئی ہو - یا ایسا کام کیا جائے جو مروج نہو - یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ایک کمزور مریض کو چلتے اور ڈگمگا کر گرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو آپ کو ہنسی نہیں آتی - بلکہ اُس کی بجائے افسوس ہوتا ہے - اور جب ایک جوان - طاقتور کو کہیں پھسلتے گرتے دیکھتے ہیں تو ہنسی آجاتی ہے - یہ ممکن ہے کہ کسی غیر متوقع اور غیر معمولی بات سے ہنسی نہ آئے - مگر یہ مسلم ہے کہ ہنسی جب آئے گی وہ غیر معمولی بات یا غیر متوقع واقعہ ہی سے آئے گی -

اسی سلسلہ میں جب ہم مرزا غالب کی ظرافت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ کسی جگہ پھبتی کہتے ہیں نہ ظرافت کے لئے انوکھی تشبیہیں تلاش کرتے ہیں - نہ لطائف پر اپنا دار و مدار رکھتے ہیں - نہ غیر معمولی باتیں بیان کرتے ہیں - خوشی کی جگہ خوشی کے اور غم کی جگہ غم کے الفاظ لاتے ہیں - واقعات کا بے کم و کاست اظہار کرتے ہیں - مگر اُن کی فطری اور طبعی ظرافت اور زندہ دلی اوسی سادگی میں بلا کی شوخی پیدا کردیتی ہے - وہ روا روی میں ایک بات کہتے ہوئے گزر جاتے ہیں - مگر سننے والا ہنستے ہنستے لوٹ جاتا ہے -

کسقدر حیرت خیز - اور کتنا تعجب انگیز ہے یہ امر - کہ وہ کسی سے ناراض ہوتے ہیں - اور اتنا ناراض ہوتے ہیں - کہ خود ان کے بڑھاپے کے ہاتھ پاؤں کانپتے نظر آتے ہیں - چہرہ پر غیظ و غضب کے آثار ہیں - ماتھے پر شکنیں ہوتی ہیں - غصہ سے ہونٹ ہل رہے ہیں - زیر لب کچھ کہتے جاتے ہیں - مگر سننے والا سمجھتا ہے - کہ پھولوں کی بارش ہو رہی ہے - اور دل میں انبساط پیدا ہو رہا ہے - اور ظرافت اگر صرف ظرافت ہو تو خیر کوئی بڑی بات نہیں - مگر اُن کے یہاں تو اوسی میں اخلاق ہے - اوسی میں رنج و ملال کا اظہار ہے - اوسی میں اون کی عادات فطری کے آثار ہیں - اسی میں جذبات مسرت ہیں - اوسی میں درد کا بیان ہے - اوسی میں تاریخی واقعات ہیں - اوسی میں شہر دہلی کے حالات ہیں - اوسی میں تعلیم ہے - اوسی میں تلقین ہے - اوسی میں شفقت بزرگانہ کا لحاظ ہے - اوسی میں کرم دوستانہ کا ظہور ہے - وہیں فخر و مباہات کے دریا بہہ رہے ہیں - اور وہیں سر عجز و نیاز جھک رہا ہے - غرض کہ ان کے چند فقرے نہ صرف تفنن کا کام دیتے ہیں - بلکہ ایک وسیع فضا پیش کردیتے جہاں لطف و تفریح کے ساتھ عبرت و بصیرت بھی سامنے آجاتی ہے - اور لوگ بھی جیسا کہ بیان ہو چکا - اس رنگ کے لکھنے والے ہیں مگر وہ ظرافت حقیقی جس سے روح کو لطف حاصل ہو - وہ صرف مرزا کا حصہ ہے - عالمگیر کی تحریر میں بھی ایجاز و اختصار کے ساتھ ظرافت کا عنصر غالب ہے - مگر ان کی ظرافت میں ایک جاہ و جلال - اور ایک نوع کا غصہ بھی شامل ہے - مثلاً وہ محمد معظم شاہ کو لکھتے ہیں -

"اعلیحضرت فردوس منزلت بہ گرفتن ولایت بلخ و بدخشاں و خراسان و ہرات ملک قدیم موروثی توجہ مفرط داشتند و کر دافواج بادشاہی بسرکردگی مراد بخش بآن سو فرستادہ شد چنانچہ اکثر آں ولایت فتح ہم شد لیکن بہ سبب کم حوصلگی آں نامراد کہ بے طلب حضور برخاستہ آمد و اصلاً بہ اہالی و اکابر آں دیار نپرداخت ملک مقبوضہ و مفتوحہ از دست رفت و محنت و زر ضائع گشت از ینجاست

کہ گفتہ اند ادبسر ناخلف دختر بہتر۔ نظر باین توجیہ کہ ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ این فانی را آرزو باقی است و تدبیرش جز اینکہ نبیرہ آنحضرت را با فوجی شایستہ و سامان بایستہ بآں سمت بفرستیم دیگر از ما چہ می آید۔ باوجود تاکیدات حضور شما قدمے رانہ زدہ آید۔ تا باں مہم چہ رسد۔ ظاہرا کار ساز شما نیست۔ عارف بہ خود بُرعارف است۔ این نمود بے بود خود آفتاب سرکوہ است بدست آمد چہ دنیا مد چہ شما فکر خود کنید کہ در ینجا بہم چشمان چہ رد خواہید نمود۔ و در انجا بحضرت حق سبحانہ تعالےٰ و حضرت اعلیٰ،،

ضلع گشت تک مندرجہ بالا عبارت میں بہت خشکی ہے۔ از ینجاست سے عبارت میں رنگینی شروع ہوتی ہے۔ نظر باین توجیہ سے عبارت میں ایک تفنن کے ساتھ ظرافت کا بہت ہلکا رنگ شروع ہو جاتا ہے۔ آگے چل کر حسن تنبیہ ظریفانہ انداز میں ہے۔ مگر ہر فقرہ سے غصہ۔ طنز۔ طعن بھی ظاہر ہوتا ہے۔ نبیرہ آنحضرت۔ دیگر از ما چہ می آید۔ تا باں مہم چہ رسد۔ ظاہرا کار ساز شما نیست۔ عارف بہ خود بُرعارف است۔ شما فکر خود الخ یہ سب فقرے تفنن عبارت کے ساتھ بہت ہلکی ظرافت اپنے ذیل میں لئے ہوئے ہیں۔ مگر کمی اتنی ہے۔ کہ رنگ طنز غالب ہے اور ظرافت مغلوب۔

حکیم سوزنی - انوری - جعفر زٹلی وغیرہ پھکڑ تک یہو نچ کر رہ گئے اس کے سوا اور کچھ اُن کے یہاں نہیں ملتا۔ البتہ سعدی کے ظریفانہ رنگ میں ہر جگہ ظرافت محض کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ اور بہار کا کام دیتا ہے

اردو میں بھی بہت سے ظریف ہیں۔ مولانا اکبر الہ آبادی مرحوم کو ایک خاص ملکہ ہے مگر دو باتیں ہیں ایک تو صرف نظم پر ان کی ظرافت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے اون کے کلام میں کوئی خاص ظرافت نہیں بلکہ اوس کا انحصار محض ایک خاص فرقہ کا خاکہ اڑانے اور ہر ایک خاص جماعت کی ہجو ملیح کرنے پر ہے۔ جس سے ایک تصویر دیکھنے والے کی نظر میں پھر جاتی ہے اور اُسی پر تمام لطف کا انحصار ہوتا ہے

برعکس اس کے مرزا نظم اور نثر دونوں میں ظرافت کے بادشاہ ہیں۔ اون کا کوئی خط ایسا نہ ملے گا۔ جس میں ظرافت نہو۔ مگر نہ اورنگ زیب کی طرح وہ بیوست کو مزاحی رنگ پر غلبہ دیتے ہیں۔ اور نہ نعمت خان عالی کی طرح الفاظ کے گورکھ دھندے کو ہر جگہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ نہ انوری۔ سوزنی۔ جعفر زٹلی کی طرح فواحش پر اُتر آتے ہیں۔ نہ اکبر کی طرح کسی خاص طبقہ اور فرقہ کی طرف سے اظہار تنفر کرتے ہیں۔ اور ان سب عیوب ظرافت سے بچے رہنے کی خاص وجہیں ہیں۔ بیوست سے بچنے کا سبب یہ ہے کہ وہ دراصل فطری ظریف ہیں۔ شاد و خرم ہشاش بشاش دل اپنے پہلو میں رکھتے ہیں۔ تصنع اور آورد کا اُن کے یہاں نام بھی نہیں۔ جو لب پر ہے وہ دل میں بھی ہے۔ جو دل میں ہے وہ لب پر بھی ہے۔ برعکس اس کے عالمگیر کے مزاج میں خشکی بھی ہے۔ ظرافت بھی ہے۔ شاہی تمکنت بھی ہے۔ ہر جگہ شان ملوکت کو بھی کام میں لایا جاتا ہے۔ تقویٰ و طہارت بھی دامنگیر رہتی ہے۔ خلقی زندہ دلی بھی ان سب میں تھوڑی بہت شامل ہو جاتی ہے۔

نعمت خاں عالی کی طرح الفاظ کے پھیر میں وہ پڑنا نہیں چاہتے۔ مراعات النظیر۔ یا رعایت الفاظ سے اُنھیں

بیرہے۔ جو کچھ کہتے ہیں بہت صاف کہتے ہیں۔ مراسلت یا مکاتبت کو جب تک کہ مکالمہ نہیں بنا دیتے انہیں چین ہی نہیں آتا۔ چنانچہ مفتخرانہ انداز سے جابجا اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

انوری سوزنی کی طرح پھکڑ نہیں بکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ اون کی سوسائٹی بہت بلند ہے۔ سوائے ایک دو جگہوں کے اون کے یہاں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو کسی کے مرتبہ سے کم ہو۔ عالی مرتبہ لوگوں کی صحبت رہی عالی خاندان میں پیدا ہوئے۔ اعلےٰ تعلیم حاصل کی۔ ذوق سلیم - اور صحیح مذاق لائے پھر اُن کو ان باتوں سے نسبت ہی کیا ہو سکتی ہے۔

اُن کے رُقعات کو دیکھئے اور ان کے مکتوب الیہم کو جانچئے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ کہ وہ کس قدر مزاج داں۔ اور نبض شناس فطرت واقع ہوئے ہیں۔ غیظ و غضب کی حالت ہو۔ کیف و سرور ہو۔ مزاح کا غلبہ ہو۔ غم ہو۔ رنج ہو۔ خوشی ہو۔ مصیبت ہو۔ غرض کچھ ہو یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے قلم سے کوئی لفظ مکتوب الیہ کی شان کے خلاف نکل جائے۔ اور وہ ایک انچ دائرہ مزاج شناسی سے ہٹ جائیں صرف یہی نہیں کہ مدارج کو ملحوظ رکھیں۔ صرف یہی نہیں کہ کوئی لفظ زائد یا خلاف محل استعمال نہ ہو یہ بھی ہے کہ مکتوب الیہم کی شان مزاج اور افتاد طبیعت پر بھی ہر فقرہ روشنی ڈالتا ہے۔ اور اپنا رنگ طبیعت بھی ظاہر کرتا ہے۔ اب ہم غالب کی شوخی و شوخ نگاری کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

تمدنی و معاشرتی زندگی میں

منشی ہر گوپال تفتہ مرزا کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ مرزا کو اُنسے کمال محبت اور انس تھا۔ اور وہ بھی ان کے پیچھے جان نثار تھے۔ اگر خط بھیجنے میں کبھی دیر ہوتی تو مرزا کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اور منتظر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ یہی اتفاق پیش آیا مرزا نے لکھا کہ

"بھائی ایک دن شراب نہ پیو یا کم پیو اور ہم کو دو چار سطریں لکھ بھیجو"

عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں مرزا کے محبوب دوست تھے۔ اون کے خط میں دیر ہوئی تو خط تمام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نجات کا خدا سے اور تم سے اس رقعہ کے جواب کا طالب غالب"

حکیم ظہیر الدین احمد خاں غلام نجف خاں کے بیٹے تھے۔ مرزا ان سے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب مرزا رام پور گئے تو شاید گھر کا کوئی خط اور مختار کی کوئی چٹھی نہ پہنچی۔ تو ظہیر الدین احمد خاں سے ان الفاظ

ساتھ گھر کا حال پوچھا۔

"کیدار ناتھ ڈیوڑھی پر آکر جعفر بیگ وفادار وغیرہ کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں۔ اچھا میرا بیٹا یہ دونوں باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر جلد مجھ کو لکھیو دیر نہ کیجیو۔ خط کے جواب کا طالب فقیر غالب"

آخر عمر میں مرزا علایق دنیوی سے ایسے دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ کہ متانت اور ظرافت کا اظہار اسی انداز سے کرتے تھے۔ چنانچہ علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں۔

"تمھارے والد ماجد سے۔ اور تمھارے جدّ ماجد۔ اور تمھارے عم عالیمقدار سے کہہ چکا ہوں خلاصہ یہ کہ میری بیوی اور بچوں کو کہ یہ تمھارے ہیں۔ مجھ سے لیلو۔ کہ میں اب اس بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا میرا قصد سیاحت کا ہے۔ پنشن اگر کھل گیا۔ تو وہ اپنے صرف میں لایا کروں گا۔ جہاں جی چاہا وہاں رہ گیا جہاں سے دل اُکھڑا چل دیا"

مرزا علاء الدین خاں کے دلّی آنے کی خبر سُنی تو خود انھیں کو لکھتے ہیں۔

"یہاں اختلاف طبایع کا وہ حال کہ آغاز مخدوش۔ انجام مغشوش۔ مبتدا خبر سے بیگانہ۔ شرط جزا سے محروم سنا اور متواتر سنا کہ قصہ طے ہو گیا۔ اب علاء الدین خاں مع قبائل آئیں گے۔ اپنے محبوب کی شکل مع اُس کے نتائج کے دیکھوں گا"

کسی بات کے پوچھنے میں بھی مرزا کا ایک جداگانہ انداز ہے۔ منشی ہرگوپال تفتہ نے ایک مرتبہ کوئی بات لکھی اور ساتھ ہی عدم یقین کی وجہ سے یہ بھی لکھدیا کہ۔ راست و دروغ بہ گردن راوی مرزا کو اس بات سے کوئی تعلق تھا۔ تفتہ سے تفصیل چاہی تو وہی تفتہ کا فقرہ لکھکر عبارت میں تفنن اور ظرافت کا رنگ پیدا کر دیا۔ لکھتے ہیں کہ

"میاں وہ راست دروغ بہ گردن راوی نے مجکو بہت پریشان کیا ہے۔ واسطے خدا کے جو راوی نے روایت کی ہے۔ وہ مجھکو ضرور لکھو"

میر مہدی مجروح مرزا کے مایۂ ناز اور مشہور شاگرد ہیں۔ غدر کے آشوب ناک زمانے میں دہلی سے نکل کر پانی پت میں جا رہے تھے۔ مگر رسم مکاتبت و مراسلت دلّی والوں اور خصوصاً مرزا سے برابر جاری تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے آنے کو لکھا تو مرزا صاحب نے جواب میں یہ اشتیاقیہ ظرافت آمیز فقرہ لکھا۔ جو القاب۔ ظرافت۔ تخاطب سب ہی کچھ ہے۔

"کیوں یار کیا کہتے ہو۔ ہم کچھ آدمی کام کے ہیں یا نہیں۔ تمھارا خط پڑھ کر دو سو بار یہ شعر پڑھا ہے

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

بھائی یہ تو مبالغہ ہے کہ روٹی وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔ یہ کہتا ہوں کہ عید وہاں کرو تو باسی عید یہاں کرو،،

غلام نجف خاں نے آنے کے لئے لکھا تو ان کو اشتیاقیہ خط لکھتے ہیں۔

،، کہو اب خیر سے کب آؤگے۔ کئے برس کے یہینے۔ کے دن راہ دکھاؤ گے ،،

نہ کوئی تشبیہ نہ پھبتی ہے۔ نہ پھکڑ ہے۔ صرف انداز بیان نے لطف پیدا کر دیا ہے۔

نواب سعد الدین خاں شفق رئیس کالپی مرزا کے غائبانہ دوست تھے۔ ایک مرتبہ اون کا خط آیا۔ تو لکھتے ہیں۔

،، پیر و مرشد ۱۲ بجے تھے میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا پڑھا۔ بھلے کو انگرکھا گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جاتا میرا نقصان ہوتا،،

علاء الدین احمد خاں بہت دنوں سے آنا آنا کر رہے تھے روز لکھتے تھے کہ اب آتا ہوں اور اب آتا ہوں۔ مگر یہ وعدے سب نقش آب ہوتے تھے۔ آج آتے تھے نہ کل ایک مرتبہ لکھا کہ عید کے مہینے میں آؤں گا تو مرزا نے جواب میں لکھا کہ

،، رجب بیگ۔ شعبان بیگ۔ رمضان بیگ۔ یہ نامور مہینے ہیں سو خالی گئے۔ شوال بیگ آدمی کا نام نہیں سنا۔ ہاں عیدی بیگ ہو سکتا ہے۔ پس جب عید ہے۔ اور روز سعید ہے تو کیا بعید ہے۔ کہ بخلاف شہور ثلثہ ماضیہ اس مہینہ میں تم آسکو۔ ہے ہے میں تو کہتا ہوں نہ آسکو۔ اس ماہ مبارک میں امضائے حکم سرکار کا وہ ہنگامہ گرم ہو کہ پارسیوں کی کوسہ برنشین کا گمان گزرے۔ دور کیوں جاؤ ہولی دولھنڈی کا سماں لوہارو میں بندھ جائے۔ ایک خرسوار کی سواری بڑی دھوم سے نکلی حسن اتفاق یہ وہی موسم ہے۔ ہولی اور عید کوسہ برنشین کا زمانہ باہم ہے۔ حوت کے آفتاب میں یہ دونوں تہوار ہوتے ہیں۔ کل آفتاب حوت میں آیا ہے۔ کوسہ برنشین اور ہولی کا عرس لایا ہے۔ پھر میں چندروز اور ستم کش فراق اور تیرے دیدار کا مشتاق ہوں تو کوسہ برنشین اور ہولی کی رنگ رلیاں منائے۔ اور خرسوار کو بضرب تازیانہ دوڑائے۔ علاء الدین خاں واللہ تو میرا فرزند روحانی معنوی ہے۔ فرق اسی قدر ہے کہ میں جاہل ہوں تو مولوی ہے۔ ارے ظالم اس کوسہ برنشین کی داد دے۔ عقل کرامت ہے۔ الہام ہے۔ لطف طبع ہے۔ کیا ہے۔ یہ اسم کسقدر مناسب مقام ہے،،

غدر کا ہنگامہ برپا ہے - گلی گلی کوچہ کوچہ میں گیر ودار کی صدائیں بلند ہیں نفسی نفسی کا عالم ہے - ایک کو دوسرے کی خبر نہیں - ہر کوئی اپنی بلا میں گرفتار ہے - مجرموں کے خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں - مرزا بھی حال اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں اور تفتہ سے کہتے ہیں

"یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں جو دُکھ مجھکو ہے اُس کا بیان تو معلوم مگر اُس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں - انگریز کی قوم میں سے جوان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے - اوس میں کوئی میرا امیدگاہ تھا - اور کوئی میرا شفیق - کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار کوئی میرا شاگرد - ہندوستانیوں میں کچھ عزیز - کچھ دوست - کچھ شاگرد کچھ معشوق - سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے - ہائے اتنے یار مرے کہ جواب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا"

مندرجۂ بالا عبارت میں انتہائی افسوس کا اظہار ہے لیکن شوخی بیان بدستور قائم ہے -

ہنگامہ غدر کے بعد مرزا اس لئے معتوب ہوئے تھے کہ وہ بھی دلی کے آخری تاجدار کے مُصاحب تھے - چونکہ اُس زمانہ میں ظفر کے کلام پر مرزا ہی اصلاح کرتے تھے - اِس لئے ان پر یہ الزام بھی لگایا گیا تھا - کہ تم نے بادشاہ کے لئے سکہ کہہ کر دیا - حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ وہ سکہ ظفر کے پہلے اُستاد ذوق مرحوم نے کہا تھا - اور مطبع مولوی محمد باقر دہلوی میں دہلی اُردو اخبار میں چھپا تھا - مرزا کو یہ بات یاد تھی - اِنہوں نے اپنی بریت کے لئے اِدہر اُدھر اپنے دوستوں کو خط لکھے کہ کہیں وہ اخبار مل جائے تو بھیجدو - چودھری عبد الغفور مار ہروی کو بھی یہی لکھا تھا - اُنہوں نے بہت ڈھونڈا کہیں نہ ملا - اُنہوں نے مرزا کو لکھا کہ اخبار نہیں ملتا - اپنے جواب میں اُس افسوس کو ان الفاظ میں ظاہر کیا - ذرا دیکھئے کس قدر شگفتگی برستی ہے -

"آپ کی سعی اور اپنی ناکامی پہلے سے میرے دل نشین اور خاطر نشان ہے . . . .
وہ اخبار نہ کہیں سے ہاتھ آیا نہ آئے گا -"

میر سرفراز حسین کو ایک خط لکھتے ہوئے گذشتہ صحبتوں کو یاد کرتے ہیں - اور اپنے احباب خاص کا نام گنا کر کہتے ہیں -

"مَرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا ہوں بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے ہیں - الحمد اللہ ہزاروں کا میں ماتمدار ہوں - میں مروں گا تو مجھکو کون روئیگا - سنو غالب رونا پیٹنا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو -"

میر مہدی کو ایک خط میں لکھتے ہیں -

"خلاصہ میرے فکر کا یہ ہے کہ اب بچھڑے ہوئے یار قیامت ہی کو جمع ہوں تو ہوں سو وہاں کیا خاک جمع ہوں گے - سُنی الگ - شیعہ الگ - نیک جُدا بد جُدا -"

سید احمد حسین مرد و دی کو لکھتے ہیں۔

"خداوند نعمت کیا تم دلی کو آباد - اور قلعہ کو معمور - اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو - جو حضرت شیخ کا کلام اور صاحبزادہ شاہ قطب الدین ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ کا حال پوچھتے ہو - آں دفتر را گاؤ خورد - وگاو را قصاب برد - و قصاب در راہ مُرد -"

مرزا حاتم علی مہر کو لکھتے ہیں۔

"ہائے میرجان جا کوب کیا جوان مارا گیا ہے - یہ بھی اُنھیں میں ہے - کہ جنکا میں ماتی ہوں - ہزار ہا دوست مر گئے - کس کو یاد کروں - اور کس سے فریاد کروں جیوں تو کوئی غمخوار نہیں - مروں تو کوئی عزادار نہیں -"

یوسف مرزا کو دلی کی ویرانی پر افسوس کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

"جب اہل شہر ہی نہ رہے - شہر کو لیکے کیا چولھے میں ڈالوں"

منشی شیو نرائن نے مرزا کو لکھا کہ میرے اخبار کے کچھ خریدار پیدا کیجئے - مرزا نے دلی کی تباہی پر آنسو بہاتے ہوے مگر ظاہرا ہنستے ہوئے ایک ایسا ظرافت آمیز جواب لکھ بھیجا کہ شیو نرائن کی تسلی کو کافی ہو گیا لکھتے ہیں۔

"یہاں آدمی کہاں کہ اخبار کا خریدار ہو - مہاجن لوگ جو یہاں بستے ہیں وہ یہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ گیہوں کہاں سستے ہیں -"

مرزا شراب کے عادی تھے - مگر دیسی شراب سے اُن کو نفرت تھی - ہمیشہ اولڈ ٹام پیتے تھے - جس کی بوتلیں چوبیس روپیہ درجن کے حساب سے اُس زمانہ میں ملتی تھیں - ۱۸۵۷ء میں غدر کے بعد اوس کی قیمت بڑھ کر پچاس اور ساٹھ روپیہ درجن ہو گئی - مرزا بہت گھبرائے اور اپنے ایک عزیز ہندو دوست کانپور کے رہنے والے کو لکھا - کہ وہاں کچھ سستی ہو تو بھیجو - اونہوں نے لکھا کہ وہی نرخ یہاں ہے - مرزا صاحب نے گھبرا کر لکھا۔

"جب وہاں بھی اس قیمت کو ملتی ہے تو میرا مقدور نہیں میں سمجھا تھا کہ شاید وہاں ارزاں ہو خیر اوس کو جانے دو - روٹی ہی ملے جائے تو غنیمت ہے - مہینہ بھر کی روٹی کا مول ایک درجن کی قیمت ہے -"

مرزا نے بعض جگہ چند الفاظ کے اجتماع سے عبارت میں تفنن اور شوخی پیدا کی ہے - ہر چند کہ وہ الفاظ کے اجتماع سے گھبراتے تھے - مگر پھر بھی کسی جگہ خاص خاص طریقے سے الفاظ کا اجتماع کیا ہے، اور اُن سے ایک خاص بات پیدا ہو گئی ہے - مگر یہ نہیں ہے کہ انکو کہیں مراعات النظیر وغیرہ کی فکر ہوئی ہو۔

میاں داد خاں سیاح جو مرزا کے نہایت راسخ العقیدہ شاگرد تھے۔ سیر و سفر کے عادی تھے۔ جب وہ ایک مرتبہ سورت اپنے مکان پر پہونچے تو مرزا نے لکھا۔

"سورت کا پہونچنا بہر صورت مبارک۔"

ایک مرتبہ تفتہ کو لکھا کہ "پنڈت بدری داس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں جب جیتا تھا تو وہ اپنا کلام اصلاح کے واسطے میرے پاس بھیجتا تھا"۔ پھر لکھتے ہیں

"اوپر کے نمبر میں جو اپنے کو مردہ لکھا ہے وہ بہ اعتبار ترک اصلاح نظم لکھا ہے ورنہ زندہ ہوں مردہ نہیں بیمار بھی نہیں۔"

مرزا کا دیوان اردو جب پہلی مرتبہ چھپا تو میر مہدی۔ اور دوسرے لوگوں نے ایک ایک جلد مانگی اور لکھا کہ تینوں آدمیوں کے لئے ایک ایک جلد بھیجدیجئے۔ مرزا نے الفاظ میں ظرافت کی۔

"اگر خدا چاہے تو اسی ہفتہ میں تین مجلد اصحاب ثلثہ کے پاس پہونچ جائیں۔"

نصیر الدین میر مہدی کے دوستوں میں تھے۔ اور اسی توسط سے مرزا بھی اُن پر مہربان تھے۔ ایک مرتبہ میر مہدی کو خط لکھا تو یہ فقرہ لکھ بھیجا۔

"نصیر الدین چراغ دہلی کو اور میر نصا صاحب کو دعا کہنا۔"

ایک جگہ حکیم ظہیر الدین احمد خاں کی طرف سے نجم الدین حیدر اون کے چچا کو خط لکھا۔ اس میں وہ الفاظ کی بھرمار کی اور اتنا مبالغہ سے کام لیا۔ کہ ناسخ وغیرہ کو مات کر دیا سنئے۔

"سبحان اللہ کیا توپ جس کی آواز سے رعد کا دم بند۔ اور تمک کے رشک سے۔ بجلی کو رنج۔ گولہ اس کا خدا کا قہر۔ دھواں اُس کا دریائے آتش کی لہر استغفر اللہ کیا باتیں کرتا ہوں۔ کیسی ارجگ۔ کیسا دھواں کیسا گراب۔"

"دو تین مہینے میں لوٹ پوٹ کے اچھا ہو گیا۔ نئے سرے روح قالب میں آئی۔ اجل نے میری سخت جانی کی قسم کھائی۔"

نواب انور الدولہ سعد الدین خاں شفق کو ایک قصیدہ بھیجا۔ انہوں نے نہ جواب دیا۔ نہ رسید بھیجی۔ مرزا نے جب دوسرا خط لکھا تو امیدگاہ کے بجائے اُمیدکاہ بہ کاف عربی لکھدیا۔ اونھوں نے لطیفہ کو سمجھ لیا۔ اور جواب میں پوچھا کہ مرزا صاحب یہ کیا۔ مرزا صاحب جواب دیا کہ

"پیر و مرشد اگر میں نے اُمیدکاہ بکاف عربی لکھا تو کیا گناہ۔ نہ خط کا جواب۔ نہ قصیدے کی رسید سے

دریں خستگی پوزش از من مجوے　　　بود بندۂ خستہ گستاخ گوے"

انہیں شفق کو ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"احترام الدولہ بہادر میرے ہمزبان اور آپ کے ثنا خواں ہو گئے۔ گویا اس امر خاص میں وہ شریک غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرۂ اضافی وہ بطریق کسرۂ توصیفی"

نواب صاحب نے ایک مرتبہ اپنے اعزہ کی کچھ شکایت لکھی۔ مرزا کو خط ملا تو جواب میں لکھا۔

"قبلہ وکعبہ کیا لکھوں امور نفسانی میں اضداد کا جمع ہونا۔ محالات عادیہ میں سے ہے۔ یہ کیونکر ہو سکے کہ ایک وقت خاص میں ایک امر خاص موجب انشراح کا بھی ہو اور باعث انقباض کا بھی ہو یہ بات میں نے آپ کے اس خط میں پائی کہ اوس کو پڑھ کر خوش بھی ہوا اور غمگین بھی"

میر امجد علی قلق لکھنوی کا ایک مرتبہ نواب صاحب سے ان الفاظ کے ساتھ حال پوچھا۔

"میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ اون کے تخلص نے مجھ کو حیران کر رکھا ہے یعنی قلق میں مبتلا ہوں۔"

نواب ذوالفقار الدین حیدر خاں کو خبر دیتے ہیں۔

"مرزا الٰہی بخش کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے اُنہوں نے زمین پکڑی ہے۔ دیکھئے یہ جبر اٹھ جائے یا یہ خود اُٹھ جائیں"

نیّر کو مرزا نے خلیفہ کیا۔ اس کی جب علاء الدین احمد خاں کو خبر ہوئی تو انہوں نے دبے دبے مرزا سے شکایت کی کہ حقدار میں بھی ہوں۔ مرزا نے جواب لکھا اور الفاظ کے پھیر میں خدا جانے کیا کہہ گئے۔

"مولانا نسیمی کیوں خفا ہوتے ہو۔ اسلاف واخلاف ہوتے چلے آئے ہیں۔ اگر نیر خلیفہ اول ہے تو تم خلیفہ ثانی ہو۔ اوس کو عمر میں تمیز تقدم زمانی ہے۔ ایک اوّل ہے۔ ایک ثانی ہے۔"

دسمبر ۱۸۶۵ء میں رام پور میں کوئی بڑا جشن ہوا۔ جس میں اکثر معزز انگریز بھی مدعو تھے۔ اور بہت اہتمام اور تزک واحتشام عمل میں لائے جا رہے تھے۔ مرزا اُس زمانے میں رام پور ہی میں تھے۔ چنانچہ علاء الدین احمد خاں کو وہاں کا حال لکھتے ہیں۔ اور ایک فقرہ سے عبارت میں ظرافت کی روح پھونک دیتے ہیں۔

"آج صاحبان عالی شان کی دعوت ہے۔ شام کا کھانا یہیں کھائیں گے۔ روشنی آتشبازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کرے گی۔ طوائف کا وہ ہجوم۔ حکام کا وہ مجمع کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا چاہیئے۔"

میر احمد حسین میکش کی کسی تقریب میں خرمے تقسیم ہوئے آپ نے لکھا۔

"میاں دین محمد صاحب کے ہاتھ تازے خرمے بھجواؤ گے تو ہم بھی کہیں گے۔ تازہ شے بہتر۔ بارہ سے بہتر۔"

دیکھئے اس تاریخ میں تجنیس سے جان ڈال دی ہے۔

جس زمانے میں عود ہندی چھپنے کو تھی۔ اور منشی غلام غوث بیخبر اوس کی اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔ تو مرزا صاحب نے لکھا۔

"اور ہاں حضرت وہ مجموعہ چھپے گا (بالفتح) یا چُھپے گا (بالضم)۔"

اسی بارہ میں ایک اور جگہ بھی خواجہ غلام غوث صاحب کو لکھتے ہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ خواجہ صاحب مرزا پہ زور دیتے تھے۔ کہ دیباچہ آپ لکھئے۔ مرزا صاحب نے لکھا۔

"مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچے پر موقوف ہے تو اس مجموعہ کا چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا۔ بلکہ چُھپ جانا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

رسم است کہ مالکان تحریر		آزاد کنند بندۂ پیر

آپ بھی اُسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے۔"

مالکان تحریر سے یہ مراد ہے کہ جو لوگ غلاموں کے مالک ہیں وہ بڈھے غلاموں کو آزاد کر دیتے ہیں۔ تو مالک تحریر آپ بھی ہیں یعنی آپ میرے مالک بھی ہیں اور صاحب تحریر یعنی مصنف بھی ہیں۔

مرزا القاب و آداب کی پرانی اور فرسودہ رسم کے سخت خلاف تھے۔ وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ مراسلہ مکالمہ کی صورت میں آجائے۔ اور اُس میں آورد کے تکلفات نہ پائے جائیں۔ اسی واسطے انہوں نے نئے طرح کے القاب نکالے۔ جن میں بعض تو ایسے ہیں جو براعت الاستہلال کا کام دیتے ہیں یعنی القاب سے مکتوب یہ کے حالات موجودہ اور اخلاق پہ روشنی پڑجاتی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جو طنز آمیز ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو باہمی تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ مگر اکثر القابوں میں وہ خیال رکھتے ہیں کہ ظرافت کا رنگ باقی رہے۔ سیّاح سے اُن کو ایک خاص تعلق تھا۔ بعض رسالے بھی اُن کے نام سے لکھے۔ اور سیف الحق اُن کو خطاب بھی دیا۔ ایک مرتبہ جب وہ ادہر اُدہر پھر کے سورت پہونچے۔ اور مرزا کو خط لکھا۔ تو مرزا نے جواب میں لکھا کہ

"آ بیٹے مولانا سیّاح ۔ سلام علیکم۔"

مرزا تفتہ کے خط پہونچنے میں دیر ہوئی۔ مرزا نے اُن کو خط لکھا۔ اور صرف اس القاب سے خط شروع کر دیا۔

"کیوں صاحب روٹھے ہی رہوگے۔ یا کبھی منوگے بھی۔ اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ مَیں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔"

مجروح کو لکھتے ہیں۔

"برخوردار کامگار میر مہدی دہلوی اُردو بازار کے مولوی صاحب لوا ے ولائے مرتضوی پر علم عباس ابن علی کا سایہ"

ایک جگہ انھیں کو لکھتے ہیں۔

"میری جان سُنو داستان"

خواجہ غلام غوث کو ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"مولانا۔بندگی۔"

نواب سعد الدین خاں شفق نے ایک مرتبہ خطوں کا جواب اور قصیدہ کی رسید نہیں بھیجی انہوں نے خط پھر لکھا۔اور القاب میں اُمید گاہ کے بجائے۔اُمید کاہ۔لکھدیا بکاف عربی۔

مرزا شمشاد علی بیگ رضواں کو لکھتے ہیں۔

"فرزند دلبند شمشاد علی بیگ کو اگر خفا نہوں تو دعا۔اور اگر آزردہ ہوں تو بندگی۔"

حالت خوشی میں دعا۔اور حالت آزردگی میں بندگی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔الفاظ کی اندازہ شناسی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

یوسف مرزا کی عادت تھی کہ مدتوں خط نہ بھیجتے تھے۔ایک مرتبہ اُنہوں نے اصلاح کے لئے ایک مثنوی مرزا کے پاس بھیجی۔مگر مثنوی ناتمام تھی۔اور مرزا کی عادت یہ تھی کہ وہ ناتمام کلام پر کبھی اصلاح نہ دیتے تھے۔انہوں نے اوس کو احتیاط سے رکھ لیا۔اب یوسف مرزا کے خط پر خط تقاضہ کے آرہے ہیں۔سب کچھ لکھتے ہیں۔مگر مرزا ڈکار نہیں لیتے۔ایک خط کا جواب لکھتے ہیں۔اور کہتے ہیں۔

"میری جان خدا تیرا نگہبان۔میں نے گرو ھینک کو دام میں پھنسایا۔پھر قفس میں بند کر کے یہ رقعہ لکھوایا۔ . . . . . مثنوی کبھی اصلاح نہ پائے گی۔جب تک سب نہ آئے گی۔لاکھ باتیں بناؤ۔مجھکو غیرت دلاؤ۔غزل جب تک پوری نہ ہو۔قصیدہ جب تک تمام نہ ہو۔مثنوی جب تک سب نہ لکھی ہو کیونکر اصلاح دی جائے۔"

ایک جگہ علاءالدین خاں کو لکھتے ہیں اور اپنے رنج و غم کا ثبوت دیتے ہیں۔

"جان غالب۔مگر جسم سے نکلی ہوئی جان۔قیامت کو دوبارہ ملنے کی توقع ہے۔"

ایک جگہ صاحب عالم کو خط لکھتے ہیں۔اور اسی فقرے سے خط کو شروع کر دیتے ہیں

"میکنم عرض گو مکرر باشں"

مرزا رحیم بیگ مرزا کے ایک حریف تھے۔ اور قاطع برہان کے چھپنے پر مرزا کی بعض نکتہ چینیوں پر انہوں نے بھی اعتراضات کئے تھے۔ چنانچہ آبدہ دست کے معنی میں بھی اختلاف کیا تھا۔ مرزا انھیں کو ایک خط لکھتے ہیں اور خط کے القاب میں اون پر طنز کرتے ہیں۔

"بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ قلبہ بالاسرار وعینہ بالانوار۔"

دیکھئے مرزا رحیم بیگ کا جاہل مزاج ہونا۔ اور اندھا ہونا۔ سب ایک اسی القاب سے ظاہر ہوتا ہے۔

مرزا کی زندگی بھی دنیاداری کی زندگی تھی۔ اس لئے اون کو بھی آئے دن وہی ضرورتیں اور وہی مناظر پیش آتے رہتے۔ جو سب کو آتے رہتے ہیں۔ وہ خفا بھی ہوتے ہیں ڈانٹتے بھی ہیں۔ تنبیہ بھی کرتے ہیں۔ مگر اس میں بھی ان کا شیوہ سب سے نرالا اور سب سے جُدا ہے۔ اون کی فطری خوش طبعی اور ظرافت یہاں بھی اوسی طرح باقی رہتی ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والے کو بجائے رنج و غم کے اور اک خاص قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایک خاص لطف آتا ہے۔ ایک خاص لذت کا احساس ہوتا ہے۔

لکھنؤ اور دلی میں قدیم سے ایک ادبی چشمک چلی آتی ہے۔ دلی والے اہل لکھنؤ کو اور اہل لکھنؤ اہل دلی کو حسد اور رشک سے دیکھتے ہیں۔ انھیں میں سے میر مہدی مجروح بھی تھے۔ چنانچہ اکثر خطوط میں اس قسم کے دل آزار فقرے لکھتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا صاحب نے لکھا۔

"آؤ میاں سید زادے آزادہ۔ دلی کے عاشق دلدادہ۔ ڈھئے ہوئے اُردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے۔ نہ دل میں مہر و آزرم۔ نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنون کہاں۔ ذوق کہاں۔ مومن خاں کہاں۔ ایک آزردہ سو خاموش۔ دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش۔ نہ سخنوری رہی نہ سخندانی۔ کس برتے پر تتا پانی۔ ہائے وائے دلی بھاڑ میں جائے دلی۔"

جس صورت سے تنبیہ کی گئی ہے۔ شاید اس کا جواب اخلاق و ادب کی بڑی سے بڑی کتابوں میں بھی نہ ملے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص پر ایک وقت میں دو حالتیں طاری ہیں۔ غصہ بھی اور ناصحانہ جذبہ بھی، محبت بھی اور خوش طبعی بھی۔ وہ سمجھاتا ہے۔ مگر تلخ نوائی سے دُور رہنا چاہتا ہے۔ محبت کرتا ہے۔ مگر دیوانوں کی طرح نہیں۔ بلکہ ایک ذی ہوش کی طرح۔

مرزا کی نثر کا اون کی زندگی ہی میں کافی شہرہ ہو چکا تھا۔ اور لوگ اس کی نقلیں اُتار اتار کر اپنے طرز بیان کو چمکانا چاہتے تھے۔ اونھیں لوگوں میں میر مہدی بھی تھے۔ خط لکھتے تو عبارت کا بناؤ چناؤ بہت کرتے تھے۔ مرزا عبارت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ یا مبتدیانہ انداز پر بناتے تھے۔ ایک مرتبہ میرن صاحب۔ (جو ایک خوبصورت نوجوان تھے۔

اور میر مہدی مجروح کے بڑے محبوب دوست تھے - اور خود مرزا بھی اُن سے محبّت کرتے تھے -) کے چہرے پر مہاسا نکل آیا - میر مہدی نے اس واقعہ کو خوب نمک مرچ لگا کر مرزا کو لکھا - مرزا نے جواباً لکھا -

"سیّد خدا کی پناہ - عبارت لکھنے کا ڈھنگ ہاتھ کیا آیا ہے کہ تم نے سارے جہان کو سر پر اٹھایا ہے - ایک غریب سیّد کے چہرۂ نورانی پر مہاسا نکلا ہے - تم کو سرمایۂ آرایش گفتار بہم پہونچا ہے - میری اُن کو دعا پہنچاؤ -"

ایک مرتبہ لکھا کہ

"سیّد صاحب اچھا ڈھکوسلہ نکالا ہے - بعد القاب کے شکوہ شروع کر دینا - اور میرن صاحب کو اپنا ہمزبان کر لینا - میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں - میر سرفراز حسین نہیں کہ اُن کو پیار کرتا ہوں - علی کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں - اوس میں تم بھی آگئے - کمال ہے کہ میرن صاحب سے محبّت قدیم ہے - دوست ہوں - عاشق نثار نہیں - بندۂ مہر و وفا ہوں - گرفتار نہیں -"

میر مہدی مرزا کے اُن سعادتمند اور عقیدت شعار شاگردوں میں تھے جو استاد سے باتیں کرنے کو بھی حسنات کا درجہ دیتے ہیں - اسی لئے جب یہ مرزا کو خط لکھتے تو خوب طول دیتے - چنانچہ ایک خط لکھا جو بہت طویل تھا - مرزا اوس کے جواب میں لکھتے ہیں -

"واہ حضرت کیا خط لکھا ہے - اس خرافات کے لکھنے کا فائدہ - بات اتنی ہے - کہ میرا پلنگ مجھکو ملا - میرا بچھونا مجھکو ملا - میرا حجام مجھکو ملا - میرا بیت الخلا مجھکو ملا - رات کا دہ شور کوئی آئیو - کوئی آئیو - فرو ہو گیا - میری جان بچی - میرے آدمی کی جان بچی - ع

اکنوں شب من شب است و روزم روز ست -"

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں - میر مہدی کو دلی کی زبان پر بڑا ناز تھا - ایک مرتبہ ایک غزل کے مقطع میں لکھا -

ع میاں یہ اہل دہلی کی زباں ہے -

یہ غزل مرزا صاحب کے پاس اصلاح کے لئے آئی - مرزا نے لکھا -

"اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی ع میاں یہ اہل دہلی کی زباں ہے" ارے اب اہل دہلی یا ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں - یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں - یا گورے ہیں - تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے -"

ایک مرتبہ میر مہدی نے لکھا کہ آپ کا خط میرے ایک ہمنام کے پاس پہونچ گیا - مرزا نے جواب میں لکھا -

"صاحب قصور تمھارا ہے - کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو - مجھکو دیکھو کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں - نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے دیا - نہ کوئی اپنا ہم عرف بننے دیا - نہ اپنا ہم تخلص

بہم پہونچایا - ،،

مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب مرحوم کو لکھا -

"دو بڑی شرم کی بات ہے - ہر دم آزردگی غیر سبب راچہ علاج - اس غزل کو حافظ کی غزل سمجھتے ہو - واہ وا غیر سبب یہ کہاں کی بولی ہے - ع

از خواندن قرآن تو قاری چہ فائدہ

عیاذاً باللہ - امیر خسرو قرآن کو کہ بسکون رائے قرشت والف ممدودہ ہے - قران بروزن پُران لکھیں گے - یہ دونوں غزلیں دوگدہوں کی ہیں - شاید ایک نے مقطع میں حافظ اور ایک نے مقطع میں خسرو لکھ دیا ہو - ،،

مرزا کے مزاج میں رکھ رکھاؤ بہت تھا - اور ہمیشہ دوسروں کی عزت کرتے تھے - اسی حالت میں خود بھی اتنا جھکتے تھے اور احباب کے ساتھ اسقدر عجز و نیاز کے ساتھ پیش آتے تھے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہے - مگر اس صورت میں بھی اپنا خاص طرز بیان اور انداز ظریفانہ قائم رکھتے تھے - چنانچہ اون کے بعض انکساریہ جملے نقل کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے -

"غذا مفقود ہے صبح کو قند اور شیرہ بادام مقشر - دوپہر کو گوشت کا پانی - سر شام تلے ہوئے چار کباب سوتے وقت پانچ روپیہ بھر شراب اور اسی قدر گلاب - خرف ہوں - پوچ ہوں - عاصی ہوں - فاسق ہوں - روسیاہ ہوں - یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے - ے

مشہور ہیں عالم میں گر ہوں بھی کہیں ہم القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

منشی ہرگوپال تفتہ مرزا کے شاگرد رشید اور بہت محبوب دوست تھے - مرزا کو اُن کی خاطر عزیز تھی - مگر باایں ہمہ وہ کلام بھیجتے تو مرزا سے پہلے اجازت مانگا کرتے تھے - ایک مرتبہ مرزا صاحب نے لکھا -

"تم اپنے کلام کے بھیجنے میں مجھ سے پرسش کیوں کرتے ہو - چار جزو ہوں تو ۲۰ جزو ہوں تو بے تکلف بھیجدو - میں شاعر سخن سنج اب نہیں رہا - صرف سخن فہم رہ گیا ہوں - بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتلانے کی گون ہوں بناوٹ نہ سمجھنا ،،

چودھری عبد الغفور سرور مارہروی نے دلی کی حالت اور ہنگامۂ غدر کی حالت دریافت کرتے ہوئے مرزا کی خیریت پوچھی اور کچھ شعر و شاعری کا ذکر کیا تو مرزا صاحب نے جواب دیا -

"میں اموات میں ہوں مردہ شعر کیا کہے گا - غزل کا ڈھنگ بھول گیا - معشوق کس کو قرار دوں جو غزل

کی روش ضمیر میں آئے"

میر مہدی نے کچھ تصوف کا ذکر کیا - اور کچھ ایسی ہی باتیں کیں جن سے نصیحت معلوم ہوتی تھی - مرزا نے میر مہدی کو اپنے خاص طرز میں انتباہ کرتے ہوئے چند انکسار یہ جملے لکھے - ملاحظہ ہو -

"میری جان تو کیا کہہ رہا ہے بنیئے سے سیانا سو دیوانہ - صبر و توکل شیوہ صوفیہ کا ہے - مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا - جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو - کیا میں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں کی پرورش کرتا ہوں - استغفر اللہ - لاموثر فی الوجود الا اللہ - یا تم یہ سمجھے ہو کہ میں شیخ چلی کی طرح سے یہ خیال باندھتا ہوں کہ مرغی مول لوں گا - اور اوس کے انڈے بچے بیچ کر بکری خریدوں گا -"

میر مہدی مجروح کو کوئی قطعہ بھیجا - جو روا روی میں کہا گیا تھا - اور فکر تمام نہ تھی بھیج کر خط لکھتے ہیں -

"قطعہ تم نے دیکھا بیچ بیچ میرا حلیہ ہے - واہ کیا شاعری رہ گئی ہے"

مولوی احمد حسین قنوجی کو لکھتے ہیں -

"۶۵ برس کی عمر ہوئی اضمحلال قوے - ضعف دماغ - فکر مرگ - غم عقبے - جو آپ مجھے دیکھ گئے ہیں - میں اب وہ نہیں ہوں - نظم و نثر کا کام صرف پچاس برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے - ورنہ جوہر فکر کی رخشندگی کہاں - بوڑھا پہلوان پیچ بتاتا ہے - زور نہیں دلوا سکتا -"

حکیم سید احمد حسن نے غزلوں کی اصلاح کے لئے لکھا - آپ نے جواب دیا - اور جواب میں ظرافت آمیز لہجہ میں وہ انکسار اور ناتوانی کا اظہار کیا کہ اگر لاکھ بار یوں متین لہجے میں سمجھاتے تو وہ بات پیدا نہ ہوتی لکھتے ہیں -

"مجھے اس حکم کی تعمیل بدل منظور ہے - جس مہینے تک میں زندہ ہوں اوس مہینے تک خدمت بجا لاؤں گا -"

نواب انور الدولہ سعد الدین خاں شفق نے پوچھا کہ دنبالہ دار ستارہ کا کیا اثر ہوتا ہے - مرزا صاحب نے جواب دیا کہ نہ رصد ہے نہ کتاب ہے لکھوں کیا - اور صائب کا شعر ؎

زخال گوشۂ ابروے یار می ترسم　　　ازیں ستارۂ دنبالہ دار می ترسم

لکھ کر فرمایا کہ

"کیا آپ مجھکو بے ہنری اور بے تمیزی میں صاحب کمال نہیں جانتے اور اس عبارت فارسی کو میرا مصداق حال نہیں مانتے - بیش ملا طبیب - و بیش طبیب ملا - و بیش ہیچ ہر دو - و بیش ہر دو ہیچ - شعر کے واسطے کچھ تصوف کچھ نجوم لگا رکھا ہے - ورنہ سوائے موزونی طبع یہاں اور کیا رکھا ہے"

ایک جگہ شفق کو یوں لکھتے ہیں۔

"کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔ ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ کیا ہوشمندی ہے کہ قبلۂ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں۔ نہ القاب نہ اداب۔ نہ بندگی۔ نہ تسلیم۔ سن غالب ہم تجھ سے کہتے ہیں۔ بہت مصاحب نہ بن۔ ایاز حد خود بہ شناس۔ مانا کہ تو نے کئی برس کے بعد نوبت غزل کی لکھی ہے۔ اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہے۔ مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے۔ پہلے القاب لکھ پھر بندگی عرض کر پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ۔"

مولوی عبدالغفور کو لکھتے ہیں۔

"خدمت خدام مخدوم خادم نواز میں بعد تسلیم معروض ہے۔ تفقد نامہ سامی میں صورت عز و شرف نظر آئی۔ اللہ اللہ تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی۔ حضرت کی قدر دانی کی کیا بات ہے۔ آپ کا التفات موجب مباہات ہے۔ یہ بات بطریق طے لسان زبان پہ آئی ہے۔ ورنہ قدر دانی کیسی یہ قدر فزائی ہے۔ نظیری علیہ الرحمہ کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر میرے گلے میں ڈال دیجئے روزمرۂ شعرا سے مجھکو نکال دیجئے۔ شعر یہ ہے ؎

جوہر بینش من در تہ زنگار بماند آنکہ آئینہ من ساخت نپرداخت دریغ"

مرزا کی پیشین گوئی منجموں یا رمالوں کی پیشین گوئی سے بالکل جدا ہے۔ وہ ظرافت کے طریق پر کہیں پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اور کبھی اندیشہ کے طریق پر۔ مگر کہیں اصل رنگ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

مرزا حاتم علی بیگ مہر کو خط لکھا۔ اس خط کے لکھنے سے پہلے یہ غزل بھیج چکے تھے "ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے" جب خط لکھا تو پیشین گوئی کے طریق پر یہ فقرہ بھی لکھ دیا۔

"اگر ہم فقیر سچے ہیں اور اس غزل کے طالب کا ذوق یکتا ہے تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہونچ گئی ہوگی۔ رہا سلام وہ آپ پہونچا دیں گے۔"

منشی غلام غوث صاحب بےخبر کو لکھتے ہیں۔

"آپ جانتے ہیں کہ کمال یاس مقتضی استغنا ہے۔ بس اس سے زیادہ یاس کیا ہوگی کہ بامید مرگ جیتا ہوں۔ اس راہ سے کچھ مستغنی ہوتا چلا ہوں۔ دو ڈھائی برس کی زندگی اور ہے ہر طرح گزر جائے گی۔ جانتا ہوں کہ تم کو ہنسی آئے گی کہ یہ کیا بکتا ہے۔ مرنے کا زمانہ کون بتا سکتا ہے۔ چاہے الہام سمجھئے چاہے اوہام سمجھئے۔ بیس برس سے یہ قطعہ لکھ رکھا ہے ؎

من کہ باشم کہ جاوداں باشم　　چوں نظیری نماند و طالب مُرد
ور بگویند در کدامیں سال　　مرد غالب بگو کہ غالب مُرد

اب بارہ سو چھتر ہیں۔ اور غالب مُرد کے بارہ سو ستتر ہیں اس عرصہ میں جو کچھ مسرت بہم پہنچتی ہو۔ بہم پہنچ لے ورنہ پھر ہم کہاں۔،،

ہم لکھ چکے ہیں کہ ظرافت نگاری کے ساتھ درد پیدا کرنا مرزا کا حصّہ خاص ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی عبارت میں دیکھئے۔ حزن و ملال بھی ٹپک رہا ہے۔ اور ظرافت کے بھی دریا بہہ رہے ہیں۔

بعض ضروری خطوں کے ضایع ہونے پر مرزا کو بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ اسی بنا پر خواجہ غلام غوث کو لکھتے ہیں۔

"آپ کار پردازان ڈاک ڈاکو نہ بن جائیں۔ اور میرے اِن دونوں خطوں اور پارسلوں کو باحتیاط پہونچائیں۔،،

ڈاک کی مناسبت سے ڈاکو کا لفظ لکھ کر لطف ظرافت پیدا کر دیا۔

ذو الفقار الدین حیدر خاں عرف حسین مرزا سے اپنی موت کی پیشین گوئی ان لطیف الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"حال قصیدے اور مخمس کا معلوم ہوا۔ قبلہ و کعبہ وہ کر رہے ہیں۔ جو آبا و اولاد سے اور آقا غلام سے سلوک کرتا ہے۔ اون کو منظور ہے کہ دعا کا عطیہ جدا پاؤں اور ثنا کا صلہ جدا پاؤں ؎

کارساز ما بہ فکر کار ما　　فکر ما در کار ما آزار ما

لیکن میری جان انصاف تو کر ان صلوں میں زندگی تو بسر نہیں ہوتی۔ یہ فکر بھی بیہودہ ہے۔ زندگی میری کب تک۔ سات مہینے یہ۔ اور بارہ مہینہ سال آئندہ کے اسی مہینے میں اپنے آقا کے پاس جا پہنچتا ہوں۔ وہاں نہ روٹی کی فکر نہ پانی کی پیاس۔ نہ جاڑے کی شدت۔ نہ گرمی کی حدت۔ نہ حاکم کا خوف۔ نہ مخبر کا خطر۔ نہ مکان کا کرایہ دینا پڑے اور نہ کپڑا خریدنا پڑے۔ نہ گوشت گھی منگاؤں۔ نہ روٹی پکواؤں۔ عالم نور۔ اور سراسر سرور۔ ؎

یارب ایں آرزوی من چہ خوش است　　تو بدیں آرزو مرا برساں،،

تاریخ گوئی کو مرزا دون مرتبت اور ایک غیر ضروری چیز سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے کبھی وہ اس میں نہ محنت کرتے ہیں۔ اور نہ اس مشغلے میں اون کا جی لگتا ہے۔ پھر بھی ضرورت اور احباب کے تقاضے اونھیں اس بات پر مجبور کرتے ہیں۔ اور تاریخیں لکھنی پڑتی ہیں۔ مگر ان میں وہ وہ جدتیں اور اختراع کرتے ہیں کہ سبحان اللہ انہیں

ظرافت کے خاص جوہر سے بھی کام لیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کافی دلچسپ ہوجاتی ہیں۔ اگرچہ تاریخ کا ذکر نظم کے حصہ میں کرنا چاہئے۔ مگر چونکہ یہ تاریخیں نثر کے سلسلہ میں پائی گئیں لہذا نثر ہی میں لکھتا ہوں۔

مجتہد العصر لکھنؤ کے چھوٹے بھائی میرن صاحب نے انتقال کیا۔ جنکا نام سید حسین اور خطاب سید العلماؒ تھا۔ جو نقش نگیں بھی تھا۔ مرزا نے خود ہی یا کسی کے تقاضے سے تاریخ نکالی۔ مگر اس میں اتفاق سے پانچ عدد بڑھتے تھے۔ یعنی اون کا انتقال ۱۲۷۳ میں ہوا۔ اور مادہ تاریخ میں ۱۲۷۸ نکلتے تھے۔ مرزا نے ایک نئی صورت سے تخرجہ کیا۔ تاریخ یہ ہے۔

حسین ابن علی آبروے علم و عمل — کہ سید العلما نقش خاتمش بودے
نماند و ماندے اگر زندہ پنج سال دگر — غم حسین علی سال ماتمش بودے

ظاہرا تاریخ صاف ہے۔ مگر ظرافت یہاں بھی کام کر رہی ہے۔ کہتے ہیں۔ کیا کیجئے وہ زندہ ہی نہ رہے۔ اور اگر کہیں پانچ سال اور زندہ رہتے تو اچھی تاریخ غم حسین علی اون کی تاریخ وفات ہوجاتی۔

تشبیہ کی اصناف اور صفات سے یہاں بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ مرزا تشبیہ سے کام لیتے ہیں تو اس کو کس درجہ بلند کردیتے ہیں۔ اور پھر بھی اپنے رنگ طبعی کو نہیں چھوڑتے۔ اس میں شک نہیں کہ تشبیہ بذاتہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے ذریعہ سے کلام میں زور اور حسن پیدا ہوجاتا ہے۔ مگر اوس میں اور بھی حسن پیدا کیا جائے تو وہ خوب سے خوب تر ہوجاتی ہے۔ تشبیہ میں مشبہ بہ کی ندرت اس کی کفیل ہوتی ہے۔ اور اکثر وجہ شبہ بھی اوس میں جان ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ مرزا کی بعض بلکہ اکثر تشبیہیں انھیں دونوں چیزوں کی وجہ سے نہایت اعلےٰ درجہ پر واقع ہوئی ہیں۔

منشی حبیب اللہ ذکا کو لکھتے ہیں۔

"کل ایک خط رجسٹری دار آیا۔ گویا ستارہ دنبالہ دار آیا"

خط کو ستارہ۔ اور رجسٹری کو دنبالہ ٹھہرایا۔ وجہ شبہ یہ ہے کہ جیسے ستارہ دنبالہ دار میں ایک دُم لگی ہوتی ہے۔ اسی طرح اس میں ایک رسید کا دُم چھلہ لگا ہوا تھا۔

دس گیارہ برس سے مرزا جس مکان میں رہتے تھے اتفاق سے اُس مکان دار نے مکان بیچ دیا۔ اب دوسرے مکان دار نے مرزا پر تقاضہ کیا کہ جناب مکان خالی کردیجئے۔ اور اس بارہ میں اتنا مُصر ہوا کہ مرزا عاجز ہوگئے۔ برابر یہی جواب دیتے رہے کہ اچھا بھائی مجھے اچھا سا مکان مل جائے تو خالی کردوں۔ اُس نے انتظار نہ کیا اور مکان کی مرمت شروع کردی۔ اوسی حالت کا مرزا اپنے الفاظ خاص میں نقشہ کھینچتے ہیں اور ایک تشبیہ دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"بیدرد نے مجھکو عاجز کیا اور مدد لگادی - وہ صحن بالاخانہ کا - جس کا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول اوس میں باڑ بندھ گئی - رات کو وہیں سونا - گرمی کی شدت - باڑ کا قرب - گمان یہ گزرتا تھا کہ یہ کٹگھرہ اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملے گی - تین راتیں اسی طرح گزریں -"

۱۸۶۲ء میں دلی میں اس زور کی برسات ہوئی کہ لوگ عاجز ہو گئے - سیکڑوں مکانات منہدم ہو گئے - اور جو رہے وہ بھی بارش کی وجہ سے خراب و خستہ تھے چھتیں ٹپکنے لگیں سامان برباد ہو گئے - اسی عالم کا مرزا نقشہ کھینچتے ہیں -

"جولائی سے مینھ شروع ہوا - اور مینھ کی نئی صورت - دن میں دو چار بار برسے - اور ہر بار اس زور سے کہ ندی - نالے بہہ نکلیں - بالاخانہ کا جو دالان - میرے بیٹھنے اوٹھنے - سونے جاگنے - جینے مرنے کا محل ہے - اگرچہ گرا نہیں - لیکن چھت چھلنی ہو گئی - کہیں لگن - کہیں چلمچی - کہیں اوگالدان - رکھدیا کشتی نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا - اب نجات ہوئی ہے -"

ٹپکتی ہوئی چھت کی چھلنی سے تشبیہ تو خیر ایک پرانی تشبیہ ہے - مگر گھر کو کشتی نوح سے تشبیہ دینا صرف غالب کا حصہ تھا -

مرزا ایک مدت تک رام پور رہنے کے بعد اپنے گھر آئے - تو مرزا تفتہ کو اپنے آنے کی اطلاع دی - اور اسی اطلاع میں اپنے گھر پہونچنے کی تشبیہ بھی دی - لکھتے ہیں -

"لو صاحب گھڑی کھائی دن بہلائے - کپڑے پھاڑے گھر کو آئے - ۸ - جنوری ماہ و سال حال غضب الہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا -"

منشی شیو نرائن نے پنج آہنگ کی جلدیں بنوا کر مرزا کے پاس بھیجیں - بہت پسند کیں - چونکہ یہ کتابیں ہدیہ کے طور پر حکام کو بھیجنا تھیں - اس واسطے ان پر طلائی نقش و نگار کی بھی ضرورت تھی - مگر یہ کام ابھی باقی تھا - اسی کی بابت مرزا تفتہ کو ایک خیالی تشبیہ دے کر لکھتے ہیں -

"طلائی کام پر یہ کتابیں طاؤس بہشت بنجائیں گی - حوریں ان کو دیکھ کر شرمائیں گی -"

مرزا نے اپنی جتنی کتابیں چھپوائیں وہ اس طرح کہ حق تصنیف کسی سے کچھ بھی نہیں لیا - زیادہ سے زیادہ ایک دو جلدیں لیتے رہے - بلکہ یہ طریقہ تھا - کہ جب کتاب چھپ جاتی تو خود بھی دوستوں میں تقسیم کرنے کے لئے دس بیس جلدیں خرید لیا کرتے تھے - چنانچہ جب قاطع برہان طبع ہوئی تو ارادہ کیا کہ پچاس جلدیں خرید لوں - مگر افلاس اور پریشانی کے ہاتھوں مجبور - اسی کی بابت مرزا تفتہ کو اطلاع دیتے ہیں کہ

"برہان قاطع کا چھاپا ختم ہوا - ایک جلد بطریق نمونہ آ گئی - میں نے پچاس جلدوں کی درخواست

پہلے سے دے رکھی ہے۔ اب پچاس روپیہ بھیجوں تو اناج اس جلد میں منگاؤں۔ دیکھئے نومن تیل کب ہو اور رادھا کب ناچے۔،،

مہاراجہ الور کو اختیارات ملنے کی خبر ملی تو میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں۔

"سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملے گا۔ مگر وہ اختیار ایسا ہو گا۔ جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے سب کچھ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا آدمی کو بدنام کیا۔،،

میر مہدی مجروح نے پنشن کے بارہ میں کچھ دریافت کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب بعد غدر بعض معتوبین بعد تحقیقات بے گناہ ثابت ہوئے اور اُن کے اعزاز کو بحال کر دیا گیا تھا۔ مرزا نے جواب دیا۔

"چند اشخاص کو اس بائیس مہینہ میں سال بھر کا روپیہ بطریق مد خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپیہ کے باب میں اور آئندہ ماہ بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ اب اپنے سوال کو یاد کرو اس واقعہ سے اُس کو کچھ نسبت ہے۔ یا نہیں۔ یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انملی ہے "چیل بسولا لیگئی تو کاہے سے ٹھنکوں راب۔،،

سید احمد حسن صاحب سورتی نے اپنی تصویر مرزا کو بھیجی۔ مرزا نے شکریہ ادا کیا اور لکھا۔

"امسال فقیر نے اپنی خاکساری کا خاکہ (یعنی تصویر) منشی میانداد خاں کی معرفت نذر کی ہے۔ یقین ہے کہ وہ پہونچی ہوگی۔،،

مرزا علاء الدین احمد خاں کی اپنے والد نواب امین الدین احمد خاں والی لوہارو سے کچھ صفائی نہ تھی۔ اسی وجہ سے بارہا تکلیفوں اور غموں کا بھی سامنا ہوتا تھا۔ مرزا کو یہ بات دل سے ناگوار تھی۔ اور بہ نسبت نواب امین الدین احمد خاں کی تکلیف بھی اُن کو کافی صدمے پہونچاتی تھی۔ چنانچہ ایک جگہ علاء الدین احمد کو لکھتے ہیں۔

"تمہارے حال میں غور کی۔ اور چاہا کہ اُس کا نظیر بہم پہونچاؤں۔ واقعۂ کربلا سے نسبت نہیں دے سکتا لیکن واللہ تمہارا حال اوس ریگستان میں بعینہ ایسا ہے۔ جیسا مسلم ابن عقیل کا حال کوفہ میں تھا۔ تمہارا خالق تمہاری اور تمہارے بچوں کی جان، و آبرو کا نگہبان۔ میرے اور معاملات کلام وکمال سے قطع نظر کرو۔ وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں،،

صاحب عالم مارہروی نے مرزا سے حاشا۔ اور حاش للہ پر بحث کی اور کچھ دلائل اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے مرزا نے لکھا۔

"آپ کی اس نظر لکھنے سے اس کے جواز پر میرا یقین نہ بڑھا۔ لو کشف الغطا ما ازددت یقیناً۔

اس جواب میں محض حضرت علی کرم اللہ وجہ کا یہ قول بھی نقل کرنا۔ ایک خاص ظرافت ہے۔ کیونکہ جس سائل سے

آپ نے یہ کہا تھا۔ وہ بھی ایک اچھا خاصہ لطیفہ ہے

چودہری عبدالغفور سرور نے ایطاء کے باب میں مرزا سے کچھ دریافت کیا۔ مرزا نے جواب دیا۔

"آئمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قابل تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو۔ اور جو عبدالواسع اور غیاث الدین اور عبدالرزاق ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے تو تم جانو۔ ایک شخص بھیک مانگتا ہے۔ باپ نے اوس کا نام میر بادشاہ رکھدیا ہے۔"

مولوی عبدالرزاق شاکر کے خط کے جواب میں دیر ہو گئی تو لکھتے ہیں۔

"قبلہ اُس عنایت نامہ کا جو مارچ گزشتہ میں پایا ہے۔ آج یکم اپریل کو جواب لکھتا ہوں۔ گویا نماز صبح قضا پڑھتا ہوں۔"

اسقدر تشبیہیں دیکھنے کے بعد ہر شخص آسانی سے معلوم کرسکتا ہے کہ تشبیہ میں مرزا کا کیا مرتبہ ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ بالطبع ان چیزوں کے عادی نہیں ہیں۔ اور ہر جگہ یہ کوشش نہیں کرتے کہ اس کے ذریعہ سے کلام میں زور پیدا کریں۔ امراض جسمانی کی تشبیہیں بھی اس خوبی سے دیتے ہیں کہ دیکھنے والا۔ اور سننے والا حیران ہو کر سوچنے لگتا ہے کہ کوئی مریض ایسی تشبیہیں دے سکتا ہے تو کیا اُس کو مریض کہا جاسکتا ہے۔

میر غلام بابا کو لکھتے ہیں۔

"ہجوم غمہائے نہانی کا ذکر کیا کروں۔ جیسے ابر سیاہ چھا جاتا ہے۔ یا ٹڈی دل آتا ہے۔"

ایک مرتبہ عوارض فساد خون میں مبتلا تھے۔ پھوڑے پھنسیاں نکلی ہوئی تھیں اوسی حالت کی منشی سیف الحق سیاح کو اطلاع دیتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔

"بدن پھوڑوں کی کثرت سے سرو چراغاں ہو گیا ہے"

قد کی تشبیہ سرو سے۔ اور اس پر لال لال پھوڑے یا زخم کی تشبیہ چراغاں سے کس قدر عجیب و غریب ہے۔

منشی حبیب اللہ ذکا کو مرض کا حال لکھتے ہیں۔

"تم میری بات پوچھتے ہو مگر میں کیا لکھوں۔ ہاتھ میں رعشہ اونگلیاں کہنے میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زائل جب کوئی دوست آتا ہے تو اس سے خط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی اپنے کسی عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے۔ مونے کی روح کو اُس کی بو پہونچتی ہے۔ ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں۔ پہلے مقدار غذا کی تولوں پر تھی۔ اب ماشوں پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے۔"

نفیس کو ایک جگہ ناتوانی کی تشبیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چارپایہ بنکر اٹھتا ہوں تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔"

شاہزادہ بشیر الدین کو ناتوانی اور لاغری کا حال لکھتے ہیں۔

"حضرت پیر و مرشد برحق، مرزا فزونی کاہش اب اس حد کو پہونچی ہے کہ ع

تقسیم جزو لا یتجزی محال ہے

آگے باد مہریر نے لہو خشک کر دیا تھا۔ اب دوزخ نے جلا دیا ہے۔"

آخری فقرہ بھی ایک تشبیہ ہے۔ وہ یہ کہ شاہزادہ صاحب نے مدتوں تک خط نہ بھیجا۔ سرد مہری برتی اور اب خط بھیجا تو عتاب نامہ بھیجا۔ فراموش کاری اور سرد مہری کو باد مہریر سے اور غصہ اور عتاب کو آتش دوزخ سے تشبیہ دے کر مضمون خط میں جان ڈال دی۔

مرزا اگر کسی بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں تو وہ طریقہ بھی جدا اور دنیا بھر سے نرالا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب غدر ششہ کا ہنگامہ فرو ہو گیا۔ اور کارگزاروں کو انعام اور مجرموں کو سزائیں دی جانے لگیں۔ تو مرزا بھی ناکردہ گناہ معتوبین میں قرار پائے۔ اور ایک سکہ جو ذوق مرحوم نے بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر کہا تھا غالب کا کہا ہوا ٹھہرایا گیا۔ مرزا نے بہت عذر کئے مگر پذیرائی نہیں ہوئی۔ انہوں نے اردو اخبار تلاش کیا۔ جس میں وہ سکہ ذوق کے نام سے چھپ چکا تھا۔ مگر وہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اور زبردستی کے مجرم قرار پائے۔ اسی بارہ میں یوسف مرزا کو لکھتے ہیں۔

"میں نے سکہ کہا نہیں۔ اور اگر کہا تو اپنی جان و حرمت بچانے کو کہا۔ یہ گناہ نہیں۔ اور اگر گناہ بھی ہے تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ معظمہ کا اشتہار بھی سکہ نہ مٹا سکے۔ سبحان اللہ گولہ انداز کا بارود بنانا۔ اور توپیں لگانی۔ اور بنک گھر اور میگزین لوٹنا معاف ہو جائے۔ اور شاعر کے دو مصرع معاف نہوں۔ ہاں صاحب گولہ انداز کا بہنوئی مددگار ہے۔ اور شاعر کا سالا بھی مددگار نہیں۔"

کون نہیں جانتا کہ تعزیت اور عیادت کے لئے وہ جملے جو عام طریقہ سے رائج ہیں اون میں اظہار رنج اور تلقین صبر کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور ان کی قدامت اور فرسودگی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ جس شخص کے پاس تعزیت کے لئے جاتے یا خط لکھتے ہیں۔ وہ تعزیت کرنے والے کے منھ سے ایک جملہ سنے بغیر۔ یا ایسے خط سے ایک فقرہ پڑھے بغیر کہنے والے یا لکھنے والے کے مافی الضمیر سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے یہ افسوس آمیز جملے اور

تشفی آمیز فقرے اوس پر ذرا بھی اثر نہیں کرتے۔ بلکہ برعکس اس کے اوس کا زخم اور تازہ ہوجاتا ہے۔ اور گھڑی بھر کے لئے ان غمخواروں کی خاطر بھی اوس کو رونا پڑتا ہے۔ مگر اس کہنگی مضمون اور پامالی خیال کے نتیجے مرزا کے ذہن نشین ہوچکے تھے۔ اس واسطے انہوں نے اظہار تعزیت میں بھی۔ اپنے ظریفانہ انداز بیان اور شگفتگی طبع کو قائم رکھا۔ اور اس خوبی سے اس جانگداز فرض کو انجام دیا کہ جابجا جانفزا بنا دیا۔

امراؤ سنگھ مرزا تفتہ کے دوست یا عزیز تھے۔ اون کی دوسری بیوی کا انتقال ہوا۔ تفتہ نے مرزا کو بھی یہ حال لکھا مرزا صاحب نے ان الفاظ میں تعزیت کی۔ اور تعزیت کے ساتھ ہی ایک لطیفہ شامل کردیا۔ جس کو پڑھ کر کم سے کم تھوڑی دیر کے لئے رنج و غم ضرور دور ہوجاتا ہے۔

"امراؤ سنگھ کے حال پر اوس کے واسطے مجھکو رحم۔ اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے۔ تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے۔ نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اوس کو سمجھاؤ کہ تیرے بچوں کو میں پال لوں گا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔ وہ جو مصرع تم نے لکھا ہے۔ وہ حکیم سنائی کا ہے۔ اور وہ نقل حدیقہ میں مرقوم ہے۔

پسرے با پدر بزاری گفت ۔۔۔ کہ مرا یار شو بہرہ جفت

گفت با باز تا کن و زن نہ ۔۔۔ بند از خلق گیر و از من نہ

درز نا گر بگیر وت عسسے ۔۔۔ بہلد کو گرفت چو تو بسے

زن کنی ہر گزت رہا نہ کند ۔۔۔ در تو بگزار یش حیا نہ کند

میر مہدی نے میر اشرف علی کو لکھا کہ تمھاری بھانجی کا انتقال ہوگیا۔ مگر نام نہ لکھا۔ مرزا نے اون کی طرف سے میر مہدی کو لکھا۔ اور اُس میں بھی وہی رنگ ظرافت قائم رکھا۔

"اوس غریب کا یہ قول ہے کہ میری دونوں بہنیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں۔ کیا چچا کو نہ معلوم ہوگا کہ کون سی لڑکی مری۔ کاش اوس کے باپ کا نام لکھتے تاکہ میں جانتا کہ کونسی بھانجی مری ہے اب میں کس کا نام لے کر روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں۔"

مرزا حاتم علی بیگ مہر کی ایک محبوبہ کا گل حیات پژمردہ ہوا۔ مرزا کو خبر ہوئی تو ان الفاظ میں تعزیتی خط لکھا۔

"سنو صاحب شعرا میں فردوسی۔ اور فقرا میں حسن بصری۔ اور عشاق میں مجنوں۔ یہ تین آدمی تین فن میں سردفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہوجائے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ

حسن بصری سے ٹکر کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہمطرحی نصیب ہو۔ لیلیٰ اوس کے سامنے مری تھی۔ تمھاری محبوبہ تمھارے سامنے مری۔ تم اُس سے بڑھ کر ہوے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمھاری معشوقہ تمھارے گھر میں مری۔ بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں۔ جس پر مرتے ہیں اوس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں عُمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوے ہیں۔ مغفرت کرے چالیس بالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ باآنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے بیگانہ محض ہو گیا ہوں۔ لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔"

مرزا قربان علی بیگ سالک کو لکھتے ہیں۔

"میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے۔ جہاں باپ کو بیٹھ چکا۔ اب چچا کو بھی رو۔ تجھکو خدا اجیتا رکھے۔ اور تیرے خیالات واحتمالات کو صورت وقوعی دے۔ یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں۔ مخلوق کا کیا ذکر۔ کچھ بن نہیں آتی۔ اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو دُکھ مجھے پہنچتا ہے کہتا ہوں کہ لو غالب ایک جوتی اور لگی۔ بہت اتراتا تھا۔ کہ میں بڑا شاعر اور فارسی دان ہوں۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔ لے۔ اب تو قرضداروں کو جواب دے۔ سچ تو یوں ہے کہ غالب کیا مرا بڑا ملحد مرا۔ بڑا کافر مرا۔ ہم نے از راہ تعظیم جیسا بادشاہوں کو بعد اُن کے جنت آرام گاہ و عرش نشیمن خطاب دیتے ہیں۔ چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلمرو سخن جانتا تھا۔ سقر مقر اور ہاویہ زاویہ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ آئیے نجم الدولہ بہادر ایک قرضدار کا گریبان میں ہاتھ۔ ایک قرضدار بھوگ سنا رہا ہے۔ میں اون سے پوچھ رہا ہوں۔ اجی حضرت نواب صاحب کیسے اوغلان صاحب آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے۔ کچھ تو اکسو کچھ تو بولو۔ بولے کیا بے حیا بیغیرت کوٹھی سے شراب گندھی سے گلاب بزاز سے کپڑا میوہ فروش سے آم۔ صراف سے دام قرض لئے جاتا ہے یہ بھی تو سوچا ہوتا کہاں سے دوں گا۔"

یوسف مرزا کو لکھتے ہیں۔ اور ان کے باپ کی تعزیت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

یوسف مرزا کیونکر تجھ کو لکھوں کہ تیرا باپ مر گیا۔ اور اگر لکھوں تو پھر آگے کیا لکھوں۔ کہ اب کیا کرو مگر صبر۔ یہ ایک شیوہ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ صبر کرو ہائے ایک کا کلیجہ کٹ گیا ہے، اور لوگ ایسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ۔ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا، صلاح اس امر میں بتائی نہیں جاتی، دعا کو دخل نہیں دوا کا لگاؤ نہیں پہلے بیٹا

پھر باپ مرا مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ سر و پا کس کو کہتے ہیں۔ تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو۔ تمھاری دادی لکھتی ہیں کہ رہائی کا حکم ہو چکا اگر صحیح ہے تو جوانمرد ایک بار دونوں سے چھوٹ گیا نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ۔"
یوسف مرزا کا بچہ مرا تو ان الفاظ میں تشفی دی۔

"اے میری جان اے میری آنکھیں ؎

زہجران طفلے کہ درخاک رفت چہ نالی کہ پاک آمد و پاک رفت

وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لے کر آیا تھا۔ یہاں رہ کر کیا کرتا۔ ہرگز غم نہ کرو۔ اور ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اولاد بہت۔ نانا کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو۔ وہ اپنی اجل سے مرتے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا بنی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے۔"

ایسے ہی موقع پر سقراط نے اپنے مرنے کے وقت اپنی بیوی کو روتا دیکھ کر اوس سے پوچھا کہ تو کیوں روتی ہے۔ اوس نے جواب دیا کہ اس واسطے روتی ہوں کہ یہ لوگ تجھ کو بے گناہ مارے ڈالتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ اے بیوقوف کیا تو یہ چاہتی ہے۔ کہ میں کسی گناہ کی پاداش میں مارا جاؤں"

نواب امین الدین احمد خاں کی والدہ کا انتقال ہوا۔ مرزا صاحب نے تعزیتی خط لکھا۔

"بھائی صاحب۔ آج تک سوچتا رہا کہ بیگم صاحبہ قبلہ کے انتقال کے باب میں تم کو کیا لکھوں تعزیت کے واسطے تین باتیں ہیں۔ اظہار غم۔ تلقین صبر۔ دعائے مغفرت۔ سو بھائی اظہار غم تکلف محض ہے۔ جو غم تم کو ہوا ہے۔ ممکن نہیں کہ دوسرے کو ہوا ہو۔ تلقین صبر بیدردی ہے۔ یہ سانحہ عظیم ایسا ہے جس نے غم رحلت نواب مغفور کو تازہ کیا۔ بس ایسے موقع پر صبر کی تلقین کیا کی جائے۔ رہی دعائے مغفرت میں کیا۔ اور میری دعا کیا۔"

نواب علاء الدین احمد خاں کو اون کے ایک نوزائیدہ بچہ کی تعزیت میں لکھتے ہیں۔

"سبحان اللہ میں نے اوس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ یا ولادت کی تاریخ سُنی یا اب رحلت کی تاریخ لکھنی پڑی۔"

بعض جگہ تفنن طبع کے طریقہ پر مرزا بعض اشعار یا کسی عبارت کے الفاظ میں تصرف و تغیر کر کے وہ لطف پیدا کرتے ہیں۔ کہ خود ان کی طبع ادا ظرافت معلوم ہوتی ہے۔

میر حسن نے اوس وقت جبکہ بے نظیر قید ہو گیا ہے۔ اوس کی زبان سے یہ شعر بدرمنیر کے فراق میں کہلایا

ہے ؎

میں بھولا نہیں تجھکو اے میر بجاں   کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قید گراں "

مرزا برسات کی مصیبت میں یہ شعر میر مہدی کو بہ تبدیل الفاظ یوں لکھتے ہیں ؎

" میں بھولا نہیں تجھکو اے میر جان   کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکاں "

میر تقی میر کا یہ مشہور شعر ہے جو ان کی ایک غزل کا مقطع ہے ؎

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں   اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

مرزا نے اس کو میرن صاحب کی تعریف میں یوں بنا دیا ؎

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں   دلّی والوں میں اک بچا ہے یہ

جیسا کہ ایک جگہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ نواب علاء الدین احمد خاں کی اپنے والد نواب امین الدین احمد خاں سے کچھ صفائی نہ تھی۔ ایک مرتبہ اکتوبر ۱۸۶۵ء میں کسی طرح یہ شکر رنجی دفع ہو گئی تو مرزا صاحب نے علائی کو حافظ کے یہ شعر یوں لکھے:۔

شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد   حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

آسماں بار امانت نتوانست کشید   قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

بہ تغیر الفاظ:۔

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح افتاد   حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

قدسیاں بہر دعائے تو و والا پدرت   قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

قائم چاندپوری کا ایک شعر ہے ؎

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر   روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ منگیا

اسکو بتغیر الفاظ خواجہ غلام غوث کے پاس یوں لکھ کر بھیجا۔

ان دلفریبیوں سے نہ کیوں اسپہ پیار آئے   روٹھا جو بیگناہ تو بے عذر من گیا "

تمسخر کی تعریف یہ ہے کہ وہ پھکڑ اور فواحش کی حدود سے جا ملے۔ مگر علی الرغم اس تعریف کے مرزا نے تمسخر میں ایک قسم کی متانت کو جگہ دی ہے۔ میر کاظم علی کو سب ہمسن فضلو فضلو کہتے تھے۔ مرزا صاحب پاس ادب تو اتنا مرعی رکھتے تھے کہ فضلو کے پہلے بھائی ضرور کہتے۔ مگر از راہ تمسخر ان کو احتلام الدولہ کا خطاب بھی دیدیا تھا۔ اور ہمیشہ اُن کو بنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاید انہوں نے کوئی کتاب مرزا سے مانگی۔ مرزا صاحب نے یوسف مرزا

کو جواب میں لکھا۔

"احتشام الدولہ بھائی فضلو میر کاظم علی بہادر کیا جانے کتاب کس کو کہتے ہیں اور آگرہ کے ہتھیار کا نام اور سکندر شاہ کون سے درخت کا پھل ہے۔ میرا اردو کا دیوان میرٹھ کو گیا۔ سکندر شاہ لیگئے۔ مصطفےٰ خاں کو دے آئے۔ ڈاک میں رسید اوس کی آگئی۔ نہ برہان قاطع نہ قاطع برہان"

مرزا علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں۔

"پیرجی سے جب پوچھتا ہوں تم خوب شخص ہو اور وہ کہتے ہیں کیا کہنا ہے۔ اور میں پوچھتا ہوں کس کا تو وہ فرماتے ہیں مرزا اشمشاد علی کا۔ ایں۔ اور کسی کا نام تم کیوں نہیں لیتے۔ دیکھو یوسف علی خاں بیٹھے ہیں۔ ہیرا سنگھ موجود ہے۔ واہ صاحب میں کیا خوشامدی ہوں جو منھ دیکھی کہوں۔ میرا شیوہ حفظ الغیب غائب کی تعریف کرنا کیا عیب ہے۔ ہاں صاحب آپ ایسے ہی وضعدار ہیں اس میں کیا عیب ہے۔"

ارمان و تمنا خاصہ انسانی ہے۔ مرزا بھی اس سے خالی نہیں۔ ذوالفقار الدین حیدر عرف حسین مرزا کو لکھتے ہیں۔

"ابراہیم علی خاں انور میں مستغنی ہوکر مر گئے۔ خدا ان کو بخشے اور مجھکو بھی یہ دن نصیب کرے۔"

مرزا نے واجد علی شاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اوسی کی بابت یوسف مرزا کو لکھتے ہیں۔

"مرتضےٰ علی پہلے سے نیت میں یہ ہے کہ جو شاہ اودھ سے ہاتھ آئے حصہ برادرانہ کروں نصف حسین مرزا اور تم اور سجاد۔ نصف میں۔ مفلسوں کا مدار حیات خیالات پر ہے۔ مگر اوسی خیالات سے جس طبیعت معلوم ہو جاتا ہے۔"

صاحب عالم مارہروی ہمیشہ مرزا کے ملنے کی امید لگائے رہتے تھے۔ اور مرزا یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کیوں ایسا اتفاق ہوگا۔ اور کیوں ملاقات ہوگی اسی باب میں چودھری عبدالغفور صاحب سرور کو لکھتے ہیں۔

"مخدوم مکرم و مطاع معظم قبلۂ دیدہ و دل کہ جو میرے اور اپنے ملنے کو از قسم فرض محال نہیں مانتے ہیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ جیسا وہ جانتے ہیں۔ تقصیر معاف ہو۔ اگر دنیا میں بطور ہر امر موجب مساعدت اسباب ہے تو اس تمنا کا حصول مانند اعادۂ شباب ہے۔ کوئی وجہ نہیں پاتا آپ کے یہاں تشریف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میرے وہاں آنے کی۔ اگرچہ حیز امکان سے باہر نہیں۔ مگر وقوع میں تامل ہے۔"

مرزا جب کسی بات کی توجیہ کرتے ہیں تو حد درجہ ظرافت آمیز متانت کے ساتھ - منشی ہرگوپال تفتہ نے رنگین عبارت میں مرزا کو لکھا کہ شاید میرا کلام دیکھنے سے آپ کو زحمت ہوتی ہے - اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے - مرزا نے جواباً لکھا -

" یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا - اور اب اُس کے دونوں بچے کہ میرے پوتے ہیں - میرے پاس آرہے ہیں اور مجھ کو ستا رہے ہیں - اور میں تحمل کرتا ہوں - خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں - پس تمھارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے - جب ان عالم صورت کے پوتوں سے کہ مجھکو کھانا نہیں کھانے دیتے - مجھے دوپہر کو سونے نہیں دیتے - ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں - کہیں پانی لنڈھاتے ہیں - کہیں خاک اُڑاتے ہیں، میں تنگ نہیں آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ اون میں یہ باتیں نہیں ہیں - کیوں گھبراؤں گا - "

مرزا تفتہ کو ایک جگہ لکھتے ہیں -

" تمھارا کلام پختگی کو پہونچ گیا ہے - اصلاح طلب نہیں رہا ہے - شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے - جب وہ جوان ہوجاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے - "

۱۸۵۹ء میں دہلی میں وبا پھیلی - میر مہدی مجروح اوس وقت تک پانی پت ہی میں تھے - مرزا سے انہوں نے وبا کا حال دریافت کیا - مرزا نے جواب دیا کہ وبا یہاں نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ لکھی -

" وبا تھی کہاں جو میں لکھوں کہ اب کم ہے - یا زیادہ - ایک چھیاسٹھ برس کا مرد اور ایک چونسٹھ برس کی عورت ان دونوں میں سے ایک بھی مرتا - تو ہم جانتے کہ ہاں وبا آئی تھی تف بریں وبا - "

میر مہدی نے آشوب چشم کی شکایت لکھی - مرزا نے جواب میں یہ توجیہ کی -

" تمھاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے - اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں - جتنی گرد اوڑی - اُس کو آپ نے از راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی - "

جیسا کہ ذکر ہوچکا ہے - مرزا نے اپنے مرنے کی تاریخ اپنی زندگی ہی میں کہہ لی تھی - جس کی رو سے ۱۲۷۷ھ نکلتے تھے - ۱۲۷۷ھ میں دہلی میں وبائے ہیضہ پھیلی - میر مہدی مجروح نے مرزا کو لکھا کہ کہئے اب تو یہ سال بخیر گزر گیا - اب آپ کیا فرماتے ہیں - مرزا نے جواب میں لکھا کہ

" میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی - مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا - واقعی اس میں میری کسر شان تھی - بعد رفع فساد ہوا سمجھ لیا جائے گا - "

چونکہ مرزا کی اس تاریخ وفات کی شہرت ہوچکی تھی اور آپ نے سب احباب کو اس سے مطلع کردیا تھا اس لئے

قاضی عبدالجمیل صاحب نے بھی دریافت کیا۔ آپ نے اون کو جواب میں یہ لکھا۔

"سنہ ۱۲۷۷ھ میں میرا مرنا صرف میری تکذیب کے واسطے تھا۔ مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر میں کیوں جیتا ہوں۔ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے۔ جیسے طائر قفس میں کوئی اختلاط۔ کوئی جا۔ کوئی مجمع پسند نہیں۔ کتاب سے نفرت شعر سے نفرت۔ جسم سے نفرت۔ روح سے نفرت۔ خرم آنکہ زیں منزل ویراں بردم"

جس زمانے میں مرزا نے برہان قاطع کا جواب دیا اور قاطع برہاں لکھی تو بعض ادا ناشناسوں نے برہان قاطع کی ترکیب پر اعتراض کیا۔ اور کہا کہ یہ ترکیب صحیح نہیں ہے۔ مرزا نے جواب دیا۔

"برہان قاطع و قاطع برہان کی ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لٹھا نینونین سکھ قطع کیا ہے۔ جو آپ نے اُس کو قاطع لقب دیا ہے۔"

عضدالدولہ حکیم غلام نجف کے صاحبزادے ظہیرالدین عوارض فساد خون وغیرہ میں مبتلا ہوئے۔ مرزا کو معلوم ہوا تو لکھا۔ کہ

"یہ جو تم پھوڑے پھنسی میں مبتلا رہتے ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مجھ میں تمہارا لہو ملتا ہے۔ اور میں احتراق خون کا پتلا ہوں"

مولوی احمد حسن قنوجی کو مفتی صدرالدین خاں آرزدہ کا حال لکھتے ہیں۔

"لفٹنٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جاداد واگذاشت کی۔ اب نصف جاداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ آمد ان کے گزارے بھر کی نہیں ہے۔ کسواسطے کہ ایک آپ ایک بی بی۔ تیس چالیس روپیہ مہینہ کی آمد۔ لیکن چونکہ امام بخش چپراسی کی اولاد ان کی عترت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ لہذا فراغ بال سے نہیں گزرتی۔"

مرزا حاتم علی بیگ مہر نے دلی کا حال پوچھا۔ اور مرزا سے وہاں کی لوٹ مار کی کیفیت دریافت کی۔ مرزا نے جواباً لکھا۔

"جناب مرزا صاحب دلی کا حال تو یہ ہے ؎

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے۔ جو کوئی لوٹیگا۔ وہ خبر محض غلط ہے۔"

مرزا نے مسہل لیا۔ نواب انورالدولہ شفق نے خط بھیج کر دریافت کیا کہ کیا حال ہے۔ مرزا نے جواب میں لکھا۔

"آپ کا بندۂ بے درم خرید اچھی طرح ہے۔ ایک فصد ۲۲ منضج ۴ مسہل کہاں تک آدمی کو ضعیف نہ کریں۔ بارے آفتاب عقرب میں آگیا۔ پانی برفاب ہوگیا۔ کابل و کشمیر کا میوہ بکنے

لگا۔ یہ ضعف ضعف قسمت تو نہیں کہ ایسے ایسے امور اوس کو زائل نہ کر سکیں۔،،

مرزا نے ایک قصیدہ بادشاہ اودھ امجد علی شاہ کی مدح میں لکھا۔ ہنوز یہ قصیدہ نظر سے نہ گزرا تھا۔ کہ شاہ موصوف نے رحلت کی اور ان کے بجائے واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ مرزا نے اوس قصیدے ردّ و بدل کر کے واجد علی شاہ کا نام ڈال دیا۔ یہی واقعہ یوسف مرزا کو لکھتے ہیں۔

"یہ قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزرا نہ تھا۔ میں نے اسی قصیدہ میں امجد علی شاہ کی جگہ واجد علی شاہ کو بٹھا دیا۔ خدا نے بھی تو یہی کیا تھا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے۔،،

تہنیت یا مبارکباد دونوں ایسی چیزیں ہیں۔ جنکے ادا کرنے میں ہر شخص جوش مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ مگر جب اُس کے ساتھ خوش طبعی۔ مذاق۔ اور ظرافت کے پہلو شامل ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بہت ہی بلند چیز ہو جاتی ہے۔ مرزا کے یہاں تمام مبارکباد اور تہنیتوں میں یہ رنگ غالب ہے اور کثرت سے۔

مرزا حاتم علی بیگ مہر کو عہدۂ وکالت کی مبارکباد پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"صاحب میرے عہدۂ وکالت مبارک ہو۔ موکلوں سے کام لیا کیجئے پریوں کو تسخیر کیا کیجئے۔،،

نواب علاء الدین احمد خاں کے لڑکا پیدا ہوا۔ مرزا اوس کی مبارکباد دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

"میری جان نئے مہمان کا قدم تم پر مبارک ہو۔ اللہ تعالےٰ تمہاری اور اس کی اور اُس کے بھائیوں کی عمر میں برکت دے۔ تمہاری طرز تحریر سے صاف نہیں معلوم ہوا کہ سعید ہے یا سعیدہ ہے۔ ثاقب اوس کو عزیز اور غالب عزیزہ جانتا ہے۔ واضح لکھو کہ احتمال رفع ہو۔،،

انہیں نواب علاء الدین احمد خاں نے شاید پنشن کے دوبارہ ہونے یا اور کسی بات پر مرزا کو مبارکباد دی تو مرزا نے جواباً انہیں لکھا۔ اور دو چُلے تُلے فقروں میں شکریہ بھی ادا کر دیا اور اُلٹی انھیں کو مبارکباد دیدی۔

"خوشی مجھ میں تم میں مشترک ہے۔ تم نے مجھے تہنیت دی تو مبارک اور میں نے تمھیں تہنیت دی تو مناسب للہ الحمد۔ للہ الشکر۔،،

کہیں مرزا صاحب نے نواب علاء الدین احمد خاں کا نسیمی تخلص رکھا تھا۔ اور اسی تخلص سے اکثر ان کو نظم میں مخاطب کرتے تھے۔ مثلاً

ہاں نسیمی زمن چہ میخواہی

یا غم مِن نسیمی

نواب صاحب نے پہلے یہ تخلص منظور کرلیا۔ مگر پھر نہ معلوم کسی نے کان بھر دئے یا خود خیال آیا کیا ہوا کہ یہ تخلص نواب موصوف کو برا معلوم ہوا۔ مرزا کو لکھا کہ تخلص دوسرا تجویز فرمائیے۔ نسیمی کی تصحیف تو یشمی ہو سکتی ہے۔ مرزا کب بند رہنے والے تھے۔ خط پڑھا۔ اور جواب لکھا۔ ایک ایک کی دس دس سنائیں۔

"میری جان تخلص تمھارا بہت پاکیزہ اور میری پسند ہے۔ یشمی کو بہ تکلف اوس کا مُصحف کیوں ٹھہراؤ۔ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدائی تے کو جیم فارسی سے بدل دو۔ نبی کو بہ تقدیم موحدہ علی النون لکھو۔ یہ وساوس دل سے دور کرو۔ رہرو ایک اچھا تخلص ہے۔ رہرو اس کی تجنیس موجود ہے۔ شیون ایک اچھا تخلص ہے۔ ستون اُس کی تصحیف ہے۔ تمھارے واسطے بہ مناسبت اسم عالی تخلص خوب تھا۔ مگر اس تخلص کا ایک شاعر بہت بڑا نامی گزر چکا ہے۔ ہاں نامی ساقی یہ دو تخلص بھی اچھے ہیں۔ مولانا فائق کی پیروی کرو۔ مولانا لائق کہلاؤ۔ اگر کہو گے کہ اس کی ترکیب سے لفظ نالائق پیدا ہوتا ہے۔ شائق بنجاؤ۔ ہنسی کی باتیں ہو چکیں۔ اب حقیقت واجبی سنو۔ نسیمی تخلص خماسی۔ بروزن ظہوری و نظیری اگر بدلنا منظور ہے تو نامیؔ۔ سامی۔ رہرو۔ شیونؔ۔ یہ تخلص بروزن عرفی و غالب اچھے ہیں۔ ان میں سے ایک تخلص قرار دو۔ فخری تخلص بہتر ہے۔ مگر کہو گے کہ آزاد پور کے باغ میں ایک آم کا نام فخری ہے۔"

مرزا کا حساب بھی دنیا کے ریاضی سے الگ ہو کر گزادب میں آٹھہرا ہے۔ اور اسی واسطے وہ حساب حساب نہیں ہے۔ بلکہ ظرافت کا سرمایہ دار اور خوش طبعی کا حق گزار ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ علم ریاضی انتہا درجے کا خشک ہے۔ اور غالباً یہ صحیح بھی ہے۔ مگر مرزا کے یہاں یہ کلیہ باطل اور یہ دعوے لاطائل ہو جاتا ہے مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں۔

"بندہ پرور بابو صاحب نے پہلی بار تو مجھکو دو ہنڈیاں بھیجی ہیں۔ سو سو روپیہ کی۔ ایک تو میر احمد حسین میکش کے واسطے راجہ صاحب کی طرف سے تاریخ تولد کنور صاحب کے انعام میں۔ اور ایک اپنی طرف سے مجھکو بطریق نذر شاگردی بعد اس کے دو دو ہنڈیاں سو سو روپیہ کی بعد چار چار پانچ پانچ مہینے کے آئیں مع میر احمد حسین کے صلے روپیوں کی چار سو اور اس سے علاوہ تین سو۔ کتنے دن میں آئے۔ اس کا حساب کنور صاحب کی عمر پر حوالہ ہے۔ اگر وہ دو برس کے ہیں تو دو برس میں۔ اور اگر وہ تین برس کے ہیں تو تین برس میں۔"

پنشن ملنے کے بعد میر مہدی کو لکھتے ہیں۔ اور حساب بتاتے ہیں۔

"مختار کار دو ہزار لایا۔ چونکہ میں اوس کا قرضدار ہوں۔ روپیہ اُس نے اپنے گھر میں رکھے اور مجھ سے کہا میرا حساب کیجئے۔ حساب کیا۔ سُود مول سات کم پندرہ سو ہوئے۔ میں نے کہا میرے قرضہ متوفی کا حساب کر۔ کچھ اوپر گیارہ سو نکلے۔ میں کہتا ہوں یہ گیارہ سو بانٹ دے۔ نو سو بچے آدھے تو لے آدھے مجھے۔ وہ کہتا ہے سات کم پندرہ سو مجھے دو۔ پانسو سات تم لو۔ یہ جھگڑا مٹ جائے گا۔ تب کچھ ہاتھ آئیگا۔ خزانہ سے روپیہ آگیا ہے۔ میں نے آنکھ سے دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں۔ بات رہ گئی۔ پت رہ گئی۔ حاسدوں کو موت آگئی۔ دوست شاد ہوگئے۔ میں جیسا ننگا بھوکا ہوں۔ جب تک جیوں گا ایسا ہی رہوں گا۔ میرا دار وگیر سے بچنا کرامت اسد اللہی ہے۔ ان پیسوں کا ہاتھ آنا عطیۂ یداللہی ہے۔"

حکیم سید احمد حسین مودودی کو لکھتے ہیں۔ کہ

"نوٹ عطیۂ سید صاحب آپ کے خط میں پہنچا روپیہ وصول ہوا معاً خرچ ہوا"

مرزا حاتم علی بیگ مہر کو بارہ روپیہ بھیجے کہ دستنبو یا پنج آہنگ کی دو لوحیں زریں اور پانچ لوحیں سیاہ قلم کی بنوا کر بھیجدیجئے۔ اونہوں نے نہایت تکلف سے جلدیں بنوا کر بھیجیں۔ مرزا کو بڑا تعجب ہوا کہ بارہ روپیہ تو اجرت جلد بندی کے لئے کافی ہوئے نہوں گے۔ پھر یہ کیا ہوا۔ اسی تعجب کی بنا پر مرزا صاحب کو لکھا۔

"حیران ہوں کہ آیا شمار آئمہ نے اُن بارہ روپیوں میں برکت دی یا کچھ تمہارا روپیہ صرف ہوا"

حُسن طلب شاعروں ادیبوں اور ظریفوں کا حصّہ ہے۔ پھر آپ خود ہی خیال کر سکتے ہیں۔ کہ جس شخص میں یہ تینوں صفات جمع ہوں۔ اوس کے حُسن طلب کا کیا درجہ ہوگا۔

مرزا کے یہاں حسن طلب کے مختلف پہلو ہیں۔ یہی نہیں ہے کہ وہ ضرورت دنیوی کے لئے امرا اور روسا کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ یا اپنی ضرورت کے موافق لطائف وظرائف تراشتے ہیں۔ بلکہ ادنےٰ ادنےٰ باتوں کے لئے مثلاً جواب خط کے لئے یا اور ایسی ہی باتوں کے لئے بھی وہ کہیں کہیں اوسی نشتر سے کام لیتے ہیں جس کی کسی بڑی جگہ ضرورت ہوتی۔ ۱۸۶۶ء میں نواب میر غلام بابا خاں سورتی کے یہاں کوئی تقریب تھی۔ سیف الحق سیّاح نے جو نواب صاحب کے مصاحب اور مرزا کے شاگرد تھے۔ مرزا کو اطلاع دی۔ اور جشن کی کیفیت لکھی۔ مرزا صاحب نے نواب صاحب کو لکھا۔

"میاں سیف الحق کا خط پہنچا۔ خط کیا تھا۔ خوان دعوت تھا۔ میں نے کھانے بھی کھائے۔ میوے بھی کھائے۔ ناچ بھی دیکھا۔ گانا بھی سُنا۔ خدا تم کو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو۔"

انھیں کو یوں لکھتے ہیں۔

"سیف الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائی ہیں۔ مبارک ہو اور مبارک ہو۔ نظارۂ بزم جمشیدی سے محروم رہوں گا۔ مگر میرا حصہ مجھ کو پہونچ رہے گا خاطر جمع ہے۔"

پہلے خط کی بابت شاید نواب صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ یہ ناچ دیکھنا گانا سننا۔ مرزا صاحب کا حسن طلب کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے سیف الحق سے ذکر کیا۔ سیف الحق نے مرزا کو لکھا کہ نواب صاحب کا یہ خیال ہے۔ مرزا صاحب نے سیف الحق کو جواب دیا۔

"اجی وہ تو میں نے نواب صاحب کو ہنسی کی ایک بات لکھی تھی۔ دوستانہ اختلاط تھا بھئی بہرا ہوں گانا کیا سنوں گا۔ بوڑھا ہوں ناچ کیا دیکھوں گا۔ غذا بھ ماشہ آٹا کو ناک کھاؤں۔ بمبئی۔ سورت میں شرابیں اچھی ہوتی ہیں۔ اگر وہاں آتا اور شریک محفل ہوتا تو پی لیتا۔"

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں۔

"بھائی یہ تمھارا او عاگو اور امور میں پایۂ عالی نہیں رکھتا۔ مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے۔"

اور ایک جگہ تفتہ کو لکھتے ہیں۔

"حسن اتفاق یہ کہ کئی دن ہوئے جو میں نے ایک ولائتی چغہ اور ایک شال ڈھائی گز دلال کو دیا تھا اور وہ اس وقت روپیہ لے کر آیا تھا۔ میں روپیہ لیکر اور خط پڑھ کر خوب ہنسا کہ خط اچھے وقت آیا۔"

مرزا تفتہ ۱۸۵۸ء میں آگرے میں مقیم تھے۔ اور وہیں منشی شیو نرائن کے اہتمام سے مرزا صاحب کی کتاب پنج آہنگ چھپ رہی تھی۔ مرزا صاحب نے صحافی کا کام مرزا مہر کی سپرد کر دیا تھا۔ انہوں نے جلدیں بندھوائیں اور مرزا صاحب کو اطلاع دی کہ کتابیں تیار ہیں۔ مرزا صاحب نے تفتہ کو لکھا کہ

"جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کہئے اور یہ پیام کہئے کہ کتاب کا حسن کانوں سے سنا دل کو دیکھنے سے زیادہ یقین آ گیا مگر آنکھوں کو رشک ہے۔ کانوں کا اور کان چشمک زنی کر رہے ہیں۔ آنکھوں پر یہ ارشاد ہو کہ آنکھوں کا حق آنکھوں کو کب ملے گا۔"

. . . .

. . . .

مرزا حاتم علی مہر آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ مگر مرزا سے دید وا دید نہیں ہے۔ نہ راہ و رسم ہے۔ مرزا رسم دوستی کے آغاز کے واسطے یوں پرواز ڈالتے ہیں۔ اور غالباً پہلا خط لکھتے ہیں۔

"علاقۂ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علی کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں

کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے۔ مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے۔ مانا کہ روشناسی اُس کے اجارے میں آئی ہے یہ بھی دلیل آشنائی ہے۔ کیا فرض ہے کہ جب تک دید وا دید نہو لے اپنے کو بیگانۂ یک دیگر سمجھیں۔ البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں۔ "

خواجہ غلام غوث بیخبر کو لکھتے ہیں۔

" قبلہ کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے۔ کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے۔ وہ کیا کھاتا پیتا ہے۔ اور کیونکر جیتا ہے۔ پنشن قدیم اکیس مہینے سے بند اور میں سادہ دل فتوح جدید کا آرزومند۔ اوس پنشن کا احاطۂ پنجاب کے حکام پر مدار ہے۔ سو ان کا یہ شیوہ اور شعار ہے کہ روپیہ دیتے ہیں نہ جواب مہربانی کرتے ہیں نہ عتاب۔ "

مرزا شمشاد علی بیگ رضوان پر جواب خط کے لئے ان الفاظ میں تقاضہ کرتے ہیں

" خطائی آمد و شد یقینی ہے۔ نو دن راہ دیکھوں گا۔ دسویں دن اگر تمہارا خط نہ آیا تو میں تمہارا رافضی بن جاؤں گا۔ "

منشی شیو نرائن سے کتابوں کے لئے مصر ہوتے ہیں۔

" صاحب کتابیں کب روانہ ہوں گی۔ دوالی بھی ہولی۔ اگر گنگا جانے کا قصد ہے تو بھائی میری کتابیں بھیج کر جانا۔ "

نواب مرزا علاء الدین خاں کو شوخی محض کی راہ سے لکھتے ہیں۔

" جو قاطع برہان تمہارے پاس پہونچی ہے۔ اگر چھاپے کی ہے تو صحیح ہے۔ جہاں تردد ہو غلط نامہ ملحقہ میں دیکھ لو۔ زیادہ انکشاف منظور ہو مجھ سے پوچھ لو۔ اگر قلمی ہے تو درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اوس کو میری تالیف نہ سمجھو۔ بلکہ مجھکو مول لے لو۔ "

میر احمد حسین میکش کو لکھتے ہیں۔

" بھائی میکش آفریں ہزار آفریں تاریخ نے مزا دیا خدا جانے وہ خرمے کس مزے کے ہوں گے جنکی تاریخ ایسی ہے۔ دیکھو صاحب قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ تاریخ دیکھی اوس کی تعریف کے خرمے کھائیں گے۔ اوس کی تعریف کریں گے۔ کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آوے کہ یہ حسن طلب ہے۔ کہ ناحق تم دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو۔ ابھی رقعہ لے کر آیا ہے۔ ابھی خرمے لیکر آوے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اگر بفرض محال تم یونہی عمل میں لاؤ گے۔ اور میاں دین محمد صاحب کے ہاتھ خرمے بھجواؤ گے! تو ہم کہیں گے۔ تازہ نے بہتر بارہ سے بہتر۔ "

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں۔ اور ان کی زبانی دوسرے کو ایک پیام پہنچاتے ہیں۔

"چھ جلدوں کی آراستگی کا ذمہ برخوردار عبداللطیف کو کردو۔ میری طرف سے دعا کہو اور کہو۔ کہ میں تمہارا بوڑھا اور مفلس چچا ہوں۔ تصحیح بھائی کریں۔ تزئین تم کرو۔ کہتا ہوں مگر نہیں جانتا کہ تزئین کیونکر کیا چاہیے سنتا ہوں کہ چھاپنے کے حرفوں پر سیاہی کے قلم پھیر دیتے ہیں۔ تاکہ حروف روشن ہو جائیں سیاہ جلد بھی کھنچ جاتی ہے۔ پھر جلد بھی پُر تکلف بن سکتی ہے۔ بھتیجے کی صناعی اور ہوشیاری اگر میرے کس دن کام آئے گی۔"

حزن و مسرت خاصہ مخلوق ہیں۔ کبھی اوس کو ایک بات شگفتہ کر دیتی ہے اور کبھی وہ مرجھائی ہوئی کلیوں کی طرح دل افسردہ ہو جاتا ہے۔ خوشی ایک ایسی چیز ہے جو ظرافت کی تلوار کا جوہر بنجاتی اور اُس کو معمول سے زیادہ چمکاتی ہے۔ خصوصیت سے اوس ظریف کے یہاں جس کی عام باتیں بھی ظرافت کی گل افشانیوں سے خالی نہوں۔ پھر مرزا کی خوشی کے الفاظ کا کیا پوچھنا ہے میر مہدی کو لکھتے ہیں۔

"مولانا غالب علیہ الرحمۃ ان دنوں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی۔ اور اسی قدر حجم کی ایک جلد بوستان خیال کی آگئی ہے۔ سترہ بوتلیں بادۂ ناب کی توشک خانہ میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں رات بھر شراب پیا کرتے ہیں ؎

کسے کیں مُرادش میسر بود اگر جم نباشد سکندر بود

ایک گنہگار جب خدا کے غضب سے ڈرتا ہے۔ ایک عاصی بدکردار جب اپنے کیے پر پچھتاتا ہے تو رحمت اُس کے لیے آمادہ اور مغفرت کے دروازے اُس کے لیے کشادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ مجرم کا ضمیر اُس کو ملامت نہ کرے۔ اور کسی تباہ کار عصیاں کا دل کبھی ایک لحظہ کے لیے خوف خدا سے لرز نہ جائے۔ مرزا کا یہی بڑا کمال ہے۔ کہ وہ اس عالم بیم میں بھی رجا کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور روتے ہوئے بھی ان کے لبوں سے تبسم کی صورت عیاں ہوتی ہے۔

"رکاب میں پاؤں ہے باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر دور دراز درپیش ہے۔ زاد راہ موجود نہیں خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو خیر۔ اور اگر باز پرس ہوئی تو سقر مقر ہے۔ اور ہاویہ زاویہ ہے دوزخ جاویدی اور ہم ہیں۔ ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

اللہ - اللہ - اللہ - نجات کا طالب غالب ۔،،

مرزا آلام و اسقام کے ہاتھوں اتنے پریشان تھے۔ کہ زندگی ہی میں اپنے آپ کو مُردہ تصور کرتے تھے۔ اوسی خیال کا بارہا اعادہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا ،،

اب تو خیر مگر پہلے زمانہ میں یہ رسم تھی کہ کاتب القاب لکھتا۔ القاب کے بعد آداب۔ اسی آداب میں سلام ہوتا تھا۔ اور جب خط کو ختم کرتا تو چھوٹے بڑوں کو دعا و سلام سے یاد کرتا۔ مرزا بھی اُسی زمانہ کے لوگوں میں سے تھے۔ وہ بھی آخر خط میں سختی کے ساتھ اس رسم کی پابندی کرتے تھے اور اپنے ملاقاتیوں کو کبھی فراموش نہ کرتے۔ سلام و دعا برابر ان کے خط میں ہوتی تھی۔ مگر سلام میں طرح طرح کی ندرتیں اور ظرافتیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سلام کے مراتب اون کے یہاں اس طریقہ سے مقرر تھے۔ کہ اوس شخص کے مرتبہ سے جسکو سلام لکھنا ہوتا۔ سرمو نہ تجاوز کرتے تھے۔ اور نہ کمی۔ ہر کام قرینے سے ہر بات ٹھکانے کی ہوتی تھی

میرزا تفتہ کے ایک خط میں منشی بھگوان پرشاد کو یوں سلام لکھتے ہیں۔

"وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں۔ یعنی منشی بھگوان پرشاد شل خوان میرا سلام قبول کریں۔،،

شاہ عالم کے خط میں اون کے والد کو سلام لکھتے ہیں۔

"اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مرشد ہم عمر و ہم فن کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے،،

یوسف مرزا کے خط میں اون کے ماموں کو سلام لکھا ہے۔

"اپنے چھوٹے ماموں صاحب کو میرا سلام بہ اعتبار محبت کے اور بندگی بہ اعتبار سیادت کے۔،،

باقر علی اور حسین علی اپنی دادی کے ساتھ ضیاء الدین خاں کی والدہ کے پاس قطب گئے ہوئے ہیں۔ ایاز اور نیاز علی اون کے ساتھ ہیں۔ دو بندگیاں۔ اور ایک دعا۔ اور دو آداب ملتوی۔ ددا اور کلو اور کلیان کی بندگیاں پہونچیں۔،،

مرزا علاء الدین احمد خاں کے خط میں لکھتے ہیں۔

"استاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھوپھی اون کی چچی تھیں اور مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دعا۔ اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے سلام اور اس سبب سے کہ استاد کہلاتے ہیں بندگی۔ اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں درود۔ اور موافق اس مصرع کے سے ع اللہ اللہ مانی الوجود بجود"

مرزا علاء الدین احمد خاں کے خط میں انہیں میر جان کی نسبت لکھتے ہیں

"استاد میر جان صاحب کو قدمبوس کہکر مجکو فرعون بننا پڑا۔ دہائی خدا کی اب ایسا نہ کروں گا۔ میرا سلام بلکہ دعا اون کو کہدینا۔"

انہیں نواب علاء الدین خاں کے خط میں نواب امین الدین خاں کو سلام لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں

"بھائی صاحب کی خدمت میں بشرط رسائی وتاب گویائی سلام"

اگر مرزا کے بیان کو بے کم و کاست صحیح مان لیا جائے تو پھر اس میں کوئی شک ہی نہیں رہتا کہ وہ بڑے بدنصیب تھے مگر اون کے بیان میں شاعری۔ مبالغہ۔ بلکہ غلو۔ اور ظرافت اس طرح مل گئے ہیں کسی کو تہ تک پہونچنا آسان نہیں ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اوائل عمر ہی سے وہ مصائب کا شکار ضرور رہے۔ اور بڑھاپے میں خصوصاً غدر کے بعد وہ مصائب جو ایک وقت میں وہ بطریق تفنن طبع لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے آخر میں اُن کے حال پر صادق آنے لگے۔ باقی ابتدائی قصوں میں کچھ نہ کچھ مبالغہ اور شاعری ضرور شامل ہے۔ جب وہ اس داستان سوختہ بختی کو بیان کرتے ہیں تو سننے والے کو وہ لطف آتا ہے کہ محو حیرت ہو جاتا ہے

صاحب عالم مارہروی نے لکھا تھا کہ حیدرآباد کے نظام کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھیے کچھ نہ کچھ نفع ہوگا اوسکے جواب میں فرماتے ہیں۔

"میں پانچ برس کا تھا کہ میرا باپ مرا۔ نو برس کا تھا کہ چچا مرا۔ اوسکی جائداد کی عوض میرے اور میرے شرکائے حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں دس ہزار روپیہ سال مقرر ہوئے۔ اونھوں نے نہ دیے مگر تین ہزار روپیہ سال۔ اون میں خاص میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپیہ سال تھا میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر کیا۔ کولبرک صاحب رزیڈنٹ دہلی اور استرلنگ صاحب بہادر سکرٹر گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر۔ رزیڈنٹ معزول ہو گئے۔ سکرٹر گورنمنٹ بمرگ ناگاہ مر گئے۔ بعد ایک مدت کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مقرر کیا۔ اون کے ولیعہد نے چار سو روپیہ سال۔ ولیعہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے بصلہ مدح گستری پانچسو روپیہ مقرر ہوئے وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جئے یعنے اگرچہ ابتک جیتے ہیں مگر سلطنت جاتی رہی اور تباہی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی۔ دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی سات برس مجکو روٹی دے کر بگڑی۔ ایسے طالع مربی کش اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اب جو میں والی دکن کی طرف رجوع کروں یاد رہے کہ متوسط یا مر جائے گا یا معزول ہو جائے گا اور اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہوئے تو کوشش

اُسکی صفائی ٹُٹ جائے گی۔ اور والی شہر مجھکو کچھ نہ دے گا۔ اور اگر احیاناً اس نے سلوک کیا تو ریاست خاک میں مل جائیگی ملک میں گدہے کے ہل پھر جائیں گے۔"

نواب علاء الدین احمد خاں نے دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے پر مرزا سے تاریخ پیدائش نظم کرنے کی درخواست کی مرزا نے عذر بھی کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی سوختہ اختری کا ذکر چھیڑ دیا۔ فرمایا

"علاء الدین خاں تیری جان کی قسم میں نے پہلے لڑکے کا اسم تاریخی نظم کر دیا تھا۔ وہ لڑکا نہ جیا۔ مجھکو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دئے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے وہ عدم سے پرے پہونچا۔ نا صاحب دہائی خدا کی میں نہ تاریخ ولادت کہونگا نہ نام تاریخی ڈھونڈوں گا۔ حق تعالے تم کو اور تمھاری اولاد کو سلامت رکھے"

انہیں کے ایک خط کے القاب میں یہ قصہ چھیڑ دیتے ہیں

"میری جان ناسازی روزگار۔ بیربطی اطوار و بطریق داغ بالائے داغ آرزوے دیدار۔ وہ دو آتش شرارہ بار اور یہ ایک دریاے ناپیدا کنار۔ وقنا ربنا عذاب النار۔"

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں

"جو سَو بابو صاحب سے منگوائے تھے وہ صرف بابو صاحب کے دینے تھے قیمت اس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حرام اور تمھارے مذہب مشرب میں حلال ہے سودہ دے گئے۔"

میر مہدی کو لکھتے ہیں۔

"لیکور ایک انگریزی شراب ہوتی ہے قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی جیسے قند کا قوام پتلا دیکھو اس لغت کے معنے کسی فرہنگ میں پاؤ گے ہاں فرہنگ سرور میں ہوں تو ہوں"

خواجہ غلام غوث بیخبر کو لکھتے ہیں۔ اور کس حسرت سے لکھتے ہیں۔

"جناب عالی آج دوشنبہ ۲ر جنوری ۱۸۶۵ء ہے پہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہے ترشح ہو رہا ہے ہوا سرد چل رہی ہے۔ پینے کو کچھ میسر نہیں ناچار روٹی کھائی ہے ؎

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا ... (?)

افق ہا پر از ابر بہمن مہی سفالینہ جام من از مے تہی"

یوسف مرزا کو لکھتے ہیں۔

"صاحب فراش ہوں نہ کہیں جانے کا ٹھکانا نہ کوئی میرے پاس آنے والا۔ وہ عرق جو بقدر طاقت بنائے

رکھتا تھا اب میسر نہیں"

مرزا علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں

"التوائے شرب شراب ۲۲ جون ۔ شروع شراب ۱۰ جولائی"

مولوی عبد الغفور سرور کو لکھتے ہیں

"بائیس" مہینے سے وہ رزق کہ جو مقوم جسم اور مفرح روح تھا مسدود ہے ۔ کیا کھاؤں اور کیونکر جیوں ۔"

مرزا چونکہ تہذیب و متانت مجسم تھے اس واسطے وہ تمام محاسن جنکی وجہ سے اخلاق کا نام اخلاق ہے ان میں بدرجہ اتم موجود تھے ۔ خدا کے کفران نعمت سے تو دور تھے ہی اپنے دوستوں کا بھی وہ تہ دل سے شکریہ ادا کر کے احسان کا بدلہ دیتے تھے ۔ مگر بالکل نئے انداز سے ۔

نواب میر غلام بابا جان نے کچھ بھیجا ۔ اون کے جواب میں لکھا

"عطیۂ حضرت بتوسط جناب سیف الحق پہونچا ۔ اور میں نے اوس کو بے تکلف عطیۂ مرتضوی سمجھا علی مرتضے علیہ التحیتہ والثنا آپ کا دادا میرا آقا ۔ خدا کا احسان ہے میں احسانمند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا ۔"

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں ۔

"تیسری تاریخ فروری کی ڈیڑھ پہر باقی رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا اور خط معہ رجسٹری لایا ۔ خط کھولا سو روپیہ کی ہنڈوی بل جو تم نے بھیجی وہ ملا ۔ ایک آدمی رسید مہری لیکر جل کے کٹڑے چلا گیا ۔ سو روپیہ چہرہ شاہی لے آیا آنے جانے کی دیر ہوئی اور بس ۔ چوبیس روپیہ داروغہ کی معرفت اٹھے تھے وہ دیے گئے ۔ پچاس روپیہ محل میں بھیجدیے گئے ۔ چھبیس روپیہ باقی رہے وہ بکس میں رکھ لئے خدا تم کو جیتا رکھے ۔ اور اجر دے ۔ بھائی بری آبنی ہے انجام اچھا نظر نہیں آتا ۔"

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں ۔ اور ان کے خط میں میر سرفراز حسین کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔

"شام ہوئی چراغ روشن ہوا ۔ منشی سید احمد حسین سرہانے کی طرف مونڈھے پر بیٹھے ہیں ۔ میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چشم و چراغ دودماں یقین سید نصیر الدین ایک کوٹا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ میں ۔ اوس کے سر پر ایک ٹوکرا اوس پر گھاس ہری بچھی ہوئی ۔ میں نے کہا اہا ہا سلطان العلما مولانا سرفراز حسین دہلوی نے دوبارہ رسد بھیجی ہے یارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے یہ کچھ اور ہے شراب نہیں آم ہے ۔ خیر یہ عطیہ بھی بے خلل ہے ۔ بلکہ نعم البدل ہے ۔ ایک ایک آم کو ایک ایک سربمہر گلاس سمجھا بادۂ انگوری سے بھرا ہوا مگر واہ کس حکمت سے بھرا ہے کہ باوصف گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے میں نے کہا بھائی یہ کیا کم ہے مگر میں تمہاری تکلیف اور تکلف

سے خوش نہیں ہوا۔ تمھارے پاس روپیہ کہاں جو تم نے آم خریدے۔ خانہ آباد دولت زیادہ،،

صاحب عالم مارہروی کو لکھتے ہیں اور اسی رنگ میں شکر خدا اور شکریۂ صاحب موصوف بجالاتے ہیں۔

"پیر و مرشد اس مطلع و حسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیونکر بجالاؤں خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصان درگاہ سے بھلا کہواتا ہے۔ ظاہرا میرے مقدر میں یہ سعادت عظمیٰ تھی۔ کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا اللہ اللہ ایسے کشتنی و سوختنی کو یوں بچایا اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا۔ کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں۔ واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائیے گا ورنہ بندہ دعوئے خدائی کرنے میں محابا نہ کرے گا۔،،

منشی شیو نرائن نے مرزا کے لئے تحفتاً لفافے بھیجنے کو لکھا کہ جلد بھیجوں گا۔ مرزا نے جواباً لکھا

"صاحب خط پہونچا۔ لفافہ پہونچا۔ لفافوں کی خبر پہونچی۔ آپ نے کیوں تکلیف کی لفافے بنانا دل کا بہلانا ہے۔ بیکار آدمی کیا کرے۔ بہر حال جب لفافے پہونچ جائیں گے۔ ہم آپ کا شکر بجالائینگے ہر چہ از دوست میر سد نکوست"

مرزا کا شکوہ ملاحظہ ہو:۔

سیف الحق سیاح کو لکھتے ہیں۔ اور ان کے شکوۂ بیجا کا اپنے تہدید و شوخی آمیز شکوے سے جواب دیتے ہیں۔ وہ برابر خط نہ پہونچنے کی شکایتیں لکھا کرتے تھے۔ اور مرزا کی یہ عادت نہ تھی کہ وہ کسی کے خط کا جواب رد کرتے لکھتے ہیں

"صاحب یہ بیٹھنے کی جگہ ہے کہ تمھارا کوئی خط ڈاک میں ضائع نہیں ہوتا۔ اور میرا کوئی خط تم کو نہیں پہونچتا،،

سیف الحق سیاح نے ایک مرتبہ کسی کتاب کی قیمت کے لئے پانچ روپیہ کے ٹکٹ بھیجدیئے۔ مرزا نے خفا ہو کر لکھا

"صاحب یہ تم نے پانچ روپیہ کے ٹکٹ کیوں بھیجے ہیں نہ کتاب فروش نہ دلال یہ حرکت مجھے پسند نہ آئی۔،،

ایک مرتبہ مرزا تفتہ کا خط پہونچنے میں دیر ہوئی۔ مرزا نے لکھا

"کیوں صاحب کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلی کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں بھلا اگر یہ حکم ہوتا تو یہاں بھی اشتہار ہو جاتا۔ کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جاوے بہر حال کس بشنود یا نشنود من گفتگوے میکنم۔،،

ایکمرتبہ مرزا نے ایک خط جوابی مرزا تفتہ کو لکھا۔ شاید تفتہ نے یہ شکایت کی کہ آپ نے جوابی خط کیوں لکھا۔ مرزا نے جواب دیا۔

"کیوں صاحب یہ ڈبل خط پوسٹ پیڈ بھیجنا۔ اور وہ بھی دلی سے سکندر آباد کو آیا حاتم کے اور میرے سوا کسی نے کیا ہو گا۔ کیا ہنسی آتی ہے تمھاری باتوں پر۔ خدا تم کو جیتا رکھے اور جو کچھ تم چاہو تم کو دے،،

ایک مرتبہ تفتہ کو لکھا۔

"منشی ہرگوپال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی دعائے درویشانہ قبول کریں۔ ہم تو آپ کو سکندر آباد فانونگویوں کے محلے میں سمجھے ہوئے ہیں۔ اور آپ لکھنؤ راجہ مان سنگھ کی حویلی مطبع اودھ اخبار میں بیٹھے ہوئے مداریہ کا حقہ پی رہے ہیں اور منشی نولکشور سے باتیں کر رہے ہیں"

ایک مرتبہ مرزا تفتہ کو لکھا

"کیوں مہاراج کول (ضلع علیگڈھ) میں آنا اور جناب منشی نبی بخش کے ساتھ غزلخوانی کرنی اور ہم کو یاد نہ لانا۔ مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیونکر جانا۔ کہ تم کو مجھ کو بھول گئے کول میں آئے اور مجکو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی نہ لکھا کہ میں کیونکر آیا ہوں اور کب تک رہوں گا اور کب جاؤں گا اور بابو صاحب سے کہاں جا ملوں گا۔ خیر جو میں نے بیحیائی کر کے تم کو خط لکھا ہے لازم ہے کہ میرا قصور معاف کرو۔ اور مجھ کو ساری اپنی حقیقت لکھو۔"

شاہزادہ بشیر الدین نے خط کا جواب نہ دیا تو لکھا

"حضرت پیر و مرشد برحق سلامت۔ تقصیر معاف۔ میں مدعی۔ اور آپ مدعا علیہ بھی۔ اور حاکم بھی۔ وجہ استغاثہ یہ کہ آپ نے مجھے حلقۂ ارادت سے خارج کر دیا عرایض جواب طلب کا جواب نہیں دیا۔"

صاحب عالم مارہروی کا خط کچھ ایسا الجھا ہوا تھا کہ مرزا اُس کے پڑھنے سے عاجز تھے اسی لئے لکھ دیا تھا کہ جب آپ مجھکو خط لکھئے چودھری عبد الغفور صاحب سے لکھوائیے۔ مگر انہوں نے خود ہی خط لکھا مرزا نے چودھری صاحب کو لکھا۔

"آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ جو کچھ لکھیں بقلم چودھری صاحب لکھا جائے حضرت نے نہ مانا اور پھر عبارت بہ دستخط خاص لکھی۔"

میر سرفراز حسین کو لکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے مرزا کو خط لکھا ہے اور خط میں تمام میرن صاحب کا جھگڑا بھر دیا ہے۔ مرزا اس پر ستم ظریفی کرتے اور لکھتے ہیں

"سنو میاں سرفراز حسین۔ ہزار برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا وہ بھی اس طرح کا کہ جیسا جلال اسیر کہتا ہے ؎ بہ غیر در شکر آب است و رو بہ ما دارد۔ پڑھتا ہوں اوس خط کو اور ڈھونڈتا ہوں کہ میرے واسطے کون سی بات ہے مجھکو کیا پیام ہے۔ کچھ نہیں۔ شاید دوسرے صفحے میں کچھ ہو۔ ادھر خاتمہ بالخیر ہے۔ یارب سرنامہ میرے نام کا۔ آغاز تحریر میں القاب میرا۔ پھر سارے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا۔ یہ کیا سیر ہے۔ میں ایسے خط کا جواب کیوں لکھوں۔ میری بلا لکھے۔ اب جو تم خط لکھوگے اور اس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم کروگے اور میرن صاحب کا نام اور ان کے لئے سلام تک نہ ہوگا تو میں اُس کا جواب آنکھوں سے لکھونگا"

ایک مرتبہ صاحب عالم اور چودھری صاحب مارہروی کے خط میں دیر ہوئی۔ مرزا نے شاہ عالم صاحب کو شکایتاً لکھا "ہمارے حضرت ہمکو بھول گئے۔ ہاں سچ ہے اون کا لطف چودھری عبد الغفور صاحب کے جوہر محبت کا عرض تھا

جب جوہر نہ رہا تو عرض کہاں ،،

ایکمرتبہ صاحب عالم کے خط میں چودہری عبدالغفور صاحب کی بابت لکھا

"خورشید عالم کو سلام - چودہری صاحب کو نہ سلام نہ نیاز - صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو مفرح روح سمجھتے تھے وہ وظیفۂ روحانی منقطع کیوں ہوا ،،

ظہیر الدین کو ان کے باپ حکیم غلام نجف خاں کے خط میں لکھتے ہیں۔

"کیوں ظہیر الدین کیا میں اس لایق نہ تھا کہ تو ایک خط مجھکو الگ لکھتا - یا اپنے باپ کے خط میں اپنے ہاتھ سے اپنی بندگی لکھتا - حکیم غلام نجف خاں خط لکھنے بیٹھے تیری بندگی لکھدی تیرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں - اس بندگی کے آنے کی مجھے کیا خوشی ،،

ایک خط میں حکیم نجف خاں کو میاں فضل حسین کی شکایت اس طرح لکھتے ہیں

"ہائے قسمت اس قسمت پر لعنت میاں فضل حسین میرے مربی و محسن بنیں اور پھر وائے محرومی کہ مطلب بر آری نہ ہو خدا کرے نہ ہو لونڈوں کا احسان زہر قاتل ہے ،،

مرزا چونکہ اپنا کلام خود جمع نہ کرتے تھے بلکہ اون کے بعض شاگرد مثلاً ضیاءالدین احمد خاں وغیرہ لکھ لیتے تھے اس لئے جب دیوان کے چھپنے کی نوبت آئی تو ادھر اُدھر سے مانگنا پڑا - مگر بعض جگہ سے انکار ہوگیا تو مرزا صاحب کو سخت کوششیں کرنی پڑیں چنانچہ اسی بارہ میں تفضل حسین کو لکھتے ہیں

"کیوں صاحب یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و اُستادی سب پر پانی پھر گیا - اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے - میرا کلام خرید آٹھ دس روپیہ کی سودہ بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھکو دے ڈالو تم کو مبارک رہے - مجھکو مستعار دو - میں اُس کو دیکھ لوں - جو میرے پاس نہیں ہے اوس کی نقل کرلوں پھر تم کو واپس بھیجدوں اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل ہے اس کی کہ مجھکو جھوٹا جانتے ہو میرا اعتبار نہیں - یا یہ کہ میرا ستانا اور مجھکو آزار دینا بدل منظور ہے وہ کتاب اس میرے آدمی کو دیدو ،،

مرزا حاتم علی مہر کے خط بھیجنے میں دیر ہونے کا یوں شکوہ کرتے ہیں

"یہ سوچ رہا ہوں کہ دیکھوں چھ مہینہ بعد برس دن بعد اگر مرزا صاحب خط لکھتے ہیں تو اس امر خاص کا کیا جواب لکھتے ہیں میں بھی شاطر ہوں اگر کوئی مضمون ہوتا تو میرے بھی خیال میں آجاتا کوئی عذر ایسا میرے ذہن میں نہیں آتا کہ قابل سماعت کے ہو میں بھی تو دیکھوں تم کیا لکھتے ہو ،،

مرزا مہر کو شکوہ کی تعریف لکھتے ہیں اور شکوہ کا طریقہ بتاتے ہیں

"خود شکوہ دلیل رفع آزار بس است - آید بزباں ہر آنچہ از دل بردد - بندہ پرور فقیر شکوہ سے برا نہیں مانتا۔ مگر

شکوہ کے فن کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ شکوہ کی خوبی یہ ہے کہ راہ راست سے منھ نہ موڑے معہذا دوسرے کے واسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے "

مرزا سے کسی نے کہا کہ خواجہ غلام غوث بے خبر آپ کی قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ یوں تو بیسیوں آدمیوں نے جواب لکھا تھا۔ مگر چونکہ خواجہ صاحب مرزا کے دوست تھے اس واسطے رنج ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ انہوں نے شکوہ کیا۔ خواجہ صاحب ایک وضعدار آدمی تھے اون کو بڑا صدمہ ہوا اور مرزا سے اس بدگمانی کی شکایت کی۔ مرزا نے جواب میں لکھا کہ

"میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

پیرو مرشد خفا نہیں ہوا کرتے یوں سنا مجھے باور نہ آیا۔ یہاں تک تو میں مورد عتاب نہیں ہو سکتا۔ جھگڑا استعجاب پر ہے محل استعجاب وہ ہے کہ آپ کا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیاء کا یہ حال ہے۔ وائے بر حال ہم اشقیاء کے۔ یہ حکایت ہے شکایت نہیں۔ میں دنیاداری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں۔ لیکن فقر آزاد ہوں۔ نہ شیاد کیاد . . . . میں آدمی نہیں ہوں آدم شناس ہوں

نگہم نقب ہمی زد بہ نہانخانۂ دل مژدہ باد اہل ریا را کہ زمیداں رفتم "

نواب انور الدولہ شفق کو لکھتے ہیں

"حضرت کیوں آپ نے مراسلے اور میرے مکتوب کا حال پوچھا این ہم کہ جوابے نہ نویسند جواب است۔ سمجھ لو اور چپ ہو رہو "

منشی شیو نرائن کو کئی خط لکھے جواب نہ آیا تو یہ لکھا

"کیوں میری جان تم نے خط لکھنے کی قسم کھائی ہے۔ یا لکھنا ہی بھول گئے ہو۔ شہر میں ہو یا نہیں "

نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں

"میری جان کیا کہتے ہو کیا چاہتے ہو۔ ہوا ٹھنڈی ہو گئی۔ پانی ٹھنڈا ہو گیا۔ فصل اچھی ہو گئی اناج بہت پیدا ہو گیا۔ توقیع جانشینی مجھ سے تم کو پہنچا۔ خرقہ پایا۔ سبحہ و سجادہ کا یہاں پتہ نہیں ورنہ وہ بھی عزیز نہ رکھتا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بھائی نے شفا پائی۔ استاد میر جان پہونچ گئے۔ آخر اکتوبر میں نیر رخشاں کو بھی دیں تو پھر عقرب و قوس کے آفتاب کا کیا ذکر۔ آبان ماہ و آذر سے کیا غرض ۔

بسے تیر و آبان و اردی بہشت برآید کہ ما خاک باشیم و خشت

خط نہ بھیجنے کا شکوہ کرتے ہیں

"مرزا علائی مولائی نہ لاہور سے خط لکھا۔ نہ لوہارو سے۔ بقدر مادۂ حمق محو انتظار۔ بلکہ امیدوار رہا۔ اب

جو کسی طرح کی توقع نہ رہی تو شکوہ طرازی کا موقع ہاتھ آیا - اگرچہ جانتا ہوں کہ ایک شکوہ کے دفع میں طوطی نامہ کے برابر ایک رسالہ لکھو گے - اور ہزار وجہیں موجہ بیان کر دگے میں اس تحریر کا منتظر ہوں کہ دیکھوں کیا لکھتے ہو،،

لاہور اور لوہارو کی تجنیس - بقدر مادہ حمق انتظار - شکوہ کا موقع ہاتھ آنا - طوطی نامہ کی برابر رسالہ تصویریں مرزا اٹھانا - سب ظریفانہ جملے ہیں -

ایک جگہ لکھتے ہیں

"میری جان شکوہ کرنا سیکھو - یہ باب میں نے ابھی تم کو پڑھایا نہیں کوئی خط تمہارا نہیں آیا کہ میں نے اسی دن یا دوسرے دن جواب نہ لکھا ہو،،

نثر مسجع اور نثر مرجز کی بحث تھی مرزا کچھ اور کہتے تھے اور صاحب عالم علی الرغم مرزا کے قتیل کے قواعد اور غیاث سے دلائل پیش کرتے تھے مرزا نے جواب میں لکھا

"اس سے زیادہ نہ مجھکو علم - نہ یارائے کلام - قتیل لکھنوی اور غیاث الدین ملائے مکتبی رام پوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتبر سمجھے،،

شوخی کلام مرزا کا خاص حصہ ہے - اس کے لئے کچھ لکھنا بیکار ہے - صرف اتنا کہنا ضروری ہے کہ شوخی کلام اگر دل آزاری کے قریب پہونچ گئی - یا اس میں پھکڑ اور ہجو کا شمول ہوا تو شوخی کی اصلی غرض و غایت فوت ہو جاتی ہے اور پھر وہ شوخی شوخی نہیں رہتی کچھ اور ہی چیز ہو جاتی ہے - مرزا کو اس بارہ میں ید طولے حاصل ہے - اور یقیناً اردو میں تو کیا شاید فارسی میں بھی ان کا جواب مشکل سے ملے -

نواب میر غلام بابا خان نے تصویر بھیجی - مگر مرزا... فوٹو کو پسند نہ کرتے تھے اسی بارہ میں سیف الحق سیاح کو لکھتے ہیں - اور اپنی فطری شوخیوں سے کام لیتے ہیں

"حال تصویر کا یہ کہ میں نے اوسے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا - گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا - لیکن اسکا سبب نہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی - خیر دیدار تو میسر ہوا - گفتار بھی اگر خدا چاہے گا تو سن لینگے دیکھو منشی صاحب آئینہ کی تصویر کی صنعت کو سب پسند کرتے ہیں فقیر اس کا معتقد نہیں - اب دیکھو حضرت کی تصویر میں کہنیوں تک ہاتھ کی تصویر ہے - آگے پہنچے اور پنجہ کا پتہ نہیں - مکالمہ ایک طرف مصافحہ کی بھی حسرت رہ گئی -،،

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں -

"صاحب تم جانتے ہو کہ یہ کیا معاملہ ہے اور کیا واقعہ ہوا۔ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے۔ اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت در پیش آئے۔ شعر کہے۔ دیوان جمع کئے۔ اوسی زمانہ میں ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے۔ اور منشی نبی بخش اون کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات۔ نہ وہ اختلاف نہ وہ انبساط بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے۔ یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا اوس کا جواب مجھکو آیا۔ اور ایک خط تمھارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال و متخلص بہ تفتہ ہو آج آیا۔ اور میں جس شہر میں ہوں اوس کا نام بھی دلی اور اس محلہ کا نام بلی ماروں کا محلہ ہے۔"

ایک خط کو ختم کرتے ہوئے میر مہدی کو لکھتے ہیں

"لو بھئی اب تم جاؤ ہو جاؤ بیٹھے رہو جا ہو جاؤ اپنے گھر۔ میں تو روٹی کھانے جاتا ہوں اندر باہر سب روزہ دار ہیں۔ یہاں تک کہ بڑا لڑکا باقر علی خاں بھی۔ صرف ایک میں اور ایک میرا پیارا بیٹا حسین علیخاں یہ ہم روزہ خوار ہیں۔ وہی حسین علی خاں جسکا روز مرہ ہے۔ کھلونے منگادو میں بھی بجار جاؤں گا"

ایک خط میں شفق کو وسیم الدین و ظہیر الدین کی بابت تحریر کرتے ہیں

"وسیم الدین و ظہیر الدین کو منشی میر شیخ خوجہ کیا کر کے لکھوں"

میرن صاحب کو لکھتے ہیں

"خط پہونچا۔ اگرچہ میں نے صرف پڑھا۔ میر مہدی کے جلانے کو لکھتا ہوں کہ میں نے آنکھوں سے لگایا تمھارا خط پہونچا آنکھوں سے لگایا۔ آنکھوں میں نور آیا۔ دل پر رکھا دل نے آرام پایا۔ کل تک اوس کو سنکر خفا ہوتے تھے اور آپ ہی کھلے جاتے تھے۔ اب بن بن کر باتیں بناتے ہو۔ اور ہم کو کہانیاں سناتے ہو کاشکے تم یہاں آجاؤ تب اس تحریر کا مزہ پاؤ"

مرزا نے احتشام الدولہ بہادر کا کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ اور جہاں کہیں ذکر کیا ہے اس طرح کہ معلوم ہوتا ہے وہ ہم سن بڈھے باہم چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق میں مصروف و مشغول ہیں۔ ان کی روانگی الور کی تصویر یوں کھینچتے ہیں۔ اور یوسف مرزا کو مخاطب فرماتے ہیں

"آؤ صاحب میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ آج یکشنبہ کا دن ہے ساتویں تاریخ رمضان کی اور تیسویں اپریل کی صبح کو بھائی ضیاء جن کو میر کاظم علی بھی کہتے ہیں اور ہم نے احتشام الدولہ خطاب دیا ہے وہ تین پاؤ کھجوریں اور ایک ٹین کا لوٹا۔ اور دو دوت کی رسیاں لے کر بھٹیارے کے ٹٹو پر سوار ہو کر الور کو روانہ ہوئے"

مرزا کو اپنے کلام کی علی حسب مراتب داد نہ ملنے کا صدمہ عمر بھر رہا۔ اور اس صدمہ سے وہ کبھی اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ ایک جگہ کچھ ایسے ہی دل شکن حالات کو ظریفانہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ علائی نے اپنے داد نہ پانے کی فریاد مرزا سے کی مرزا کہتے ہیں۔

"بھائی اس مرض میں میں بھی تیرا ہم طالع اور ہم درد ہوں اگرچہ یک فنہ ہوں۔ مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نظم و نثر کی داد باندازہ بایست پائی نہیں۔ آپ ہی کہا آپ ہی سمجھا۔ قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دواعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دیئے ہیں بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے۔ نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاٹھی ہاتھ میں لوں۔ اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا مع رسی کے لٹکالوں اور پیادہ پا چل دوں۔ کبھی شیراز جا نکلا۔ کبھی مصر میں جا ٹھہرا۔ کبھی نجف میں جا پہونچا۔ نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں۔ اگر تمام عالم میں نہ ہو سکے نہ سہی۔ جس شہر میں رہوں۔ اوس شہر میں تو بھوکا ننگا نظر نہ آئے۔"

نواب علاء الدین احمد خاں نے آنے کو لکھا اور نہ آئے۔ تو مرزا نے لکھا کہ شاید تم عید میں آسکو۔ یہیں سے ظرافت کی طرف قلم کو موڑ دیا۔ کہتے ہیں

"ہے ہے میں تو کہتا ہوں نہ آسکو اس ماہ مبارک میں امضائے حکم سرکار کا وہ ہنگامہ گرم ہو کہ پارسیوں کی عید کوسہ برنشین کا گمان گزرے۔ دُور کیوں جاؤ ہولی کی داشدی کا سماں لہارو میں بندھ جائے۔ ایک خرسوار کی سواری بڑے دہوم سے نکلے۔ حسن اتفاق یہ کہ وہی موسم ہے۔ ہولی اور عید کوسہ برنشین کا زمانہ باہم ہے۔ حوت کے آفتاب میں یہ دونوں تہوار ہوتے ہیں۔ کل آفتاب حوت میں آیا ہے۔ کوسہ برنشین اور ہولی کا مژدہ لایا ہے۔ خیر میں چند روز اور کشمکش فراق اور تیرے دیدار کا مشتاق ہوں تو کوسہ برنشین اور ہولی کی رنگ رلیاں منالے۔ اور خرسوار کو بضرب تازیانہ دوڑالے۔ علاء الدین خاں واللہ تو میرا فرزند روحانی معنوی ہے فرق اسی قدر ہے کہ میں جاہل ہوں اور تو مولوی ہے۔ ارے ظالم اس کوسہ برنشین کی داد دے۔ عقل کرامت ہے۔ الہام ہے۔ لطف طبع ہے۔ کیا ہے۔ یہ رسم کس قدر مناسب ہے"

علائی نے مرزا کو لکھا کہ غزل بعد اصلاح جلد بھیجدیجئے۔ مرزا ہمیشہ کے عوارض سے تنگ آگئے تھے لکھتے ہیں

"میاں تم میرے ساتھ وہ معاملے کرتے ہو جو احیائے مرسوم و معمول ہیں خیر تمہارا حکم بجالایا۔ غزل بعد اصلاح پہنچتی ہے"

غالباً علاؤ الدین خاں نے ایک مرتبہ مرزا کو اپنے یہاں بلانے کے لئے لکھا اور درمیان میں کچھ اچھے اچھے کھانوں کا بھی لالچ دلایا۔ مرزا جواب میں لکھتے ہیں۔

"خصی بکروں کے گوشت کے قلئے دو پیازے پلاؤ کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو۔ مجھکو خدا کی قسم اگر اُس کا کچھ خیال بھی آتا ہو۔ خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسر نہ آیا ہو۔ جب کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میر جان صاحب اس مصری کے ٹکڑے چبا رہے ہوں گے تو میں رشک سے اپنا کلیجہ چبانے لگتا ہوں۔"

خواجہ غلام غوث بیخبر نے ایک مرتبہ خط میں کچھ اپنے بڑھاپے کا حال لکھا۔ مرزا نے جواب میں تحریر کیا۔

" پہلے آپ کا ایک فقرہ لکھ کر اتنا ہنسوں کہ پیٹ میں بل پڑ جائیں اور آنکھ سے آنسو نکل آئیں۔ فقرہ۔ کیا جانئے بڑھاپے میں کہاں کی حرارت مزاج میں آگئی ہے فقط۔ کیوں صاحب تم نے بڈھوں میں اپنا نام لکھوایا تو مجھکو لازم ہے کہ میں اپنے کو اموات میں گنوں "

مرزا طنزیات کے بادشاہ ہیں۔ سیدھے سیدھے ہنسنے ہنسانے والے لفظوں میں بلا کی چٹکیاں لیتے ہیں۔ میر سرفراز حسین کو لکھتے ہیں۔

" اللہ اللہ تم پانی پت کے سلطان العلما اور مجتہد العصر بن گئے۔ کہو وہاں کے لوگ تمھیں قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہیں۔ "

میر مہدی کی عادت تھی کہ جب مرزا کو خط لکھتے تو عبارت میں اچھا خاصا بناؤ چناؤ کیا کرتے تھے۔ اور تفنن عبارت کے طرح طرح کے الفاظ لکھتے۔ ایک مرتبہ مرزا نے مدح کو طنز کے ساتھ سمو کر یہ فقرے لکھے

" تم تو اردو کے مرزا قتیل بن گئے ہو۔ اردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رودنیل بن گئے ہو۔ "

میرن صاحب کو خرچ بھیجنے میں دیر ہوئی۔ اون کی اہلیہ نے مرزا صاحب سے شکایت کی مرزا نے میر مہدی کو لکھا۔ اور باتوں باتوں میں کھوٹی کھری بھی سنا دیں اور پھر کچھ نہیں۔ لکھتے ہیں

" اجی وہ یوسف ہند نہ سہی یوسف دہر سہی یوسف عصر سہی یوسف کشور سہی اون کی زلیخا نے ستم برپا کر رکھا ہے۔ مجھے تو خبر نہیں کہیں حضرت کہہ گئے ہیں کہ میں ساڑھے سات روپیہ مہینہ بھیجے جاؤں گا۔ اب اون کا تقاضہ ہے۔ رحیم بخش روز آتا ہے اور کہتا ہے کہ پھوپا جان کو لکھو کہ پھوپی جان بھوکی مرتی ہیں خرچ جلد بھیجو ورنہ نالش کی جائے گی۔ اور تم کو گواہ قرار دیا جائے گا۔ "

اسی خط میں لکھتے ہیں اور میر مہدی پر طنز کرتے ہیں

" میرن صاحب کے خط کے لکھوانے میں تم نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا۔ اب اُن سے میرے خط کے جواب کا تقاضہ کیوں نہیں کرتے۔ حُسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے تم اُن سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے۔ "

میر مہدی کو یہ دُھن تھی کہ مرزا صاحب کو جلد جلد خط لکھا کریں۔ ادھر مرزا صاحب کو عدیم الفرصتی، بیماری۔ آرام و افکار غرضکہ ایک بار لکھتے ہیں۔

" میری جان۔ تم کو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک شغل ہے۔ قلم دوات لے بیٹھے اگر خط پہونچا ہے تو جواب ورنہ شکوہ و شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے۔ کل حکیم میر اشرف علی آئے تھے سر منڈوا ڈالا ہے۔ مخلفین و سکم

پر عمل کیا ہے۔ میں نے کہا کہ سر منڈوایا ہے تو داڑھی رکھو۔ کہنے لگے "دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم" واللہ اُن کی صورت قابل دیکھنے کے ہے۔"

میر مہدی آشوب چشم میں مبتلا ہوئے۔ مرزا صاحب کو حال لکھا۔ ان کو دل لگی کا ایک مسالہ ہاتھ لگا جواب میں لکھا۔

"میاں کیوں ناسپاسی وحق شناسی کرتے ہو۔ چشم بیمار ایسی چیز ہے جس کی کوئی شکایت کرے۔ تمہارا منہ چشم بیمار کے لائق کہاں۔ چشم بیمار ہرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں۔ جس کو اچھے اچھے عارف دیکھتے رہتے ہیں۔ تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو۔ خیر ہنسی ہو چکی۔ اب حقیقت مفصل لکھو۔ تم زحیر کی عادت رکھتے ہو عوارض چشم سے تم کو کیا علاقہ میرے نور چشم کی آنکھ کیوں دکھی۔"

میر مہدی نے ایک مرتبہ اپنی غزل میں ایک مقطع لکھا تھا جس کا مصرع آخر یہ تھا "میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے"۔ مرزا صاحب نے پہلے تو اسی مصرع پر لکھا کہ میر مہدی تجھ کو شرم نہیں۔ پھر شہر کی حالت لکھتے ہوئے لکھتے ہیں

"قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنویں جاتے رہے تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائیگا۔ اللہ اللہ دلّی نہ رہی اور دلّی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد۔ بندۂ خدا اُردو بازار نہ رہا اُردو کہاں دلّی کہاں۔ واللہ اب شہر نہیں ہے کیمپ ہے۔ چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار۔"

میر مہدی کی عبارت کے متعلق ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔ چاہے امر واقعہ سمجھئے۔ خواہ مذاق جانئے۔ خواہ مدح سمجھئے۔ خواہ طنز کہیے جامع فقرے ہیں سب رنگ جھلک رہے ہیں

"میر مہدی جیتے رہو۔ آفریں صد ہزار آفریں اُردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سنو دلّی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے۔ یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی۔ سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا۔ مگر میں نے اوس کو بحل کیا۔ اللہ برکت دے۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں

"میری جان خدا تجھکو ایک سو بیس برس کی عمر دے بوڑھا ہونے آیا داڑھی میں بال سفید آگئے مگر بات سمجھنی نہ آئی۔ پنشن کے باب میں اُلجھے ہو اور کیا بیجا اُلجھے ہو۔"

مرزا حاتم علی بیگ مہر سے مرزا کے ہم وطنانہ دوستانہ اور برادرانہ تعلقات ہیں۔ اگر اُدھر سے تھوڑی سی بے توجہی یا استغنا دیکھتے ہیں تو بگڑ جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے شکوہ رنگیں کرتے ہیں۔ جس میں محبت طنز، شکوہ سبھی کچھ شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں

"اگر تم مناسب جانو تو ایک بات میری مانو۔ رقعات عالمگیری۔ انشاء خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو۔ جو عبارت

اوس میں سے پسند آیا کرے وہ خط میں لکھدیا کرو - خط مفت میں تمام ہوجایا کرے گا - اور تمھارے خط کے آنے کا نام ہوجایا کرے گا - اگر کبھی کوئی قصیدہ کہا - اوس کا دیکھنا مشاہدۂ اخبار پر موقوف رہا سہ

برات عاشقاں بر شاخ آہو

واقعی جو اخبار آگرہ سے دلی آتے ہیں وہ میرے سامنے بڑھے جاتے ہیں - صاحب ہوش میں آؤ اور مجھکو بتاؤ کہ یہاں جو پارسیوں کی دوکانوں میں فرنج اور شاہپین کے درجن دھرے ہوئے ہیں یا ساہوکاروں کے اور جوہریوں کے گھر جواہر اور روپیہ بھرے ہوئے ہیں - میں کہاں وہ شراب پینے جاؤں گا - اور وہ مال کیونکر اٹھاؤں گا - بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیے اور قصیدہ مجھ کو بھجوائیے ،،

نواب انور الدولہ شفق کا خط ذرا دیر میں آیا - تو لکھتے ہیں

،، حضرت پیر و مرشد اگر آج میرے سب دوست و عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم اور وہ باہم ہوتے - تو میں کہتا کہ آؤ رسم تہنیت بجالاؤ خدا نے پھر وہ دن دکھایا کہ ڈاک کا ہرکارہ انور الدولہ کا خط لایا ع

اینکہ مے بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

منھ پیٹتا ہوں - اور سر پٹکتا ہوں - کہ جو کچھ لکھا چاہتا ہوں نہیں لکھ سکتا - الٰہی حیاتِ جاودانی نہیں مانگتا - پہلے انور الدولہ سے مل کر سرگذشت بیان کروں پھر اس کے بعد مروں - ،،

نواب علاء الدین خاں مرحوم کی اپنے والد سے کچھ شکر رنجی تھی اسی وجہ سے اکثر اس قسم کی باتیں ہوتی تھیں جو نہ ہونا چاہئے تھیں - چنانچہ مرزا اسی بارہ میں علاء الدین خاں کو لکھتے ہیں کہ تمھارے والد یہاں آئے تھے اون سے ملاقات ہوئی یہ باتیں ہوئیں

،، میں نے تمھیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے تو بھائی صاحب بولے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی وہاں بھی تو رہے اور اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں - میں نے کہا اتنا ہی جتنا تم اوس کو چاہتے تھے - ہنسنے لگے - غرضکہ میں نے بظاہر اون کو تم سے اچھا پایا - آگے تم لوگوں کے دلوں کا مالک اللہ ہے - ،،

ایک جگہ انھیں کو کسی بات پر لکھتے ہیں - اور غصہ کے ساتھ نصیحت اور نصیحت کے ساتھ ظرافت کو ملا کر ایک خوشنما الفاظ کا گلدستہ بنا دیتے ہیں - فرماتے ہیں

،، برخوردار علی حسین خاں آیا - مجھ سے ملا - بھائی کا حال اُس کی زبانی معلوم ہوا - حق تعالےٰ اپنا فضل کرے - الولد سر لابیہ تم اس کے مصداق کیوں بنے - خفقان اور مراق اگرچہ تمھارا خانہ زاد موروثی ہے - لیکن آج تک تمھاری خدمت میں حاضر نہ ہوا تھا - اب کیوں آیا - اگر آیا تو ہرگز ہرگز اوس کو ٹھہرنے نہ دو - ہانک دو - خبردار اوس کو اپنے پاس رہنے نہ دینا - ،،

انہیں نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں -

"یہاں کے اطوار مجھ سے باوجود قرب مخفی۔ اور تم پر بایں ہمہ بعد آشکار۔ دوران باخبر در حضور۔ و نزد مکان بے بصر دور۔ روپیہ آگیا۔ دل سے نکلا۔ مخزن سے نکلا۔ ہاتھ سے نہیں نکلا۔ جب ہاتھ سے نکل جائے گا اور جنس مول لی جائے گی اور یہ گنڈ کٹ جائیگا۔ تب ترساں ترساں پیشگاہ والا میں تمھارے یہاں آنے کے باب میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ میں ان دنوں مردو بھی؟ ہوں۔"

اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ مرزا کے خاص دوست صاحب عالم مارہروی کا خط نہایت الجھا ہوتا تھا۔ مرزا بار بار لکھتے تھے کہ کسی اور سے لکھوایا کرو۔ وہ سنتے نہ تھے۔ محبت کے مارے آپ ہی لکھنے بیٹھ جاتے۔ مرزا نے عاجز ہو کر ایک دفعہ لکھا۔

"حضرت کی لکھی ہوئی عبارت سے جو سمجھتا ہوں اس کا جواب لکھتا ہوں۔ اور جو کچھ مجھ سے نہیں پڑھا گیا وہ تعویذ بازو کر رکھتا ہوں۔ اگر بفرض محال کبھی ملاقات ہوگی تو آپ سے دریافت کر کے پاسخ گزار ہوں گا۔"

بعض باتوں یا کاموں کے کرنے کو جی نہیں چاہتا تو عذر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو عذر کرنا نہیں جانتے ۔ اس فن کو بھی بدنام کرتے ہیں انھیں حضرات کی بدولت عذر لنگ، اور عذر بارد کے الفاظ کا وجود دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ مرزا کے عذر و معذرت ایسے پر زور ہیں کہ کہنے والا کبھی یہ کہہ ہی نہیں سکتا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اوس میں تصنع اور تکلف یا بناوٹ کو بھی کوئی دخل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو وہ عذر میں جھوٹ اور مبالغہ کو دخل ہی نہیں دیتے۔ اور اگر ضرورتاً کہیں ایسا کرتے ہیں تو ظرافت کا عنصر اتنا غالب کر دیتے ہیں کہ سامع کا ذہن اس طرف سے منتقل ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ذیل میں آپ دیکھیں گے کہ بیسیوں جگہ میں سے ایک جگہ بھی اُن کے عذر آمیز الفاظ میں کمزوری نہیں معلوم ہوتی۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس انداز سے کہتے ہیں کہ سننے والا ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

میاں داد خاں سیاح مصر ہیں کہ جس طرح ممکن ہو تصویر کھنچوا کر بھجوائیے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں

"تصویر کھینچنے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا وہ شہر سے چلا گیا۔ ایک انگریز ہے وہ کھینچتا ہے مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھی پر سے اتروں پالکی میں بیٹھوں اوس کے گھر جاؤں اور گھنٹے دو گھنٹے کرسی پر بیٹھوں اور تصویر کھنچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پھر آؤں"

نواب مرزا علاء الدین خاں فرط محبت میں مرزا کو لوہارو بلاتے ہیں۔ مرزا ٹالتے عذر کرتے اور یہ جواب دیتے ہیں

"لوہارو ایک گاڑی کپڑوں کے واسطے کرایہ کروں۔ کپڑوں کے صندوق میں آدھی درجن شراب دھر دوں۔ آٹھ کہار ٹھیکے کے لوں، چار آدمی رکھتا ہوں۔ دو یہاں چھوڑوں دو ساتھ لوں۔ چلد دوں۔ رام پور سے جو لفافہ آیا کرے گا، لڑکوں کا حافظ لوہارو بھجوایا کرے گا۔ گاڑی ہو سکتی ہے۔ شراب مل سکتی ہے، کہار بہم پہونچ سکتے ہیں، طاقت کہاں سے لاؤں، روٹی کھانے کو باہر کے مکان میں محلسرا سے کہ وہ بہت قریب ہے جب جاتا ہوں، تو

ہندوستانی گھڑی بھر میں دم ٹھہرتا ہے، اور یہی حال دیوان خانے میں آکر ہوتا ہے "

جس طرح مرزا، صاحب عالم مارہروی کو عزیز رکھتے تھے اسی طرح وہ بھی مرزا سے عقیدت وخلوص رکھتے تھے۔ دل سے متمنی تھے کہ غالب مارہرہ آئیں۔ ہنگامۂ صحبت گرم ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے ذکر کیا کہ مرزا صاحب کا مارہرے آنے کا ارادہ تھا۔ سنکر بے تاب ہوگئے، اور فوراً مرزا کو خط لکھا۔ ارادہ یاد دلایا۔ کہ اب آئیے آموں کا زمانہ ہے۔ مرزا نے جواب میں لکھا

" خداوند۔ مجھے مارہرے بلاتے ہیں اور میرا قصد مجھے یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں میں کہ دل بھی تھا اور طاقت بھی تھی شیخ محسن الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا تھا۔ کہ جی یوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں۔ طاقت کہاں سے پاؤں۔ نہ آموں کی طرف وہ رغبت نہ معدہ میں اُتنے آموں کی گنجایش۔ نہار منھ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں جو کہوں۔ بین الطعامین ہاں آخر روز بعد ہضم معدی آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں اتنے آم کھاتا تھا۔ پیٹ بھر جاتا تھا۔ اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت ہوں مگر دس بارہ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات ؎

دریغا کہ عہدِ جوانی گزشت   جوانی گلو زندگانی گزشت

اب اُس کے واسطے کیا سفر کروں۔ مگر حضرت کا دیکھنا۔ اِس کے واسطے متحمل رنج سفر ہوں تو جاڑے میں نہ برسات میں۔ اے وائے زمحرومی دیدار دگر ہیچ "

چودھری عبدالغفور صاحب سرور کو لکھتے ہیں، اور صاحب عالم کے خطوں کے جواب نہ دینے کا یوں عذر کرتے ہیں

" دو خط حضرت صاحب کے آئے۔ جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو طعنے دے کر مردبنایا جب یہ عبارت لکھی "

میر مہدی مجروح کو میرن صاحب کی بابت لکھتے ہیں۔ اور کیا خوب لکھتے ہیں۔ کہیں میر مہدی صاحب نے لکھا ہوگا۔ کہ میرن صاحب کو جب تک کہ میں نہ کہوں دلی نہ بلائیے۔ مگر مرزا صاحب کا خود ہی یہ ارادہ نہ تھا۔ کہ بلائیں۔ اس لئے انہوں نے جواب میں لکھا اور ایک خاص طریقہ سے عذر کیا

" میرن صاحب کو جب تک تم نہ کہو میں دلی نہ بلاؤں۔ گویا اُن کے عاشق تمھیں ہو میں نہیں۔ بھائی ہوش میں آؤ۔ اور غور کرو۔ یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ ان کو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر زیادہ نہو تو تیس روپیہ مہینہ مقرر کردوں کہ بھائی یہ لو اور روپیہ اور چاوڑی اور اجمیری دروازے کا بازار اور لاہوری دروازے کا بازار ناپتے پھرو۔ اور اُردو بازار اور خاص بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوران خاں کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ "

میر سرفراز حسین مرزا کے ایما پر یا اِن کی خواہش کے مطابق الور بغرض تلاش روزگار گئے۔ مگر وہاں کچھ کاربراری نہ ہوئی۔ مرزا صاحب کو یہ اطلاع ہوئی تو انہوں نے میر مہدی کو لکھا۔

"سو روپیہ کی زیرباری ہوئی۔ اور چونکہ یہ زیرباری میرے بھرے پرے ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی۔ میں نے اس چھیاسٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں جہاں ہزار داغ ہیں ایک ہزار ایک سہی"

آخری فقروں سے جو درد و حسرت اور دلی رنج کے ساتھ عذر کے پہلو ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ غالب کا حصّہ ہے۔

ایک مرتبہ میر مہدی نے کسی کتاب کے لئے مرزا کو لکھا کہ وہ اب تک چھپی یا نہیں چھپی یا مرزا نے جواباً لکھا:۔

"میاں کیا باتیں کرتے ہو۔ میں کتابیں کہاں سے چھپواتا۔ روٹی کھانے کو نہیں۔ شراب پینے کو نہیں۔ جاڑے آتے ہیں۔ لحاف توشک کی فکر ہے کتابیں کیا چھپواؤں گا۔"

قاضی عبدالجمیل صاحب جنوں نے غزل بھیجی۔ اتفاق سے گم ہو گئی۔ اُنہوں نے اصلاح کے لئے تقاضہ کیا۔ مرزا کہاں سے اصلاح دیتے۔ غزل کہاں سے لاتے۔ یوں عذر کیا۔

"وہ غزل جو کہار لایا تھا۔ وہاں پہونچی جہاں اب میں جانے والا ہوں یعنے عدم مدعا یہ کہ گم ہو گئی۔"

قاضی عبدالجمیل جانتے تھے کہ مرزا آم کے عاشق زار ہیں۔ لہذا ہر سال آم بھیجتے تھے ایک سال آم پیدا نہ ہوئے بھیج نہ سکے تو عذر کیا۔ مرزا نے لکھا

"آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا۔ اتحاد کو دوام کیا ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ بذات خود حادث ہو۔ حضرت اب کے سال ہر جگہ آم کم ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ خشک و بے مزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو۔ نہ ہوا دت نہ برسات دریا پایاب ہو گئے۔ کنوئیں سوکھ گئے۔ اشجار میں طراوت کہاں سے ہو۔ جناب اس کا خیال نہ فرمادیں۔ اپنے کشش کو غلط نکردوں گا، برشگال آئندہ تک جیوں گا۔"

ایک مرتبہ مولوی احمد حسن قنوجی نے خط لکھا۔ مرزا ان کو بھول گئے تھے۔ سرسری ملاقات ہوئی ہوگی۔ اس کے بعد ذہن سے اُتر گئے ہوں گے۔ اس کے بعد اُن کا خط آیا۔ مرزا سوچتے ہیں اور رہ جاتے ہیں۔ کسی طرح یاد نہیں آتا کہ بھیجنے والے سے کب کی ملاقات ہے۔ آخر جواب میں یوں عذر کرتے ہیں

"یارب یہ ایک خط جو مجھکو بڑودہ گجرات سے آیا ہے۔ کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے۔ اُدھر سے اظہار آشنائی ہے میری طرف سے یہ بے حیائی ہے کہ مجھکو اپنی اور ان کی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانۂ نسیاں خراب عشرۂ قتالہ کے مرحلہ کا رہ پیما ہوں۔ اگر جیوں گا تو اس کا بھی مجھکو علم نہ ہیگا کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں۔ خدایا کیا اس عمر میں سب ایسے ہی خرف ہو جاتے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں۔ مولوی لکھوں۔ خان لکھوں۔ خط میں تو کچھ لکھدوں گا۔ خط کا کیا عنوان لکھوں۔ بندہ پرور فقیر معاف رہے۔ حضرت کا دل غبار کدورت سے صاف رہے۔"

سید احمد حسین مودودی کے شکایتی خط آئے اور انہوں نے لکھا کہ خط پر خط بھیج رہا ہوں جواب نہیں ملتا۔ مرزا صاحب نے جواب میں لکھا۔

"پیر و مرشد تین برس عوارض احتراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی آپ کے خطوط آئے ہوں گے۔ کوئی خط پڑھ لیا ہوگا۔ کوئی عنوان ناکشادہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفٰے خاں کا آنا مجھ کو یاد ہے یقین کرتا ہوں کہ انہوں نے از روئے مشاہدہ میری خستگی تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا۔ اب میں اپنی زبان سے یہ کیونکر کہوں کہ اچھا ہوں۔ مگر بیمار اور عوارض میں گرفتار نہیں ہوں۔ بوڑھا بہرا۔ اپاہج۔ بدحواس۔ ناتوان۔ فلک زدہ آدمی ہوں عہد کرتا ہوں کہ جب آپ کا خط آئے گا اوس کا جواب لکھوں گا۔ جب غزل آئے گی اوس کو دیکھ کر بھیجوں گا۔ مگر حضرت کے مسکن کا پتہ بھول گیا ہوں۔"

تمام باتیں لکھکر آخر میں یہ کہنا کہ آپ کے مسکن کا پتہ بھول گیا۔ ایک عجیب پُر لطف بات ہے۔

ایک مرتبہ اور انھوں نے غزلوں کی اصلاح کی دیر کی شکایت کی مرزا صاحب نے عجیب لطف سے جواب دیا۔ فرماتے ہیں

"پیر و مرشد آپ کو میرے حال کی خبر بھی ہے۔ ضعف نہایت کو پہونچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا فتور پڑا۔ حواس مختل ہو گئے۔ جہاں تک ہو سکا احباب کی خدمت بجالایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا۔ اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے۔ نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو سبب کبر سن کے خدا نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی میں متوقع ہوں کہ میرے احباب و دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھدیا کروں گا۔"

اور ایک جگہ اسی بارہ میں انہیں کو لکھتے ہیں

"حضرت یہ آپ کے جد امجد کا غلام تو مر لیا۔ کثرت احکام۔ تواتر ورود اشعار۔ پھر یہ ہنجار۔ کہ سو روپیہ کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔

غزلیں آپ کی برستی ہیں۔ کہاں تک دیکھوں آپ کی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی پھر رنجور دائمی۔ غذا ایک علم معقود۔ آٹھ پہر میں ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں۔ نہ روٹی۔ نہ بوٹی۔ نہ پلاؤ نہ خشکا۔ آنکھ کی بینائی میں فرق۔ ہات کی گیرائی میں فرق۔ رعشہ مستولی، حافظہ معدوم جہاں جو کا غذ رہا۔ وہیں رہا۔ میر عالم علی کی دو غزلیں آئی ہوئی کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔"

بیرنگ خط بھیجنے کا مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب سے یہ عذر فرماتے ہیں

"آج میرے پاس ٹکٹ ہے نہ دام۔ معاف رکھنا زیادہ والسلام"

منشی شیو نرائن صاحب کی فرمایش تھی کہ آپ اردو میں کوئی عمدہ قصہ لکھئے۔ بار بار مرزا صاحب کو مجبور کرتے تھے۔ تنگ آگئے تو ایک مرتبہ یہ لکھ کر عذر کیا۔

"میاں اُردو کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہے ... خیر ہوئی۔ اب میں کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈتا پھروں۔ کتاب نام کو میرے پاس نہیں۔ پنشن مل جائے حواس ٹھکانے ہو جائیں تو کچھ فکر کروں پیٹ پڑیں روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں زیادہ زیادہ۔"

نواب امین الدین احمد خاں والی لوہارو کے صاحبزادہ مرزا علاء الدین احمد خاں مرزا کے بڑے پیارے عزیز اور شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے مرزا صاحب سے وعدہ لے لیا کہ علاء الدین احمد خاں کو دہلی بھیجئے۔ وہ بھول گئے اور یا کچھ اور ایسے ہی امور مانع ہوئے مرزا صاحب نے ان الفاظ میں یاد دلایا جس میں علائی کے عذر کو ایک دلکش انداز سے یوں بیان فرمایا

"لو صاحب وعدہ کب وفا کرو گے۔ علائی کو کب بھیجو گے۔ ابھی تو شب کے چلنے اور دن کے آرام کرنے کے دن ہیں بارش شروع ہو جائے گی تو آپ کی اجازت بھی کام نہ آئے گی۔ چلنے والا کہے گا میں رہرو چالاک ہوں پیراک نہیں۔ لوہارو سے دلی تک کشتی بغیر کیونکر جاؤں ؎ اے ز فرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش"

نواب علاء الدین احمد خاں نے اپنے بچے کی تاریخ لکھنے کی فرمایش کی تو مرزا صاحب نے عذر کر کے ٹال دیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ تاریخ سے ہمیشہ گھبراتے اور دور بھاگتے تھے۔ اور تاریخ گوئی کو دون مرتبت شعر و شاعری سمجھتے تھے۔ اسی واسطے نہایت دلچسپ معذرت کی ہے۔ کہتے ہیں

"شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے۔ طریق صید افگنی سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں۔ آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سخنور ہو گئے۔ حسن طبع خداداد رکھتے ہو۔ ولادت فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو۔ نام تاریخی کیوں نہ نکال لو۔ کہ مجھ پیر غمزدہ دل مردہ کو تکلیف دو۔ علاء الدین تیری جان کی قسم۔ میں نے پہلے لڑکے کا اسم تاریخی نظم کر دیا تھا۔ وہ لڑکا نہ جیا۔ مجھکو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی ایک ایک قصیدہ میں چل دیئے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے۔ پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدہ کہے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ نا صاحب دہائی خدا کی۔ میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا۔ نہ نام تاریخی ڈھونڈوں گا۔"

ایک جگہ علائی کو لکھتے ہیں

"علی حسین خاں آئے دو تین بار مجھ سے مل گئے۔ اب نہ وہ آسکتے ہیں اور نہ میں جا سکتا ہوں۔ وہ لنگڑے میں لولا۔"

ایک مرتبہ علاء الدین احمد خاں نے کوئی کتاب مانگی۔ مرزا نے جواب میں یہ عذر کیا۔

"سبحان اللہ ہزار برس تک نہ پیام بھیجنا۔ نہ خط لکھنا اور پھر لکھنا تو سراسر غلط لکھنا۔ ہم سے کتاب مستعار مانگتے ہو یاد کرو کہ تم کو لکھ چکا ہوں کہ دساتیر اور برہان قاطع کے سوا کوئی کتاب میرے پاس نہیں۔ از انجملہ برہان قاطع تمکو

دے چکا ہوں۔ دستا تیر میرا ایمان و حرزِ جان ہے۔ اشعار تازہ مانگتے ہو کہاں سے لاؤں۔ عاشقانہ اشعار سے مجھکو وہ بُعد ہے جو ایمان سے کفر کو۔ گورنمنٹ کا بھاٹ تھا مدحتی کرتا تھا۔ خلعت پاتا تھا۔ خلعت موقوف مدحتی متروک۔ نہ غزل نہ مدح۔ ہزل و ہجو میرا آئین نہیں پھر کہو کیا لکھوں۔ بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتانے کو رہ گیا ہوں۔"

انھیں کو کسی اور بات پر لکھتے ہیں۔ عُذر کے ساتھ کچھ خفیف سی برہمی بھی شامل ہے۔

"میاں میں تمھارے باپ کا تابع تمھارا مطیع فرخ مرزا کا فرماں بردار مگر ابھی اٹھا ہوں۔ اپنے کو بھی نہیں سمجھا کہ میں کون ہوں۔"

میکش کو بیمار پرسی کے لیئے نہ آسکنے کا عذر لکھتے ہیں

"میاں عجیب اتفاق ہے۔ نہ میں تمھارے دیکھنے کو آسکتا ہوں نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو۔ وہ قدم رنجہ کہاں سے کرو سراپا رنجہ ہو۔ لاحول ولاقوۃ۔"

ایک خط میں چودہری عبد الغفور صاحب سرور کو لکھتے ہیں

"جب آپ لالہ قتیل کے گڑھے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو مجکو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں۔"

مہر نیم روز کا ایک نسخہ چودہری عبد الغفور سرور کو بھیجتے ہیں۔ مگر چونکہ اون کو دینا منظور نہیں ہے۔ لہذا اس طرح عذر فرماتے ہیں۔

"ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ مگر یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب عالم کی اور چونکہ وہ آپ سے بزرگ ہیں۔ جرأت نہ کر سکا کہ آپ کی نذر کروں اور سیر میں اون کو مشترک لکھوں نذر اُن کی ہے اور فیض یابی آپ کے مطالعہ سے۔"

بڑھاپے کا اقتضا ہے کہ وہ رنگین مزاجوں کے مزاج میں بھی غصہ پیدا کر دیتا ہے۔ بڑے مرد ہیں وہ لوگ جو ان اثرات سے متاثر نہیں ہوتے۔ مرزا بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں۔ حلیم المزاج متحمل دور اندیش ہیں مگر بیماریوں کی کثرت۔ اور آلام و افکار کے ہجوم نے انھیں چڑچڑا بنا دیا ہے۔ گو وہ تند مزاج نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی کہیں جھلا اُٹھتے ہیں۔ مگر اس جھلاہٹ کا اثر دل پر نہیں ہوتا۔ جو بات لب تک آئی ہے وہ لب تک ہی رہتی ہے۔ دل پر اثر تو کیسا۔ دل کے قریب بھی نہیں پہونچتی۔ مگر اون کے اعجاز کلام اور تاثیر بیان کو دیکھئے کہ غصہ کی آتش فشانی میں بھی اون کے منھ سے ظرافت کے رنگین و خوشنما پھول جھڑتے جاتے ہیں، اور حقیقتاً یہی وہ کمال ہے جو سوائے بڑے بڑے معدودے چند باکمالوں کے اور کہیں نہیں پایا جاتا منشی ہر گوپال تفتہ کو لکھتے ہیں۔ اور اس بارہ میں تاکید کرتے ہیں کہ میرا عرف مرزا نوشہ کتاب پر نہ لکھا جائے۔

"صاحب مطبع نے خط کے لفافہ پر لکھا ہے - مرزا نوشہ صاحب غالب - للہ غور کرو یہ کتنا بے جوڑ جملہ ہے - ڈرتا ہوں کہ کہیں صفحہ اول کتاب پر بھی نہ لکھ دیں - آیا فارسی کا دیوان یا اُردو یا پنج آہنگ یا مہر نیمروز چھاپے کی یہ کوئی کتاب اوس شہر میں نہیں پہونچی جو وہ میرا نام لکھدیتے تم نے بھی اون کو میرا نام نہیں بتایا - صرف اپنی نفرت عرف سے وجہ اس واویلا کی نہیں ہے - بلکہ سبب یہ ہے کہ دلّی کے حاکم کو تو عرف معلوم ہے مگر کلکتہ سے ولایت تک یعنی وزرا کے محکمہ میں اور ملکہ عالیہ کے حضور میں کوئی اس نالائق عرف کو نہیں جانتا پس اگر صاحب مطبع نے مرزا نوشہ صاحب غالب لکھدیا تو میں غارت ہو گیا کھو یا گیا - میری محنت رائگاں گئی گویا کتاب کسی اور کی ہوگی -"

کسی قاضی کی طرف اشارہ کر کے نواب شہاب الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں -

"میاں قاضی تو چوتیا مسخرہ ہے - اون کا خط دیکھ لیا خیر ہاں علاء الدین خاں کا خط گھنٹہ بھر بھانڈ کے طایفہ کا تماشا ہے -"

ایک جگہ نواب شہاب الدین خاں کو لکھتے ہیں اور غصہ کو نرمی اور رنج کے ساتھ ملا کر کہتے ہیں

"رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے ثاقب حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے
حاجی کلو کو دیکے بیوجہ جواب غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے"

غدر کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ یوسف مرزا کو لکھتے ہیں - اور انتہائی رنج کے غصہ کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں

"ارتضے خاں ابن مرتضے خاں کی پوری دو سو روپیہ کی پنشن کی منظوری کی رپورٹ گئی اور ان کی دو بہنیں سو سو روپیہ مہینہ پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تمھارے بھائی مجرم تھے تمھاری پنشن ضبط - بطریق ترحم دس دس روپیہ مہینہ تم کو ملے گا - ترحم یہ ہے تو تغافل کیا قہر ہوگا میں خود موجود ہوں - اور حکام صدر کا رو شلس بشم نہیں اکھیڑ سکتا -"

نواب علاء الدین خاں کو ایک جگہ لکھتے ہیں اور نہایت خفگی کے عالم میں لکھتے ہیں مگر غصہ میں ایک تمثیلیہ جملہ مذاق کا شامل کر کے اس کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں

"سنو صاحب حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے کہ وہ امرد کو دو چار برس گھٹا کر دیکھتے ہیں - جانتے ہیں کہ جوان ہے - لیکن بچہ سمجھتے ہیں - یہ حال تمھاری قوم کا ہے - قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اوس کی عزت اور نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت و متحقق ہے - اور تم صاحب بھی جانتے ہو - مگر جب تک اوس سے قطع نظر نہ کرو - اور اس مسخرے کو گمنام و ذلیل نہ سمجھ لو - تم کو چین نہ آئے گا - پچاس برس سے دلّی میں رہتا ہوں ہزارہا خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں - بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ نہیں لکھتے - بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلۂ سابق کا

نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط فارسی و انگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے صرف شہر کا نام اور میرا نام - یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور اُن خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتا۔ اگر میں تمھارے نزدیک امیر نہ سہی اہل حرفہ سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتہ نہ پائے آپ صرف دہلی لکھ کر میرا نام لکھدیا کیجئے خط کے پہونچنے کا میں ضامن "

ایک مرتبہ مرزا نے کوئی اصلاح دی جس کے خلاف صاحب عالم نے عبد الواسع ہانسوی کے رسالہ اور غیاث کے حوالے سے استناد کیا۔ مرزا نے جواب میں لکھا

" نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی میری تحریر کو مانو مگر اس کھتری بچہ سے اور اس معلم سے مجھکو کمتر نہ جانو عربی کا حرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے - سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے - عقل کو کام فرماؤ - غور کرو - اور سمجھو عبدالواسع پیغمبر نہ تھا - قتیل برہمانہ تھا - واقف غوث الاعظم نہ تھا - میں یزید نہیں ہوں - شمر نہیں ہوں - مانتے ہو مانو - نہ مانو - تم جانو "

اسی طرح نواب ضیاء الدین احمد خاں سے ایک مرتبہ اپنا دیوان اس لئے مانگا کہ اہل مطابع کا تقاضہ تھا اور وہ لوگ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد مرزا صاحب کا کلام چھپ جائے۔ مرزا نے نواب ضیاء الدین خاں سے کہا۔ انھوں نے بڑی محنت سے دیوان جمع کیا تھا - اور اب وہ لخت جگر کا حکم رکھتا تھا۔ آسانی کے ساتھ اس کو جدا کرنا مشکل تھا۔ مگر مرزا صاحب کے سامنے انکار بھی آسان کام نہیں تھا۔ لہذا ٹالنا شروع کیا۔ مرزا کو غصہ آیا۔ ایک رقعہ لکھا۔

" جناب قبلہ و کعبہ آپ کو دیوان کے دینے میں تامل کیوں ہے - روز آپ کے مطالعہ میں نہیں رہتا بغیر اوس کے دیکھے آپ کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو یہ بھی نہیں - پھر آپ کیوں نہیں دیتے - ایک جلد ایک ہزار جلد بنجائے - میرا کلام شہرت پائے - میرا دل خوش ہوجائے - تمھاری تعریف کا قصیدہ اہل عالم دیکھیں - تمھارے بھائی کی تعریف کی نثر سب کی نظر سے گزرے اتنے فوائد کیا تھوڑے ہیں - رہا کتاب کے تلف ہونے کا اندیشہ یہ خفقان ہے - کتاب کیوں تلف ہوگی - احیاناً اگر ایسا ہوا اور دلی لکھنؤ کے عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی - تو میں فوراً بہ سبیل ڈاک رام پور جاؤں گا - اور نواب فخر الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لادوں گا - "

مرزا کے دیوان میں کسی نے کچھ رد و بدل کی اور وہ دیوان مرزا کی نظر سے گزرا۔ مرزا نے نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب کو لکھا۔

" بھائی شہاب الدین خاں واسطے خدا کے یہ تم نے اور حکیم غلام نجف خاں نے میرے دیوان کا کیا حال کر دیا ہے یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں خدا جانے کس ولد الزنا نے داخل کر دئے ہیں - دیوان تو چھاپے کا

ہے متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں ہیں بالفرض اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جاویں تو یوں سمجھنا کہ کسی ملعون زن جلب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھدئے ہیں خلاصہ یہ کہ جس مفسد کے یہ شعر ہیں اوس کے باپ پر اور دادا پر اور پردادا پر لعنت اور وہ ہفتاد پشت تک ولدالحرام اس کے سوا اور کیا لکھوں ایک تو لڑکے میاں غلام نجف دوسرے تم - میری کمبختی بڑہاپے میں آئی کہ میرا کلام تمھارے ہاتھ پڑا ۔"

قسم ایک طریقہ ہے حریف یا مخاطب کو یقین دلانے کا - مرزا اس میں بھی اپنے اصلی مذاق مطائبت و خوش طبعی کو شامل رکھتے ہیں - اور کبھی پروا نہیں کرتے کہ قسم کے ساتھ جب ظرافت شامل ہو جاتی ہے تو اس کا کیا اثر ہو جاتا ہے اور کس درجہ پر آجاتی ہے -

نواب علاء الدین احمد خاں نے دو تین مرتبہ کسی قصیدے اور رباعیوں کے لئے تقاضہ کیا - مرزا نے جواب دیا - کہ بسبب افکار و علایق کے کچھ کہا ہی نہیں ہے بھیجوں کیا - انھوں نے نہ مانا - اور پھر لکھا - مرزا کو غصہ آگیا - جواب میں برس پڑے - اور ایسے برسے کہ توبہ ہی توبہ ہے - ایک جگہ اسی جوش و خروش کے عالم میں قسم بھی کھا بیٹھے - لکھتے ہیں -

" بدست مرگ ولے بد تر از گمان تو نیست - مکرر لکھ چکا ہوں کہ قصیدہ کا مسودہ میں نے نہیں رکھا - مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کونسی رباعیاں مانگتے ہو پھر لکھتے ہو رباعیاں بھیج قصیدہ بھیج - معنی اسکے یہ ہیں کہ تو جھوٹا ہے اب کے تو مقرر بھیجے گا - بھائی قرآن کی قسم - انجیل کی قسم - توریت کی قسم - زبور کی قسم ہنود کے چار بید کی قسم - دساتیر کی قسم - ژند کی قسم - پاژند کی قسم - استا کی قسم - گرد گرنتھ کی قسم - نہ میرے پاس وہ قصیدہ ہے نہ مجھے وہ رباعیاں یاد "

قیاس کہیں صحیح ہوتا ہے اور کہیں غلط - یہ تعریف منطقیوں کے نقطۂ نظر سے صحیح ہو تو ہو - مرزا کو اپنے قیاس سے بھی صرف مطائبۃ اور ظرافت کا کام لینا مقصود ہوتا ہے -

ایک مرتبہ منشی شیو نرائن نے اپنے مزاج کی ناسازی کا حال لکھتے ہوئے قے اور دستوں کے آنے کا حال بیان کیا - مرزا نے خط کے جواب میں لکھا -

" قے کا ہونا اور دستوں کا آنا یہ چاہتا ہے کہ تم نے رات کو بری قسم کی شراب مقدار میں زیادہ پی ہوگی - کچھ تبرید کرو اور شراب زیادہ نہ پیا کرو "

ایک مرتبہ چودھری عبدالغفور سرور نے عرفی کا ایک شعر لکھا جس کا پہلا مصرع یہ ہے - ع

من آں دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت

اور غالباً یہ شعر بطور استناد پیش کیا تھا۔ دیکھتے ہی مرزا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ غصہ میں جواب لکھا۔

"ہیہات یہ کاتب اساتذہ کے کلام کو کیا بگاڑ دیتے ہیں گویا مسخ کر دیتے ہیں۔ ان سے بعید نہیں۔ لیکن تم سے اور حضرت صاحب سے بعید ہے۔ کہ سہو کاتب کا نہ سمجھ لیا" من آں دریاے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت" دو کافوں کا علی التواتر آنا۔ دوسری بات ہے۔ دریاے آشوب کیا ٹکسال باہر لفظ ہے استعارہ بالکنایہ صحیح مگر یہ محل نہیں ہے۔ یہاں تو دریا چاہئے بے شائبہ استعارہ و کنایہ۔ عیاذاً باللہ۔ عرفی اگر ایک بڑا قدح بنگ کا یا ایک بوتل شراب کی پیے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا۔ اس غریب کا مصرع یوں ہے۔ من آں دریا یہ آشوبم کہ الخ"

اگرچہ مرزا کی عبارت اور ان کی تمامتر گفتگو لطیفہ ہوتی ہے۔ اور ان کے حرف حرف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لطیفہ قدرت ہیں۔ مگر کہیں کہیں تفنن عبارت کے طور پر وہ متقدمین کے لطایف بھی بیان کرتے اور اپنی ظرافت کی شراب کو دو آتشہ بنا دیتے ہیں اور کہیں کہیں اپنے ہی واقعات کو لطایف کی صورت میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ مرزا پر ایام غدر میں یہ جرم بھی لگایا گیا تھا کہ انہوں نے بادشاہ دہلی کا سکہ کہا۔ اور مرزا یہ کہتے تھے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ وہ سکہ ذوق مرحوم نے کہا تھا۔ اور اردو اخبار میں چھپا تھا اسی بنا پر وہ اردو اخبار جس میں یہ سکہ نکلا تھا تلاش کر رہے تھے۔ مگر نہ ملتا تھا۔ چودھری عبدالغفور سے پوچھا کہ تمھارے پاس اوس اخبار کا فائل تو نہیں ہے اونھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ مرزا نے انھیں کو ایک خط میں اسی زمانہ میں لکھا۔

"ہر چند قلم و ہند میں دلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈھا کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ دھبہ مجھ پر رہا۔ پنشن بھی گئی۔ اور وہ ریاست کا نام و نشان خلعت و دربار بھی مٹا۔ خیر جو کچھ ہوا چونکہ موافق رضاے الٰہی کے ہے اس کا گلہ کیا۔ چون جنبش سپہر بفرمان داور است۔ بیداد نبود انچہ بما آسماں دہد۔ یہ تحریر بطریق حکایت ہے نہ بسبیل شکایت۔ از ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ پرسش رفت کہ چہ حال داری۔ فرمود کدام حال خواہد بود کسی را کہ خدا از وے فرض طلبد۔ و پیمبر سنت۔ و زن نان خواہد و ملک الموت جان"

عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں

"بھائی ہوش میں آؤ میں نے تم کو کب خط بھیجا اور رقعہ میں کب لکھا کہ میں شیر زماں کا خط تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے تو ایک لطیفہ لکھا تھا کہ شیر زماں خاں نے میرے خط میں تم کو بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اس رقعہ میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ بس بات اتنی ہی تھی وہی بندگی لکھی ہوئی گویا لپٹی ہوئی تھی۔ سو حضرت کو پہونچ گئی۔ خاطر عاطر جمع رہے"

نواب میر ابراہیم علی خاں وفا کو ایک لطیف واقعہ لکھتے ہیں۔

"دو تین دن ہوئے کہ قبلہ وکعبہ میر عالم علی خاں کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں پہنچیں۔ مزا یہ ہے کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا۔ کہ آزردہ کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے۔ اور کہاں کا ہے۔ شاید اس بندۂ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہوں گی"

انوار الدولہ شفق کو ایک واقعہ سناتے ہیں۔ اور اس کو ایک لطیفہ کرکے بیان کرتے ہیں۔

"ایک لطیفہ نشاط انگیز سنئے۔ ڈاک کا ہرکارہ جو بلی ماروں کے خطوط پہنچاتا ہے۔ ان دنوں ایک بنیا پڑھا لکھا حرف شناس کوئی فلاں ناتھ ڈھمک داس ہے۔ میں بالاخانہ پر رہتا ہوں۔ حویلی میں آکر اس نے داروغہ کو خط دیا۔ اور اس نے دیکر مجھ سے کہا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مبارک ہو آپ کو۔ جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا۔ اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا حیران کہ یہ کیا کہتا ہے۔ سرنامہ کو غور سے دیکھا۔ کہیں قبل از اسم مخدوم نیاز کیشاں لکھا تھا۔ اوس فرم ساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کرکے کیشاں کو کپتان پڑھا"

نواب علاء الدین خاں کو لکھتے ہیں اور غدر کا ایک واقعہ سناتے ہیں

"ایک لطیفہ پرسوں کا سنو۔ حافظ ممو بیگناہ ثابت ہو چکے۔ رہائی پا چکے۔ حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں املاک اپنی مانگتے ہیں۔ قبض وتصرف ان کا ثابت ہو چکا ہے۔ صرف حکم کی دیر۔ پرسوں وہ حاضر ہوئے۔ مثل پیش ہوئی۔ حاکم نے پوچھا حافظ محمد بخش کون۔ عرض کیا کہ میں۔ پھر پوچھا کہ حافظ ممو کون عرض کیا کہ میں۔ اصل نام میرا محمد بخش ہے۔ ممو ممو مشہور ہوں۔ فرمایا یہ کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش بھی تم۔ حافظ ممو بھی تم۔ سارا جہان بھی تم جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی تم۔ ہم مکان کسے دیں مثل داخل دفتر ہوئی۔ میاں ممو اپنے گھر چلے آئے"

مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب صحت یاب ہوئے تو نواب علاء الدین خاں کو لکھا

"میرا شہاب الدین خاں بچ گیا۔ امراض مختلفہ میں گھر گیا تھا۔ بواسیر خونی۔ زحیر۔ تپ۔ صداع بارے اب من کل الوجوہ صحت حاصل ہے۔ ضعف جاتے ہی جاتے جائیگا۔ آگے کون سے قوی تھے کہ اب اُن کو ضعف کہا جائے"

"ایک بڈھا کسی گلی میں جاتے جاتے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ کہنے لگا ہائے بڑھاپا۔ ادھر ادھر دیکھا جب جانا کوئی نہیں ہے۔ کہتا ہوا بڑھا کر جوانی میں کیا پتھر پڑتے تھے۔"

انھیں کو ایک خط میں فارسی کے ایک محاورہ کے متعلق لطیفہ سناتے ہیں

"نشستن استعارہ ہے ریدن کا چنانچہ ایک تذکرہ میں مرقوم ہے کہ اصفہان میں ایک امیر نے شعراء کی

دعوت اپنے باغ میں کی۔ مرزا صائب اور اس عصر کے کئی شعرا جمع ہوئے۔ ایک شاعر کے تذکرہ میں اُس کا نام مندرج ہے۔ اور میں بھول گیا ہوں۔ اکول تھا۔ مگر معدہ اس کا ضعیف تھا۔ حرص و شرہ کے سبب سے بہت کھا جاتا تھا ہضم نہ کرسکتا تھا۔ کھانا کھا کر شراب پی پی کر دروازہ باغ کا مقفل کر کے سب سو رہے۔ اس مرد اکول نے رات بھر میں سارا باغ ہگ بھرا۔ نہ ایک جگہ بلکہ کبھی اس کیاری میں کبھی اُس روش پر کبھی اس درخت کے تلے کبھی اس دیوار کی جڑ میں قصہ مختصر غائت شرم و حیا سے دو چار گھڑی رات رہے دیوار سے کود کر چلا گیا۔ صبح کو جب سب جاگے اُس کو ادھر اُدھر ڈھونڈا کہیں نہ پایا۔ مگر حضرت کا فضلہ کئی جگہ نظر آیا۔ مرزا صائب نے ہنس کر فرمایا۔ ایں شمارا چہ افتادہ است کہ میگوئید فلانے درباغ نیست مے بینم کہ مخدوم ہم دریں باغ چند جا نشستہ است ''

چودھری عبدالغفور کو لکھتے ہیں۔

'' جلالائے طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے شیدائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا۔ عبارت اس وقت یاد نہیں آتی مگر یہ مضمون اوس کا ہے کہ ایک دن مولانا عرفی علیہ الرحمۃ اور ابو الفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بہ سرحد افراط پہونچا دیا۔ اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا کہ اس کو کیا کرو گے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر کے بڈھوں اور بڑھیوں سے جو بات سنی فارسی میں سُنی۔ شیخ گفت ما فارسی از انوری و خاقانی فرا گرفتہ ایم۔ شما از پیرزالاں آموختہ آید۔ عرفی فرمود انوری و خاقانی از پیرزالاں آموختہ باشند ''

خواجہ غلام غوث بیخبر کو ایک لطیفہ سناتے ہیں۔

'' حضرت وہ شعر بنگالی زبان کا او ۱۸۲۹ء میں ضیافت طبع احباب کے واسطے کلکتہ سے ارمغاں لایا ہوں۔ صحیح یوں ہے ؎

تم کہے تھے رات میں آئیں گے سو آئے نہیں قبلہ بندہ رات بھر اس غم سے کچھ کھائی نہیں

مرزا اپنے خلوص و محبت کے جوش میں کہیں کہیں اپنے احباب کی مدح بھی کرتے ہیں۔ مگر اس میں مبالغہ بالکل نہیں ہوتا انھیں مدح سے اپنے ممدوح کو وہ حقیقی مسرت پہونچانی مقصود ہوتی ہے جس سے دل کو خوشی اور روح کو بالیدگی نصیب ہو۔ وہ کسی ممدوح کے شرمندۂ احسان ہو کر اس کی مدح نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں حقیقتاً وہی انکی بے لاگ رائے ہوتی ہے۔

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں۔

'' صاحب تم تو اچھے خاصے عارف ہو اور تمھارا کشف سچا ہے۔ میں راہ دیکھ رہا تھا کہ تمھارا خط آئے تو جواب لکھوں۔ تمھارا خط کل شام کو آیا آج جواب لکھا گیا ''

دیکھئے مدح ہے۔ مگر اس طرح کی مدح کہ مدح کا شائبہ بھی نہیں بات یہ ہو گی کہ تفتہ کے خط میں لکھا ہو گا۔ کہ آپ میرے عریضہ کے منتظر ہوں گے۔ جس کا جواب مرزا صاحب نے یہ دیا۔

مرزا تفتہ کو نواب یوسف علی خاں کی مدح میں چند کلمات لکھتے ہیں۔ اور کیا خوب لکھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتاً نواب موصوف مرزا کی ممدوح اور محسن تھے۔ مگر اُن کا انداز خاص کہاں جائے۔ لکھتے ہیں۔

"نواب صاحب از روئے صورت روح مجسم اور بہ اعتبار اخلاق آیۂ رحمت ہیں۔ خزانۂ فیض کے تحویلدار ہیں۔ جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے اُس کے بٹنے میں دیر نہیں لگتی"

چودہری عبد الغفور سرور ایام غدر میں دہلی آرہے تھے۔ چونکہ نہایت ہی آشوب ناک زمانہ تھا۔ اس لئے اُن کے چچا نے اُن کو دلی جانے سے روکا۔ انھوں نے یہ حال مرزا صاحب کو تحریر کیا۔ مرزا نے جواب میں اُن کے چچا کی تعریف کی۔ اور اُن کی ذہانت کی ان الفاظ میں داد دی۔

"آپ کے خواب کا ماجرا۔ اور صبح کو ادہر کا قصد۔ اور پھر اپنے چچا صاحب کے کہنے سے نظر تا بلستان پر اس عزم کا ملتوی رکھنا۔ معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب نے کرامت کی جو آپ کو منع کیا۔ سواری پر اگر آپ اس شہر میں میرے مکان تک آجاتے تو ممکن تھا مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرور رکھتا ہے۔ اگر خبر نہو تو نہو اور اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے۔ زنہار کبھی یہ گمان نہ کیجئے گا"

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں۔

"صاحب دو خط تمھارے بہ سبیل ڈاک آئے۔ کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی سانولے سلونے داڑہی منڈے بڑی بڑی آنکھوں والے تشریف لائے تمھارا خط دیا"

بات یہ تھی کہ مجروح مرزا کے بے تکلف منھ لگے گستاخ شاگرد تھے اس قسم کا مذاق اُن سے ہوتا تھا۔ میرن صاحب پر ڈھال ڈھال کر ایسے فقرے اکثر اُن کو سنایا کرتے تھے انھیں کے ہنسانے کے لئے نامہ بر کا حلیہ درج کر دیا۔ اور ضمناً اس مدح سے مجروح کو بھی خوش کر دیا۔ اسی طرح مرزا حاتم علی مہر نے مرزا صاحب کی فرمائش کی بموجب بعض طلائی کام جلدیں تیار کرائیں تو مرزا نے شکریہ میں یہ مدحیہ فقرے لکھے۔

"بھائی صاحب آپ کے خامۂ مشکبار کی صریر نے کتابوں کی لوح طلائی کا آوازہ یہاں تک پہونچایا بلکہ مجکو ان کی لوحوں کا خط طلائی مانند شعاع آفتاب نظر آیا۔ کیا پوچھنا ہے اور کیا کہنا ہے۔ مجکو تو بموجب اس مصرع کے خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست۔ دل میں خوش ہو کر چپ رہنا ہے۔ حضرت مدح کو ایک موقع ضرور ہے مجھ کو آپ کے حکم کا بجالانا منظور ہے۔ اس نذر کے پہنچنے کے بعد جب کوئی ان کا عنایت نامہ آئیگا۔ تو بندۂ درگاہ مدح گستری کا جوہر دکھائے گا اوس نظم میں آپ کا ذکر خیر بھی آجائے گا"

بجائے اس کے کہ مدح کرتے مدح کا وعدہ کرکے اک قسم کی مدح کردی۔ اور پھر کچھ نہیں۔ خواجہ غلام غوث بیخبر کو لکھتے ہیں۔

"پیرو مرشد یہ خط ہے یا کرامت ہے صاف صفائی ضمیر وکشف حجت کی علامت ہے۔ مدعائے ضروری التحریر اور نشان مسکن دامنگیر اگر یہ خط کل نہ آجاتا تو آج خط کیونکر لکھا جاتا۔ سبحان اللہ یہاں جس دن مجھ کو وہ مطلب خطیر در پیش آیا ہے اُسی دن آپ نے وہاں خط لکھنے کو قلم اٹھایا ہے۔ آپ کو عارف کامل کیونکر نہ کہوں اور کیا کہوں ولی اگر نہ کہوں مدعا بیان کرتا ہوں مگر یہ گمان کرتا ہوں کہ یہ خط نہ پہنچنے پائیگا کہ وہ راز سربستہ آپ پر کھل جائے گا"

ایک روز منشی نول کشور صاحب مرزا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نواب نے شہاب الدین خاں کو مخاطب کرکے۔ منشی جی کی ان الفاظ میں تعریف کی

"اگر میں دنیا دار ہوتا تو اس کو نوکری کہتا۔ مگر چونکہ فقیر تکیہ دار ہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ تین جگہ کا وظیفہ دار ہوں ساڑھے باسٹھ روپیہ یعنے للعہ سال سرکار انگریزی سے پاتا ہوں اور بارہ سو سال رامپور سے اور چوبیس روپیہ سال ان مہاراج سے۔ توضیح یہ کہ دو برس سے ہر مہینہ میں چار بار اخبار مجھ کو بھیجتے ہیں قیمت نہیں لیتے۔ ہاں اڑتالیس ٹکٹ میں مطبع میں بھجوا دیا کرتا ہوں"

ملا نورالدین ظہوری کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مشتری اور عطارد نے مل کر ایک صورت پکڑی تھی اُس کا اسم نورالدین اور تخلص ظہوری تھا"

منشی ممتاز علی خاں کو لکھتے ہیں اور چودھری عبدالغفور کو مخاطب کرتے ہیں

"اہا ہا جناب منشی ممتاز علی خانصاحب مارہرہ پہونچے صاحب یہ تو سیاح گیتی نورد ثانی مخدوم جہانیاں جہانگرد ہیں"

لوگوں نے شعر میں محاکات پر ناز کیا ہے اور حقیقتاً شعر میں اگر مکمل طریقہ سے محاکات ہو تو اس کو بہترین شعر کہیں گے۔ مگر مرزا نے اسی فن میں نثر میں وہ وہ کمال دکھایا ہے کہ دیکھ کر بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے میر مہدی مجروح کو خط لکھ رہے ہیں اور اپنی تصویر کھینچ کر دکھاتے ہیں۔

"میری جان یہاں بھی وہی نقشہ ہے۔ کوٹھری میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آرہی ہے پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے۔ حقہ پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا باتیں کرلیں"

میر مہدی ایام غدر میں وطن مالوف کو چھوڑ چھاڑ کر پانی پت انصاریوں کے محلے میں جا رہے تھے۔ مگر محبت وطن دل سے جائے کہاں۔ آتے جاتے سے احباب سے دوستوں سے اپنوں سے بیگانوں سے ہر وقت پوچھتے رہتے۔ کیوں بھئی کہو

اب دلی کا کیا حال ہے مرزا کو بھی جب خط لکھتے اکثر باتوں باتوں میں اُس اُجڑے دیار کی کیفیت پوچھ ضرور لیتے تھے۔ مرزا بھی جواب دیتے رہتے۔ ایک مرتبہ لکھتے ہیں اور اُجڑی ہوئی دلی کے پھر بسنے کی یوں تصویر کھینچتے ہیں۔

”جویائے حال دہلی سلام لو۔ مسجد جامع واگزاشت ہو گئی۔ چتلی قبر کی طرف کی سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنالیں انڈا مرغی کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھہرے۔ مرزا الٰہی بخش مولوی صدر الدین مفضل حسین خاں تین یہ سات اور، ۲۷ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جاڑا پڑ رہا ہے۔ ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے۔ کل سے رات کوزی انگیٹھی پر گزارا ہے۔ بوتل گلاس موقوف۔

دہوپ میں بیٹھا ہوں یوسف علی خاں اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں۔ کھانا تیار ہے خط لکھ کر بند کر کے آدمی کو دوں گا۔ اور میں گھر جاؤں گا۔ وہاں ایک دالان میں دہوپ ہوتی ہے اوس میں بیٹھوں گا۔ ہاتھ منھ دہوؤں گا ایک روٹی کا چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا۔ بیسن سے ہاتھ دہوؤں گا۔ باہر آؤں گا۔ پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئے گا کیا صحبت ہو گی“

میر مہدی نے شاید محرم میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر آشوبناک زمانہ تھا۔ کچھ طبیعت بھی لاابالی سی تھی آنہ سکے۔ مرزا نے پہلے انتظار کیا انتظار سے کام نہ چلا تو خط میں شکایت لکھی۔

”محرم تمام ہوا آج سہ شنبہ غرہ صفر ہے۔ حضرت کا پتا نہیں۔ ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آگیا۔ سو پہلے تو مجملاً سنو ایک آشوب غدر کالوں کا ایک ہنگامہ گوروں کا ایک فتنہ انہدام مکانات کی ایک آفت وبا کی ایک مصیبت کال کی۔ اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے آفتاب اس طرح نظر آجاتا ہے جیسے بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو اگر کبھی کبھی تارے دکھائی دیتے ہیں لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ اندہیری راتوں میں چوروں کی بن آئی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر کی چوری کا حال نہ سنا جائے۔ مبالغہ نہ سمجھنا ہزارہا مکانات گر گئے سیکڑوں آدمی جا بجا دب کر مر گئے۔ گلی گلی ندی بہ رہی ہے۔ قصہ مختصر وہ اَن کال تھا کہ منھ نہ برسا اناج نہ پیدا ہوا۔ یہ پن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے“

برسات کا حال دوبارہ میر مہدی کو لکھتے ہیں۔

” برسات کا حال نہ پوچھو۔ خدا کا قہر ہے۔ قاسم جان کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے جس مکان میں رہتا ہوں۔ عالم بیگ خاں کے کٹرہ کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے۔ جو دروازہ تھا گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے چھتیں چھلنی ....

ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے۔ کتابیں قلمدان سب توشے خانے میں فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا۔ کہیں چلمچی دھری ہوئی۔ خط کہاں بیٹھ کر لکھوں۔"

حکیم غلام نجف خاں کو سردی کا حال لکھتے ہیں۔ اور کچھ حال بیان فرماتے ہیں

"جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ تونگر غرور سے مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے۔ آبکاری کے بندوبست جدید نے مار ا عرق نہ کھنچنے کی قید شدید نے مارا۔ ادھر انسداد دروازۂ آبکاری ہے اُدھر ولایتی عرق کی قیمت بھاری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

مرزا حاتم علی مہر کو مخاطب کر کے ان کے نقشے کے ساتھ اپنی تصویر کھینچتے ہیں اور دو مردانہ حسن ایک صفحۂ کاغذ پر اس طرح دکھا دیتے ہیں

"بھائی تمھاری طرحداری کا ذکر میں نے مغل جان سے سنا تھا جس زمانے میں کہ وہ نواب حامد علی خاں کی نوکر تھی۔ اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا۔ تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اس نے تمھاری شعر اپنی تعریف کے بھی مجھکو دکھائے۔ بہرحال تمھارا حلیہ دیکھ کر تمھارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا۔ کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔ تمھارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا۔ اور دیدہ ور لوگ اس کی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھکو اپنا وہ رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ ہاں مجھکو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آ گئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری۔ بقول شیخ علی حزیں:۔

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی۔ مگر یہ یاد رکھئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام۔ ملا، حافظ، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیارہ، جولاہہ، کنجڑا، منھ پر داڑھی سر پر بال فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اوسی دن سر منڈایا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیا بک رہا ہوں۔"

برسات کی شدت کا حال ایک دو جگہ آپ دیکھ چکے ہیں اب اُسی مصیبت کو نواب علاء الدین خاں سے یوں بیان کرتے ہیں۔

"میاں دمیں بڑی مصیبت میں ہوں۔ محلسرا کی دیواریں گر گئی ہیں پاخانہ دھ گیا۔ چھتیں ٹپک رہی ہیں تمھاری پھوپی کہتی ہیں ہائے دبی۔ ہائے مری۔ دیوان خانہ کا حال محلسرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ فقدان راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہے ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے......

اگر تم سے ہو سکے تو برسات تک بھائی سے مجھکو وہ حویلی جس میں میر حسن رہتے تھے اپنی پھوپی کے رہنے کو اور کوٹھی میں سے وہ بالاخانہ مع دالان زیریں جو الٰہی بخش خاں مرحوم کا مسکن تھا میرے رہنے کو دلوا دو۔ برسات گزر جائے گی مرمت ہو جائے گی پھر صاحب اور میم اور بابا لوگ اپنے قدیم مسکن میں آرہیں گے۔ تمھارے والد کے ایثار و عطا کے جہاں مجھ پر احسان ہیں ایک یہ مروت کا احسان بپایان عمر میں اور بھی سہی۔"

لوگ اس پھیر میں پڑے ہوئے ہیں کہ مرزا سنی تھے۔ یا شیعہ۔ ایک فریق کہتا ہے وہ یقینی اہل تسنن میں سے تھے، دوسرا کہتا ہے وہ اثنا عشری تھے کیونکہ ان کا یہ شعر صاف صاف بتاتا ہے

منصور فرقۂ علی اللہیاں منم آوازۂ انا اسد اللہ برافگنم

تیسرا گروہ تفضلیہ بنا کر ہنگامہ برپا کرتا ہے۔ مگر میں میر کا یہ شعر پڑھتا ہوں

مذہب سے میرے کیا تجھے میرا دیار اور میں اور یار اور مرا کاروبار اور

میں خیال کرتا ہوں کہ مختلف اوقات میں اون کی طبیعت میں مختلف جذبات جوش زن ہوتے ہیں اور ان میں مذہب کا خیال بھی آتا ہے۔ شیعہ سنی کے جھگڑے سے تو وہ خیال بالاتر ہوتا ہے۔ مگر حلقۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ مرزا حاتم علی مہر کو ایک تعزیت کے خط میں نصیحت کرتے اور اس کے بعد لکھتے ہیں

"میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر ملا اور ایک حور ملی۔ اقامت جاودانی ہے۔ اور اُسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ اور کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائے گی۔ طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی۔ وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ۔ چشم بدور۔ وہی ایک حور۔ بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ۔

زن نو کن اے دوست در ہر بہار کہ تقویم پارینہ ناید بہ کار"

مرزا قربان علی بیگ خاں سالک کو نصیحت کرتے ہوئے کچھ اپنا بھی حال لکھتے ہیں

"خیر و عافیت تمھاری معلوم ہوئی۔ دم غنیمت ہے۔ جان ہے تو جہان ہے کہتے ہیں کہ خدا سے ناامیدی کفر ہے۔ میں تو اپنے باب میں خدا سے ناامید ہو کر کافر مطلق ہو گیا موافق عقیدۂ اہل اسلام جب کافر ہو گیا تو مغفرت کی بھی توقع نہ رہی۔ چل بھئی نہ دنیا نہ دین۔ مگر تم حتی الوسع مسلمان بنے رہو۔ اور خدا سے ناامید نہ ہو۔ ان مع العسر یسرا کو اپنا نصب العین رکھو۔"

ایک جگہ نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں۔ اور اپنے عقاید بیان کرتے ہوئے یہ فقرے بھی لکھتے ہیں

"اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھکو دوزخ میں ڈالیں گے تو

میرا جلانا مقصود نہ ہوگا۔ بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا کہ مشرکین و منکرین نبوت مصطفوی و امامت مرتضوی اوس میں جلیں۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں۔ اور اپنی روزہ داری کا ثبوت دیتے ہیں

"دھوپ بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں۔ مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا۔ کبھی حقہ پی لیا۔ کبھی کوئی روٹی کا ٹکڑا کھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب فہم رکھتے ہیں۔ میں تو روزہ بہلاتا ہوں۔ اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے۔"

آخر عمر میں امراض و آلام کی کثرت۔ عوارض کے ہجوم نے مرزا کی زندگی کو بے لطف کر کے زندہ در گور کر دیا تھا۔ آخر میں اُن کی دلچسپی کا مشغلہ اگر کوئی تھا تو یہی تھا کہ احباب کے خطوط اطراف و جوانب سے آجائیں۔ وہ پڑے پڑے سن لیں۔ اور کوئی آجائے تو اُس کا جواب لکھوا دیں۔ مگر یہ حالت صرف چند روز رہی۔ جب تک کہ وہ بالکل مجبور نہ ہو گئے تھے اس وقت تک اس خوشگوار فرض کو وہ خود ہی انجام دیتے رہے۔ اُن کے امراض مزمن ہی بڑھتے بڑھتے امراض شدید کی صورت اختیار کر گئے پہلے یہ حالت رہی کہ دو برس کو اچھے برس دن کو صاحب فراش۔ پھر ایک طرف حالت بڑھتی رہی ایک طرف کم ہوتی رہی تا اینکہ یہ کہنے کا وقت آگیا کہ

دم واپسیں بر سر راہ ہے عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

انھیں امراض کے حالات بیماری کے واقعات کو وہ اپنے احباب سے بیان کرتے ہیں۔ مگر اُن کی وہ خونابہ افشانی دوسروں کے لئے رنگیں نوائی بن جاتی ہے۔ مرزا نے طرح طرح سے امراض و آلام کا بیان کیا ہے اپنی حالت سے احباب کو باخبر کیا ہے مگر ایک جگہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ پڑھنے والا اُسے پڑھ کر متاثر نہ ہو۔ یا ایک جگہ بھی اس کو لطف نہ آیا ہو چنانچہ نواب میر غلام بابا خاں نے کسی جشن مسرت میں بُلایا تو مرزا نے اس طرح امراض و اسقام کا بیان کر کے عذر خواہی کر لی۔ اور ... نواب صاحب کو خوش کر دیا فرماتے ہیں

"رقعہ گلگوں نے بہار کی سیر دکھائی۔ بہ سواری ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پانوں سے اپاہج کانوں سے بہرا، ضعف بصارت۔ ضعف دماغ۔ ضعف دل۔ سب ضعفوں پر ضعف طالع کیونکر قصد سفر کروں۔ جسم میں حالت جان میں جان نہیں۔ آنا میرا سورت تک کسی صورت جز امکان میں نہیں"

انھیں کو ایک جگہ مصائب امراض کا حال لکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک ادنےٰ مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۱۲ھ کی میری ولادت ہے۔ اب کے رجب کے مہینے سے ستروا ں سال

شروع ہوگا۔ ستر ابہترا۔ بہرا بوڑھا اپاہج آدمی ہوں۔"

میاں دادخاں سیاح کو لکھتے ہیں۔

" ناتوانی زور پر ہے بڑھاپے نے۔ نکما کر دیا ہے۔ ضعف سستی کاہلی گرانجانی۔ گرانی۔ رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے بڑا سفر دور دراز درپیش ہے۔"

ایسے ہی خیالات کا نظم میں بھی اعادہ کیا ہے ؎

ضعف نے غالب نکما کر دیا — ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

دوسری جگہ میاں دادخاں سیاح کو یوں لکھتے ہیں اور ضعف بینائی کو عجب لطف سے تحریر فرماتے ہیں۔

" اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار اصلاحوں کے لئے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا اپاہج پورا بہرا۔ آدھا اندھا۔ دن رات پڑا رہتا ہوں۔"

یہی حال منشی حبیب اللہ خاں ذکا کو لکھتے ہیں۔ اور اس پر دوسرے الفاظ کا رنگ دیتے ہیں۔

" میرے محب۔ میرے محبوب تم کو میری خبر بھی ہے آگے ناتوان تھا اب نیم جان ہوں آگے بہرا تھا اب اندھا ہوا چاہتا ہوں"

دوسری جگہ انھیں سے کہتے ہیں۔

" غذا بالکل مفقود۔ اور امراض مستولی۔ بہتر برس کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

مرزا تفتہ کو حال سناتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

" گمان زیست بود بر منت ز بیدردی — بد است مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

سامعہ مر گیا تھا۔ اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں سب مضمحل ہیں۔ حواس سراسر مختل حافظہ گویا کبھی نہ تھا۔ شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی"

ایک جگہ انھیں سے خط لکھنے کا حال کہتے ہیں کہ

" اتنی سطریں مجھ سے بہزار جرِ ثقیل لکھی گئی ہیں"

دوسری جگہ

" میرا حال بدستور ہے ؎ — ہماں بستر ہماں پہلو ہماں درد"

ایک جگہ انھیں کو کھانے کا حال لکھتے ہیں

" دس دن میں دوبارہ آدھی آدھی غذا کھائی۔ گویا دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا

بنا۔ اور آلو بخارے کا افشردہ اس پر مدار رہا۔ کل سے خوف مرگ گیا ہے۔ اور صورت زلیست کی نظر آئی ہے ''

دوسری جگہ۔

'' میر کرم حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اب تک جیتا ہوں اس سے زیادہ میرا حال مجھکو بھی معلوم نہیں ''

'' میرا حال اب اس فن میں یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے کلام ہندی میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ گاہ جب دل اُلٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالب — ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں۔

اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے ''

چودھری عبدالغفور سے آلام زمانہ کا یوں حال بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے کہیں کہا تھا کہ بوستان خیال دیکھا کیجئے انھوں نے جواب دیا۔

'' حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ نکالا بوستان خیال کے دیکھنے کا دانہ ڈالا۔ مجھ میں اتنی طاقت پرواز کہاں کہ بلا سے اگر پھنس جاؤں دام پر گر کے دانہ زمین پر سے اٹھاؤں۔ حضرت سچ تو یوں ہے۔ کہ غمہائے روزگار نے مجھکو گھیر لیا ہے سانس نہیں لے سکتا اتنا تنگ کر دیا ہے۔ ہر بات سو طرح سے خیال میں آئی پر دل نے کسی طرح تسلی نہ پائی۔ اب دو باتیں سوچا ہوں ایک تو یہ کہ جب تک جیتا ہوں یوں ہی روتا رہوں گا۔ دوسرے یہ آخر ایک نہ ایک دن مروں گا۔ یہ صغرائے دکبرائے دلنشین ہے نتیجہ اس کا تسکین ہے ''

میر سرفراز حسین کو لکھتے ہیں۔

'' اب تھوڑے دنوں تک شاید میں خط نہ لکھ سکوں تفصیل اُس کی یہ کہ رجب کے مہینے میں سیدھے ہاتھ پر ایک پھنسی ہوئی۔ پھنسی پھوڑا ہو گئی۔ پھوڑا پھوٹ کر زخم بنا۔ زخم بگڑ کر غار ہو گیا۔ اب بقدر یک کف دست وہ گوشت مُردار ہو گیا ''

میر مہدی مجروح کو ایک جگہ بیماری کی یوں خبر دیتے ہیں اور آخر میں ایک دلچسپ پیشین گوئی کرتے ہیں

'' جان غالب اب کے ایسا بیمار ہو گیا تھا۔ کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ اب اچھا ہوں تندرست ہوں ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۷ھ تک کچھ کھٹکا نہیں۔ محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے ''

قاضی عبدالحمید کو حال لکھتے ہیں

"میں نہ تندرست ہوں نہ رنجور- زندہ بدستور ہوں- دیکھئے کب بلاتے ہیں اور جب تک جیتا رہوں کیا دکھاتے ہیں"

خواجہ غلام غوث بیخبر کو لکھتے ہیں

"قبلہ پیری و صد عیب- ساتویں دہاکے کے مہینے گن رہا ہوں- قولنج آگے دَوری تھا اب دائمی ہو گیا ہے مہینہ بھر میں پانچ سات بار فضول مجتمعہ جمع ہو جاتے ہیں- اور یہی منشار حیات ہے- غذا کم ہوتے ہوتے اگر معدوم نہ کہو تو بمنزلہ مفقود کہو- پھر گرمی نے مار ڈالا- ایک حرارت غریبہ جگر میں پاتا ہوں جس کی شدت سے بھنا جاتا ہوں اگرچہ جرعہ جرعہ پیتا ہوں مگر صبح سے سوتے وقت تک نہیں جانتا کتنا پانی پی جاتا ہوں"

نواب سعدالدولہ شفق کو لکھتے ہیں

"سال گذشتہ مجھ پر بہت سخت گزرا ۱۲-۱۲ مہینے صاحب فراش رہا- اوٹھنا دشوار تھا- چلنا پھرنا کیسا- نہ تپ- نہ کھانسی- نہ اسہال- نہ فالج- نہ لقوہ ان سب سے بدتر ایک صورت پر کدورت یعنی احتراق کا مرض- مختصر یہ کہ سر سے پاؤں تک ۱۲ پھوڑے ہر پھوڑہ ایک زخم- ہر زخم ایک غار، سال بھر میں سے تین حصے دن یوں گزرے پھر تخفیف ہونے لگی لوٹ پوٹ کر اچھا ہو گیا- نئے سر سے روح قالب میں آئی- اجل نے میری سخت جانی کی قسم کھائی، اب اگرچہ تندرست ہوں- مگر ناتوان و سست ہوں- حواس کھو بیٹھا حافظہ کو رو بیٹھا- اگر اٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں اٹھتا ہوں کہ جتنی دیر میں ایک قد آدم دیوار اٹھے- آپ کی پرسش کے کیوں نہ قربان جاؤں کہ جب تک میرا مرنا نہ سنا میری خبر نہ لی- میرے مرگ کی مخبر کی تقریر اور مثلاً میری یہ تحریر آدھی سچ اور آدھی جھوٹ درصورت مرگ نیم مردہ و درحالت حیات نیم زندہ ہوں"

یوسف مرزا کو اپنے حالات سے مطلع کرتے ہیں

"فرصت کام سے کم ہوتی ہے- ہمیشہ ایک فکر برابر چلی جاتی ہے- آدمی ہوں دیو نہیں بھوت نہیں- ان رنجوں کا تحمل کیونکر کروں- بڑھاپا- ضعف قویٰ- اب مجھے دیکھو تو جانو کہ میرا کیا رنگ ہے- شاید کوئی دو چار گھڑی بیٹھتا ہوں ورنہ پڑا رہتا ہوں- گویا صاحب فراش ہوں نہ کہیں جانے کا ٹھکانا نہ کوئی میرے پاس آنے والا وہ عرق جو بقدر طاقت بنائے رکھتا تھا اب میسر نہیں"

نواب علاء الدین احمد خاں کو حال لکھتے ہیں

"علی حسین خاں آئے دو تین بار مجھ سے مل گئے اب نہ وہ آسکتے ہیں نہ میں جا سکتا ہوں- نصیب دشمناں وہ لنگڑے- میں لولا"، آغاز فقرہ مزید علیہ- یا مستزاد"

مرزا کی مسرت بھی اور ہی طرح کی ہے۔ جس میں واقعیت کی بہ نسبت ہنسی اور مذاق کا پہلو زیادہ ہے اول تو ان کے ہر خط کا منشا رہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کو ہنسائیں۔ آلام کے بیان میں بھی وہ اس کا خیال رکھتے ہیں پھر بھلا مسرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

شاہزادہ بشیر الدین کو اپنی تصویر بھیجی۔ شاید اس کی رسید آئی تو آپ نے جواب میں لکھا

"عنایت نامہ آیا۔ سرنامہ دیکھ کر سفیدۂ صبح مراد سمجھا۔ ننگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا۔ اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا۔ اور کیونکر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھنچوا کر بصورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا"

تفتہ سے اپنی خوشی اور فائز المرامی کا حال بیان کرتے ہیں

"بھائی جس دن تم کو خط بھیجا۔ تیسرے دن ہردیو سنگھ کی عرضی اور عسہ کی رسید اور صما کی ہنڈوی پہنچی۔ تم سمجھے بابو صاحب نے عسہ ہردیو سنگھ کو دیئے اور تجھ سے مجرانہ لئے۔ بہر حال ہنڈوی ۱۲ دن کی میعادی تھی چھ دن گزر گئے تھے ۶ دن باقی تھے مجھکو صبر کہاں متی کاٹ کر روپے لے لئے قرض متفرق سب ادا ہوا۔ بہت سبکدوش ہوگیا۔ آج میرے پاس مع للعہ نقد بکس میں اور چار بوتل شراب کی اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانے میں موجود ہیں الحمد للہ علیٰ احسانہ"

میر مہدی سے اپنی خوشی اور مسرت کا حال بیان کرتے ہیں۔

"مولانا غالب علیہ الرحمۃ ان دنوں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی اور اسی قدر حجم کی ایک جلد "بوستان خیال" کی آگئی ہے۔ سترہ بوتلیں بادۂ ناب کی توشک خانہ میں موجود ہیں دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں رات بھر شراب پیا کرتے ہیں

کسے کیں مرادش میسر بود   اگر جم نباشد سکندر بود

جس طرح مرزا دوسروں کو مختلف ناموں مختلف القابوں سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مخاطب و مکتوب الیہ کو اپنے بھی طرح طرح کے نام بتاتے ہیں۔

میاں دادخاں کو ایک جگہ غالب علی شاہ لکھا ہے۔ منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں

"نام میرا جس طرح چاہو لکھدو سہ   بنام آنکہ آں نامے ندارد   بہر نامے کہ خواہی سر برآرد۔"

مکتوب الیہ کے نام میں حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں

"از غالب جان و جاناں وا ز جان و جاناں عزیز تر حکیم غلام نجف خاں سلمہ اللہ تعالےٰ۔"

نواب مرزا علاءالدین احمد خاں کو ایک جگہ لکھتے ہیں

"تاریخ اوپر لکھ آیا - نام اپنا بدل کر مغلوب لکھ لیا ہے"

ایک جگہ لکھتے ہیں

"کاتب کا نام غالب ہے کہ تم جانتے ہوگے"

ایک جگہ بابو ہرگوبند سہائے کو ولایتی شراب کی فرمائش کے بعد "غالب جاں بلب" لکھتے ہیں -

ایک جگہ نواب مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں

"بوڑھا ناتوان مفلس قرضدار - کانوں کا بہرا قسمت کا بے بہرا زیست سے بیزار مرگ کا امیدوار غالب"

مرزا کبھی کبھی ناصح مشفق بنکر اپنے دوست احباب کو نصیحتیں بھی کرتے رہتے ہیں - لیکن وہ نہیں جو تلخ ہوتی ہیں - مرزا تفتہ کو شعر و شاعری کے ساتھ وہ شغف تھا کہ سب کام دھندے چھوڑ بیٹھے تھے - اور رات دن بس اسی فکر میں مستغرق رہتے تھے - گھر کا اندوختہ سب اٹھا چکے تھے - نہ کہیں آنا تھا نہ جانا - شعر و سخن یا اُستاد کی خدمت بس یہی دو چیزیں ان کی دلچسپی کی تھیں - اور بس - اسی بارہ میں مرزا اُن کو ایک جگہ لکھتے ہیں

"بس اب تم سکندر آباد میں رہے کہیں اور کیوں جاؤ گے - بنک گھر کا روپیہ اٹھا چکے ہو - اب کہاں سے کھاؤ گے - میاں نہ میرے سمجھانے کو دخل ہے - نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ہے - ایک خرچ ہے کہ وہ چلا جاتا ہے جو ہونا ہے وہ ہوا جاتا ہے - اختیار ہو تو کچھ کیا جائے - کہنے کی بات ہو تو کچھ کہا جائے - مرزا عبدالقادر بیدل خوب کہتا ہے

رغبت جاہ چہ و نفرت اسباب کدام   زیں ہوسہا بگزر یا مگزرے گزرد

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید نہ رنجور ہوں نہ تندرست نہ خوش ہوں نہ ناخوش نہ مُردہ ہوں نہ زندہ جئے جاتا ہوں - باتیں کئے جاتا ہوں - روٹی روز کھاتا ہوں - شراب گاہ گاہ پئے جاتا ہوں - جب موت آئے گی مر رہوں گا - نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے بہ سبیل حکایت ہے"

دوسری جگہ مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں - اور دنیا کی بے مائگی کا نقشہ کھینچ دیتے ہیں -

"اچھی گزری ہے اچھی گزر جائے گی - میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصاید کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا جو میرے قصاید کے اشتہار سے مجھکو نفع ہوگا - سعدی نے بوستاں سے کیا پھل پایا - جو تم سنبلستان سے پاؤ گے - اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے - نہ سخن ہے نہ سخنور ہے نہ قصیدہ ہے نہ قصیدہ ہے"

تفتہ پر ایک زمانہ میں ایسا اثر پڑا کہ قصد مصمم کر لیا کہ اب لباس نہ پہنوں گا - مرزا کو بھی یہ ارادہ معلوم ہوا فوراً نصیحت آمیز

جملے لکھے۔ اور ایسے جملے لکھے جیسے کسی روٹھے ہوئے کو منانے کے لئے کوئی شخص بالارادہ استعمال کرتا ہے کہتے ہیں

"کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا۔ جس کو اتار کر پھینکو گے۔ ترک لباس سے قید ہستی مٹ نہ جائے گی بغیر کھائے پئے گزارا نہو گا۔ سختی وستی رنج و آرام کو ہموار کر دو"

مرزا حاتم علی بیگ مہر کی معشوقہ مر گئی جس کی وجہ سے اون کو بڑا سخت صدمہ پہنچا مرزا کو خبر ہوئی۔ بہت خفا ہو کر دوستانہ نصیحت پر اتر آئے۔

"مرزا صاحب ہم کو یہ باتیں پسند نہیں پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے نصیحت کی ہے کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو کھاؤ۔ مزے اوڑاؤ۔ مگر یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک فشانی۔ کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجالاؤ غم نہ کھاؤ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر ملا۔ اور ایک حور ملی۔ اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیکبخت کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائے گی۔ طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی۔ وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبے کی ایک شاخ۔ چشم بد دور وہی ایک حور بھائی ہوش میں آؤ۔ کہیں اور دل لگاؤ ؎

زن نو کن اید دوست در ہر بہار   کہ تقویم پارینہ ناید بکار

اور ایک جگہ انھیں کو اسی قسم کی نصیحت فرماتے ہیں۔

"بھلے تم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم واندوہ کا شکوہ گزارا پایا ہے۔ پس اگر کسی بیدرد پر دل آیا ہے تو شکایت کی کیا گنجایش ہے بلکہ یہ غم تو نصیب دوستاں در خور افزایش ہے بقول غالب علیہ الرحمۃ ؎

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو   نہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منھ میں زباں کیوں ہو

اور اگر خدانخواستہ باشد غم دنیا ہے تو بھائی ہمارے ہمدرد ہو۔ ہم اس بوجھ کو مردانہ اٹھا رہے ہیں تم بھی اٹھاؤ اگر مرد ہو"

نواب انورالدولہ شفق کا کوئی نقصان ہوا۔ مرزا کو خط کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔ فوراً ایک دلچسپ نصیحت نامہ تحریر فرمایا۔

"روپیہ کا نقصان اگرچہ جانکاہ و جانگزا ہے۔ پر بموجب تلف المال خلف العمر فرما ہے۔ جو روپیہ ہاتھ سے گیا ہے اوس کو عمر کی قیمت جانئے۔ اور ثبات ذات و بقائے عرض ناموس کو غنیمت جانئے"

ذوالفقار الدین حیدر کو ایک نصیحت کی نقل کس مزے سے سناتے ہیں۔

"تمہارا قرضخواہ آیا تھا تمہارا حال پوچھا تھا کچھ سچ کچھ جھوٹ کہکر اوس کو اس راہ پر لایا ہوں کہ سو دو سو روپیہ تم کو بھیجدے بنیوں کی طرح کی تقریر اوس کو سمجھائی ہے کہ لالہ جس درخت کا پھل کھانا منظور ہوتا ہے۔ تو اُس کو پانی دیتے ہیں۔ حسین مرزا تمہارے کھیت ہیں پانی دو تو اناج پیدا ہو"

نواب مرزا علاءالدین احمد خاں کو کسی بارہ خاص میں لکھتے ہیں۔

"اس امر فرخ و ہمایوں کی شہرت میں کوشش بیجا صلگی ہے اور اس کے اخفا میں مبالغہ خفقانیت۔ تم اپنی زبان پر نہ لاؤ۔ اگر کوئی اور کہے مانع نہ آؤ۔ نہ اشتہار نہ استتار"

واقعات کے بیان میں مرزا کو وہ ید طولےٰ حاصل ہے۔ کہ بڑے بڑے مورخ اور اچھے اچھے داستان گویوں کو شرما دیتے ہیں۔ کوئی واقعہ ہو اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والا نقش حیرت اور محو سکوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اکثر واقعات میں محاکات کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ اکثر کو سادہ چھوڑتے ہیں۔ اکثر میں اپنی طبیعت کے جوہر خاص یعنی ظرافت کو بھر دیتے ہیں۔ اکثر میں درد و اثر پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ خصوصیت کسی خاص بیان میں نہیں ہوتی بلکہ اون کی بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔ دلی کے اُجڑنے کا ماتم ہو۔ یا غدر کی پریشانی کا افسانہ ہو۔ شور انگیزی۔ جوانی کی حکایت ہو۔ دوست کا شکریہ ہو یا دشمن کی شکایت ہو۔ تندرستی کا بیان۔ بیماری کا حال۔ سب کا ایک رنگ ہے

منشی سیف الحق میاں داد خاں سیاح نے اپنی غزلوں کا تقاضا لکھا۔ مرزا نے اپنے واقعات بیان کرنا شروع کر دئے۔

"بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ میں اب خط نہیں لکھ سکتا آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا۔ اب رعشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا جب یہ حال ہے تو کہو صاحب میں اشعار کو اصلاح کیونکر دوں۔ اور پھر اس موسم میں کہ گرمی سے سر کا بھیجا پگھلا جاتا ہے۔ دھوپ کے دیکھنے کی تاب نہیں۔ رات کو صحن میں سوتا ہوں۔ صبح کو دو آدمی ہاتھوں پر لے کر دالان میں لے آتے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے اندھیری اُس میں ڈال دیتے ہیں۔ تمام دن اُس گوشۂ تاریک میں پڑا رہتا ہوں"

تفتہ کو غدر کے بعد کے واقعات اور اپنے حالات سناتے ہیں۔

"حکیم جی کو اُن کی حویلیاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبایل اُن مکانوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم اُن کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں۔ رہا میں غرض ہے   تو بکسی دغربی تراکہ مے پرسد۔   نہ جزا نہ سزا نہ نفرین نہ آفرین۔ نہ عدل نہ ظلم۔ نہ لطف۔ نہ قہر۔ ۱۵ دن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی۔ اب صرف روٹی ملے جاتی ہے۔ شراب نہیں۔ کپڑا ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے۔ اس کی کچھ فکر

نہیں ہے۔ مگر تم کو میرے سر کی قسم یہ لکھ بھیجو کہ تم نے میری خبر کیا سُنی۔ مجھے اس کے معلوم ہونے سے مزہ ملے گا "

۱۸۶۲ء میں برسات نہایت ہی شدت سے ہوئی تھی گلی کوچے ندی نہریں بن گئے تھے۔ جب وہ موسم گزر گیا تو تفتہ کو اطلاع دیتے ہیں کہ

" برسات کی مصیبت گزر گئی۔ لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی "

ہنگامۂ غدر کا حال لکھتے ہیں

" ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگ روزگار کا تماشا دیکھ رہا ہوں یا حافظ یا حفیظ وردِ زبان ہے "

چودھری عبدالغفور کو لکھتے ہیں۔

" یہاں شہر ڈھ رہا ہے بڑے بڑے نامی بازار۔ خاص بازار اور اُردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا۔ اب پتا بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان امکنہ ودکاکین نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی۔ برسات بھر مینھ نہیں برسا۔ اب تیشہ و کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے غلہ گراں ہے۔ موت ارزاں ہے۔ میوے کے مول اناج بکتا ہے۔ ماش کی دال آٹھ سیر باجرہ بارہ سیر گیہوں ۱۲ سیر چنے سولہ سیر گھی ڈیڑھ سیر ترکاری مہنگی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کنوار کا مہینہ جسے جاڑے کا دوا کہتے ہیں۔ پانی گرم۔ دھوپ تیز۔ روز لو چلتی ہے۔ جیٹھ اساڑھ کی سی گرمی پڑتی ہے "

" یہ جو خانہ کوچی و گریزپائی اور بے اطمینانی کا آپ کو مجھ پر گمان ہے اور اس کا رنج ہے یہ خلاف واقعہ کسی نے آپ سے کہا ہے۔ مَیں مع زن و فرزند ہر وقت اسی شہر میں قلزم خون کا شناور رہا ہوں۔ دروازے سے باہر قدم نہیں رکھا۔ نہ پکڑا گیا۔ نہ نکالا گیا۔ نہ قید ہوا نہ مارا گیا "

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں۔

" شہر کا حال میں کیا جانوں کیا ہے۔ یوں لوٹی کوئی چیز ہے۔ وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔ جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دکانیں۔ حویلیاں۔ ڈھائی جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائے گی رہے نام اللہ کا "

میر مہدی کو اپنے حالات لکھتے ہیں۔

" میر مہدی تم میری عادت کو بھول گئے۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے۔ میں اس مہینے میں رام پور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے۔ اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر میں بھائی ایسے انداز سے چلا کر چاندرات کے دن یہاں آپہونچا۔ یکشنبہ کو

غرض ماہ مقدس ہوا - اوسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جا کر نماز تراویح پڑھتا ہوں کبھی جو جی میں آتی ہے - تو وقت صوم مہتاب باغ میں جا کر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں واہ واہ کیا اچھی عمر بسر ہوتی ہے "

غدر کے بعد دلی میں وبائے ہیضہ پھیلی - میر مہدی نے پوچھا کہ کیا حال ہے مرزا نے جواب میں کہا -

" وبا کو کیا پوچھتے ہو قدر انداز قضا کے ترکش میں یہی ایک تیر باقی تھا - قتل ایسا عام - لوٹ ایسی سخت کال ایسا پڑا - وبا کیوں نہو - لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے ؎

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام　　ایک مرگ ناگہانی اور ہے "

غدر کی لوٹ مار اور گیر ودار سے اکثر قدیمی خاندان بھی دلی چھوڑ کر ادہر اُدہر چلے گئے - انھیں میں حکیم غلام نجف خاں تھے کہ اپنے وطن مالوف میں جا رہے تھے - مگر دلی اور دلی کے حالات سے غافل نہ تھے برابر احباب سے دریافت حال کرتے رہتے تھے - چنانچہ مرزا سے حالات دریافت کئے تو انھوں نے جواب دیا

" میاں حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اب تک جیتا ہوں - بھاگ نہیں گیا - نکالا نہیں گیا - لٹا نہیں کسی محکمہ میں ابھی تک بلایا نہیں گیا - معرض باز پُرس میں نہیں آیا - آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے "

مرزا نے اپنی بیوی کے بھانجے اور اپنے عزیز نسبتی اور شاگرد جوانمرگ عارف مرحوم کے دونوں بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا - اسی کے متعلق حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں -

" خدا نے لاولد رکھا تھا شکر بجا لاتا تھا - خدا نے میرا شکر مقبول و منظور نہ کیا - یہ بلا بھی قبیلہ داری کی شکل کا نتیجہ ہے - یعنی جس لوہے کا طوق اُسی لوہے کی دو ہتکڑیاں بھی پڑ گئیں - خیر اس کا کیا رونا ہے یہ قید جاودانی ہے "

" میاں میں کثیر الاحباب شخص ہوں - سینکڑوں بلکہ ہزاروں دوست اس باسٹھ برس میں مر گئے، خصوصاً اس فتنہ و اشوب میں تو شاید کوئی میرا جاننے والا نہ بچے گا - اس سے مجھ کو جو دوست اب باقی ہیں - بہت عزیز ہیں - واللہ دعا مانگتا ہوں کہ ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے - کیا معنی کہ جو میں مروں تو کوئی میرا یاد کرنے والا اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو "

حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں

" تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمھاری استانی جی کو لکھتا ہوں - کیا تم سے اتنا نہیں ہو سکتا - کہ جاؤ اور پڑھکر سناؤ اب اون کو خیال ہوگا - کہ اس انگریزی خط میں کیا لکھا ہے - تم یہ خط میرا ہاتھ میں لئے جاؤ اور حرف بحرف پڑھو سناؤ - لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں - کبھی میرا دل بہلاتے ہیں - کبھی مجھ کو ستاتے ہیں - بکریاں - کبوتر

بٹیریں۔ تکل۔ کنکوا سب سامان درست ہے ''

مرزا حاتم علی بیگ مہرؔ صاحب کو اپنے حالات موجودہ تحریر فرماتے ہیں۔

'' اناج کھاتا ہی نہیں ہوں۔ دو سیر گوشت دن کو اور پاؤ بھر شراب رات کو مل جاتی ہے ''

مرزا رام پور کا سفر کر رہے ہیں دونوں صاحبزادے ساتھ ہیں۔ اوس سفر کے دلچسپ حالات میں سے کچھ فقرے سنئے جو نواب مرزا شہاب الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں۔ اپنے آپ کو معہ برخورداران ایک قافلہ سمجھتے ہیں۔

'' قصد یہ تھا کہ پلکھوے[1] رہوں۔ وہاں قافلہ کی گنجائش نہ پائی۔ ہاپوڑ کو روانہ ہوا۔ دونوں برخوردار گھوڑوں پر سوار پہلے چل دئے۔ چار گھڑی دن رہے میں ہاپوڑ کی سرائے میں پہونچا دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا۔ پہر دن رہے قافلہ آیا۔ میں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا دو شامی کباب اُس میں ڈال دئے۔ رات ہوگئی تھی شراب پی لی۔ کباب کھائے۔ لڑکوں نے ادھر کی کھچڑی پکوائی خوب گھی ڈال کر آپ بھی کھائی سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کے واسطے سادہ سالن پکوایا۔ ترکاری نہ ڈلوائی۔ بارے آج تک دونوں بھائیوں میں موافقت ہے اتنی بات زاید ہے کہ حسین علی منزل پر اُتر کر بابڑا اور مٹھائی کے کھلونے خرید لاتا ہے دونوں بھائی مل کر کھا لیتے ہیں ''

نواب انور الدولہ سعد الدین شفق کو حال لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

'' پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ہوا۔ پہلا باغیوں کا لشکر۔ اوس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا دوسرا لشکر خاکیوں کا۔ اُس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر لٹ گئے۔ تیسرا لشکر کال کا اُس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضے کا اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے۔ پانچواں لشکر تپ کا اُس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئی ''

علائی کو لکھتے ہیں

'' کل تمھارے خط میں دوبارہ یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ دلی بڑا شہر ہے۔ ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔ اے میری جان یہ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں۔ وہ دلی نہیں جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ ایک کیمپ ہے مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ۔ باقی سراسر ہنود۔ معزول بادشاہ کے ذکور جو بقیۃ السیف ہیں۔ وہ پانچ پانچ روپیہ مہینہ پاتے ہیں۔ اناث میں سے جو پیرزن ہیں وہ کٹنیاں اور جوانیں کسبیاں ''

---

[1] ضلع میرٹھ میں ایک قصبہ کا نام ہے جو اس سڑک پر پڑتا ہے جو دلی سے الہ آباد جاتی ہے

"منھ کی شدت سے چھوٹا لڑکا ڈرنے لگا - اُس کی دادی بھی گھبرائی - مجھکو خلوت خانہ کا دروازہ غرب رویہ اور اس کے آگے ایک چھوٹا سا سہ درہ یاد تھا - جب تمھارے پاؤں میں چوٹ لگی ہے تو میں اسی دروازے سے تم کو دیکھنے آیا تھا - یہ سمجھ کر خلوت خانہ کو محلسرا بنایا تھا - کہ گاڑی ڈولی - لونڈی - اصیل - کاچھن تیلن تنبولن کناری پسنہاری ان فرقوں کا ممر وہ دروازہ رہے گا - میرے اور میرے بچوں کی آمد و رفت دیوانخانہ سے رہیگی - عیاذاً باللہ وہ لوگ دیوان خانے میں سے آئیں جائیں اپنے بیگانے کو ہر وقت پچھلیاں نظر آئیں - بی وفادار جنکو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں - اب تمھاری پھپھی نے انھیں وفادار بیگ بنادیا ہے - باہر نکلتی ہیں - سودا تو کیا لائیں گی - مگر خلیق اور ملنسار ہیں رستہ چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں جب وہ محل سے نکلیں گی - ممکن نہیں کہ اطراف محل کی سیر نہ کریں... ممکن نہیں کہ دروازے کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں - ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لیجا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں - کہ یہ پھول تمارے بچا کے بیٹے کی کائی کے ہیں - شرح تمھارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں - ہے ہے ایسے عالیشان دیوانخانے کی یہ قسمت اور مجھ سے نازک مزاج دیوانے کی یہ شامت"

اگر غور سے دیکھا جائے تو مرزا صاحب کو ہجو سے اتنا ہی بُعد ہے جتنا سودا کو کسی کی خالص تعریف سے مگر ضرورت کے لئے جیسے سودا جابجا مختلف اصناف سخن میں تعریف و توصیف کرتے ہیں ایسے ہی مرزا رمز و کنایہ یا باتوں باتوں میں ہجو کر جاتے ہیں - مگر پھر بھی بڑا فرق ہے - سودا کا مقصود یہ ہوتا ہے - اُس کی فضیحت کی جائے اس کی بوٹیاں نوچ کر چیل کوؤں کو کھلا دی جائیں - اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ دل سے اس قسم کی باتوں کا اثر لیتے ہیں اور دل ہی پر اثر ڈالنا چاہتے ہیں - مرزا اس سے کوسوں دور ہیں - اوّل تو ہجو اُن کا شیوہ ہی نہیں اور اگر کہیں ضرورت پڑتی ہے تو اس میں سب سے پہلے اون کا خیال یہی ہوتا ہے کہ سننے والا برا نہ مانے لیکن یہ ضرور ہے کہ دلی کے رہنے والے ہیں - کہتے کہتے کہیں بڑھ جاتے ہیں تو زبان چٹخارا دو بھر ہو جاتی ہے - پھکڑ تک کی خبر لاتے ہیں - مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ وہ اس قسم کی گفتگو کے عادی ہیں یا ان کو کسی کی دل آزاری منظور ہوتی ہے - یا وہ ذاتیات پر حملے کرتے ہیں بعض فقرے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے -

ایک شخص مسمی عظیم الدین خاں نے مرزا سے ان کا دیوان چھپوانے کے لئے لیا - اور اس میں لیت و لعل شروع کی - نہ دیوان چھپوایا نہ واپس بھیجا - مرزا سے میاں داد خاں سیاح نے پوچھا کہ کیسے دیوان چھپا یا نہیں تو مرزا نے جواب دیا -

"دیوان کا چھاپا کیا - وہ شخص ناآشنا موسوم بہ عظیم الدین جس نے مجھسے دیوان منگا بھیجا - آدمی نہیں ہے بھوت ہے پلید ہے - اور غول ہے قصہ مختصر سخت نامعقول ہے"

مرزا نے برہان قاطع کے رد میں جب قاطع برہان لکھی تو چاروں طرف سے اعتراضات کی بھرمار ہوئی۔ مخالفت کا طوفان امنڈ آیا۔ بہت سے لوگوں نے جواب لکھے۔ منجملہ اُن کے حافظ رحیم بیگ ساکن سردھنہ نے بھی ساطع برہان اُس کے جواب میں لکھی۔ شائع ہوئی تو میاں داد خاں سیّاح کو بھی معلوم ہوا انھوں نے مرزا صاحب کو لکھا۔ مرزا نے جواب دیا۔

"وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے وہ ایک لڑکے پڑھانے والے مُلّائے مکتب دار کا خبط ہے۔ رحیم بیگ اوس کا نام میرٹھ کا رہنے والا۔ کئی برس سے اندھا ہو گیا۔ باوجود نابینائی احمق بھی ہو"

اسی کتاب کے متعلق سیاح کو لکھتے ہیں۔

"طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے جدا جدا لکھے۔ دانا ہو اور منصف ہو۔ محرق کو دیکھ کر جانو گے کہ مولف اوس کا احمق ہے اور جب وہ احمق دافع ہذیان و سوالات عبدالکریم اور لطائف غیبی کو پڑھ کر متنبہ نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ بے حیا بھی ہے"

مرزا دلی کی کتابت اور وہاں کے چھاپے خانے سے بہت ناراض اور کشیدہ خاطر تھے اور جا بجا اس کی مذمت کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"دیوان اُردو چھپ چکا۔ ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا اوس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسنِ خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اور اس کے بانی پر اور اُس کے چھاپے پر لعنت۔ صاحبِ دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے"

قاضی عبدالجمیل صاحب کو لکھتے ہیں اور مطلع کرتے ہیں کہ اکثر لوگ بیکار غزل کے مقطع میں میرا نام ڈال دیتے ہیں۔

"سنئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل لوگ میرے نام پر پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ انھیں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجئے ؎

اسد اور لینے کے دینے پڑے

میں نے کہا لاحول ولاقوۃ اگر یہ میرا کلام ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سنکر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اُس پر بقول اس کے رحمت خدا کی۔ اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت"

مرزا کسی ایسے مکان میں رہتے تھے جو حکیم غلام نجف خاں کو پسند نہ تھا اسی وجہ سے وہ مرزا سے برابر خواہش کرتے

رہتے تھے کہ یہ مکان چھوڑ دیجئے۔ ایک مرتبہ جھنجھلا کر لکھا۔

" حضرت غور کی جگہ ہے ایک مکان دلکشا۔ کوچہ کی سیر۔ بازار کا تماشا۔ دو کمرے۔ دو کوٹھریاں آتشدان صحن وسیع کو چھوڑ کر وہ مکان لوں جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے۔ دروازے پر وہ تاریکی کہ دن کو بغیر چراغ کے راہ نہ ملے۔ اور پھر ڈیوڑھی پر حلال خوروں کا مجمع۔ گوہ کے ڈھیر۔ کہیں حلال خور کا بچہ ہگ رہا ہے کہیں بیل بندھا ہوا ہے کہیں کوڑا پڑا ہوا ہے۔ عیاذاً باللہ۔ خدا نہ لیجائے ایسے مکان میں "

نواب انور الدولہ شفق کو۔ ملا غیاث الدین رام پوری اور اُن کی تصنیف کی بابت لکھتے ہیں

" غیاث اللغات ایک نام موقر و معزز جیسے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے ایک معلم فرومایہ رام پور کا رہنے والا۔ فارسی سے ناآشنائے محض اور صرف و نحو میں ناتمام۔ انشائے خلیفہ اور منشآت مادھو رام کا پڑھانے والا۔ چنانچہ دیباچہ میں ماخذ بھی اس نے خلیفہ شاہ محمد و مادھو رام۔ وغنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہ سخن کے غول ہیں۔ آدمی کے گمراہ کرنے والے۔ یہ فارسی کو کیا جانیں۔ ہاں طبع موزوں رکھتے تھے شعر کہتے تھے "

اور ایک جگہ نواب انور الدولہ کو دلی کی ہجو میں لکھتے ہیں

" ایک قاعدہ کلیہ دلی کا سمجھ لو۔ خالق کی قدرت مقتضی اس کی ہے کہ جو اس شہر پناہ کے اندر پیدا ہوا مرد یا عورت خفقان و مراق اس کی فطرت میں ہو۔ آٹھ دس برس کے بعد ساون کے آخر مینھ خوب برسا لیکن نہ دریا جاری ہوئے۔ نہ طوفان آیا۔ ہاں شہر کے باہر ایک دن بجلی گری۔ دو ایک آدمی۔ کچھ جانور تلف ہوئے مکان گرے۔ دس بیس آدمی دبکر مرے۔ دو تین شخص کوٹھے پر سے گر کر مرے۔ مراقیوں نے غل مچانا شروع کیا۔ اپنے اپنے عزیزان بسفر رفتہ کو لکھا۔ جابجا اخبار نویسوں نے اون سے سنکر درج اخبار کیا۔ نواب دس بارہ دن سے مینھ کا نام نہیں۔ دہوپ آگ سے زیادہ تر تیز ہے۔ وہی خفقانی صاحب روتے پھرتے ہیں کہ کھیتیاں جلی جاتی ہیں "

نواب علاء الدین خاں کو ایک جگہ لکھتے ہیں

" مسخر سمجھے یا ہجو۔ یا دلی میں رہنے کا اثر۔ سنتا ہوں کہ حمزہ خاں کو ان دنوں علت مشایخ کا زور ہے اور سعدی کی اس بات پر عمل کرتے ہیں ؎

کسانے کہ یزداں پرستی کنند بر آواز دولاب مستی کنند

خدا مبارک کرے "

مرزا نے نواب علاء الدین احمد خاں کا تخلص نیمی تجویز کیا۔ وہ نواب نازک مزاج تو تھے ہی اون کی تصحیف کا وہم

کرکے بدگمان ہوئے کہ ایسا نہو نسیمی کو کوئی یٹیمی پڑھے۔ مرزا کو لکھا۔ مرزا نے اول اول میں تو نہایت ٹھنڈے دل سے نصیحت کی آخر بڑھے اور بڑھتے ہی اس حد پر پہونچ گئے کہ آپ پھر اس خطا سے اندازہ کریں گے لکھتے ہیں

"میری جان تمہارا تخلص بہت پاکیزہ اور میری پسند ہے۔ یٹیمی کو بہ تکلف اوس کا مصحف کیوں ٹھہرا دیہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدا کو جیم فارسی سے بدل دو۔ نبی کو بتقدیم موحدہ علی النون لکھو۔ یہ وساوس دل سے دور کرو۔ رہرو ایک اچھا تخلص ہے۔ رہزو اس کی تجنیس موجود ہے۔ شیون ایک اچھا تخلص ہے ستون اُس کی تصحیف ہے۔ تمہارے واسطے بہ مناسبت اسم عالی تخلص خوب تھا۔ مگر اس تخلص کا ایک شاعر بہت بڑا نامی گزر چکا ہے۔ ہاں نامی سامی یہ دو تخلص بھی اچھے ہیں۔ تمہارے واسطے خاص فخری تخلص بہتر ہے۔ کہوگے کہ آزاد بپور کے باغ میں ایک آم کا نام فخری ہے۔"

ایک جگہ نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں۔

"آج صبح کو بھائی صاحب کے پاس گیا۔ بھائی ضیاء الدین خاں اور میاں شہاب الدین خاں بھی وہیں تھے۔ مولوی صدر الدین میرے سامنے آئے۔ حکیم محمود خاں کے طور پر معالجہ قرار پایا۔ یعنی انھوں نے نسخہ لکھدیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر انداز و ادا سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حضرت مریض کی اور اُن کے ہواخواہوں کی رائے میں قصد اس استعلاج کا مذبذب ہے نسخہ کی حقیقت کو میزان نظر میں تول رہے ہیں استاد میر جان بھی تھے نیم نامعقول مرزا اسد بیگ تھے۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں اور عجیب طریقہ سے اہل زمانہ کی ہجو کرتے ہیں

"یہ پچاس برس کی بات ہے کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی میں نے حسب الحکم غزل لکھی۔ بیت الغزل یہ ہے

بلادے اوکسے ساقی جو ہمسے نفرت ہے　　　پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

مقطع یہ ہے　　اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے　　　کہا جو اُسنے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اس مقطع اور اس بیت الغزل کو شامل اُن اشعار کے کرکے غزل بنالی ہے اور اس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں مقطع اور ایک شعر میرا اور پانچ شعر کسی اُلّو کے۔ جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کردیں تو کیا عجب الخ"

نواب علاء الدین خاں کے معرفت حمزہ خاں کے کسی طنز کا جواب دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔

"اور حمزہ خاں کو بعد سلام کہنا۔ کہ اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما۔ دیکھا ہم کو یوں بتاتے ہیں بنیوں کے لونڈوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا اور مسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطے مارنا اور

ہے اور عُرفا کے کلام سے حقیقت حقّہ وحدت وجود کو اپنے دلنشین کرنا اور ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے کئی فاؤں میں ایک شعر حافظ کا حفظ کیا ہے ؎

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو   رندی و خراباتی در عہد شباب اولٰے

اور پھر پڑھتے ہو اُس کے سامنے کہ اوس کی نظم کا دفتر حافظ سے دوچند سہ چند ہے - اور یہ بھی لحاظ نہیں کرتے کہ ایک شعر حافظ کا یہ ہے اور ہزار شعر اس کے مخالف ہیں - ''

دیکھئے تعریض کے جواب میں تعریض اور جواب الزامی اسی کا نام ہے - سب کچھ کہہ گئے - سب کچھ اعتراض کر گئے اور پھر کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے کوئی واعظ جلال کے ساتھ منبر پر وعظ کہہ رہا ہے کبھی کبھی ہنسی کی بات آتی ہے تو ہنس بھی دیتا ہے -

—— نواب امین الدین احمد خاں کچھ بیمار ہوئے - دوران علاج میں کہیں کسی مولوی .... نے یہ بھی کہدیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سحر کیا ہے - نوابی دربار امیرانہ کاروبار - اے لیجئے سب کو یہی خیال پختہ ہوگیا - بیماری آزاری کو بھول بھال کر سب جادو ٹونے کے پھیر میں پڑگئے - نواب علاء الدین خاں نے مرزا سے بھی اس خیال کا اظہار کیا - مرزا نے جواب لکھا اور ضمناً ایک دو لفظوں سے ملانوں کی بھی خبر لے لی - ذرا دیکھئے فرماتے ہیں -

" اسماء و آیات شفا بخش مقرر ہیں - ردِ سحر و دفع بلا اُن کے ذریعہ سے متصور ہے - لیکن ان ملاؤں اور عزائم خوانوں نے تہ توڑ دی ہے - کچھ نہیں جانتے اور باتیں بکھانتے ہیں - تمھارے باپ پر کوئی سحر کیوں کرے گا - بیچارہ الگ ایک ایسے گوشے میں رہتا ہے کہ جب تک کوئی وہاں کا قصد نہ کرے - کبھی کوئی وہاں نہ جائے - یہ خیال عبث - "

حروف فارسی اور ... قواعد مقررہ کا ذکر کرتے ہوئے صاحب عالم کو لکھتے ہیں - اور ملا عبد الواسع ہانسوی کا خاکہ اڑاتے ہیں -

" وہ میاں ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے جناب عبد الواسع فرماتے ہیں کہ بے مراد صحیح اور نامراد غلط - ارے تیرا ستیاناس جائے - بے مُراد اور نامراد میں وہ فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے - نامراد وہ جس کی کوئی مراد کوئی خواہش کوئی آرزو بر نہ آوے بے مُراد وہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو از قسم بے مدعا و بے غرض و بے مطلب ''

ایک جگہ فرہنگ نویسوں کی خبر لیتے ہوئے لکھتے ہیں -

" رہے فرہنگ لکھنے والے خدا ان کے بیچ سے نکالے اشعار قدما آگے دھر لئے اور اپنے قیاس کی مطابق چلدیئے - وہ بھی نہ کوئی ہمقدم نہ کوئی ہمراہ بلکہ سو بسو پراگندہ و تباہ - رہنما ہو تو راہ بتائے استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے - نہ آپ شیرازی - نہ استاد رمضانی - زہے رگ گردن و خے دعوی زباں دانی میرا یہ

قول خاص ہے نہ عام ہے۔ مجموعہ فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع برہان کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے۔ عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہوتا اگر منشاے برتری ہے۔ تو بیچارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۔ ایک لطیفہ لکھتا ہوں اگر خفا نہ ہو جاؤ گے تو حظ اٹھاؤ گے۔ جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانند پیاز ہیں۔ تو بتو۔ اور لباس در لباس وہم در وہم اور قیاس در قیاس۔ پیاز کے چھلکے جسقدر اتارتے جاؤ گے چھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا۔ مغز نہ پاؤ گے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاؤ لباس ہی لباس دیکھو گے شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو ورق ہی نظر آئیں گے معنی موہوم۔ ظرافت برمدار تحقیق نہیں ہے۔ آپ کے خاطر نشین کرتا ہوں جو میرے دلنشین ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ سراسر غلط ہے البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ خصوصاً دکھنی تو عجیب جانانہ ہے۔ لغو ہے پوچ ہے پاگل ہے دیوانہ ہے۔الخ"

ایک حکیم کا مقولہ ہے اور بالکل صحیح ہے کہ انسان زمانہ حال پر کبھی قانع نہیں رہتا۔ ہمیشہ ماضی کو یاد کرنا اور مستقبل کی اُمیدیں رکھنا اوس کا نصب العین ہوتا ہے۔ اور یہ جذبہ ایسا بے اختیاری ہے کہ .... بڑے بڑے صابر وشاکر بھی اس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں مرزا کے قلم سے ایسے ہی جملے نکلے ہیں جن میں بعض صرف گزشتہ زندگی کے واپس آنے کی تمنا میں ہیں۔ اور بعض شباب کے پلٹ آنے کی تمنا میں گو ان الفاظ ان جملوں ان فقروں کو درد میں ڈوبا ہوا۔ زہر میں بجھا ہوا نشتر ہونا چاہیئے۔ مگر مرزا کی ظرافت اون میں وہ شگفتگی پیدا کر دیتی ہے کہ ان کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں۔

"مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے۔ اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا ای فلک　　اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا"

مرزا تفتہ کو عجیب طرح سے ایام گزشتہ کی یاد دلاتے ہیں۔ اور تعلقات باہمی کو قدیم ثابت کرتے ہیں۔

"صاحب تم جانتے ہو۔ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا۔ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے۔ اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت در پیش آئے۔ شعر کہے۔ دیوان جمع کئے۔

اُسی زمانہ میں ایک - اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے - اور منشی نبی بخش نام تھا - اور حقیر تخلص تھا - نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ اختلاط - نہ وہ انبساط - اور چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا"
میر مہدی نے لکھا . . . . کہ میر سرفراز حسین کو جو کوئی قبا و کعبہ لکھتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں مرزا نے جواب دیا کہ

" خوش کیوں نہوں خوشی کی بات ہے - تمہارے سر کی قسم میں گویا دیکھ رہا ہوں اور میری نظر میں پھر رہا ہے وہ میر سرفراز حسین کا شرما کر آنکھیں نیچی کرنا - اور مسکرا نا -

نواب علاء الدین خاں کو ایک زمانہ یاد دلا کر کہتے ہیں - یہ وہ زمانہ ہے جب مرزا کثرت افکار و آلام کے ہجوم سے پریشان ہیں فرماتے ہیں -

" بھائی کو سلام کہنا - اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادہر متھرا داس سے قرض لیا - اُدہر دربار مل کو مارا ادہر خوب چند سکھ کی کوٹھی جا لوٹی - ہر ایک کے پاس تمسک مہری موجود - شہد لگاؤ چاٹو - نہ مول نہ سود اس سے بڑھکر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل بھوپی کے سر - با اینہمہ کبھی خان نے کچھ دیدیا - کبھی الور سے کچھ دلوا دیا - کبھی ماں نے کچھ آگرہ سے بھیجدیا - اب میں اور باسٹھ روپیہ آٹھ آنے کلکٹری کے سو روپیہ رام پور کے - قرض دینے والا ایک میرا مختار کار وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے - مول میں قسط اوس کو دینی پڑے - انکم ٹکس جدا - چوکیدار جدا - سود جدا - مول جدا - بی بی جدا - بچے جدا - شاگرد پیشہ جدا - آمد وہی ایک سو باسٹھ - تنگ آگیا گزارا مشکل ہو گیا - روزمرہ کا کام بند رہنے لگا - سوچا کہ کیا کروں کہاں سے گنجائش نکالوں قہر درویش بجان درویش صبح کی تبرید متروک چاشت کا گوشت آدہا - رات کی شراب و گلاب موقوف - بیس بائیس روپیہ مہینہ بچا - روزمرہ کا خرچ چلا - یاروں نے پوچھا تبرید و شراب کب تک نہ پیوگے - کہا گیا جب تک وہ نہ پلائیں گے - پوچھا نہ پیوگے تو کس طرح جیوگے - جواب دیا جس طرح وہ جلائیں گے بارے مہینا پورا گزرا تھا کہ رام پور سے علاوہ وجہ مقرری اور روپیہ آگیا - قرض مقسط ادا ہو گیا - متفرق رہا - خیر رہو - صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہو گئی - گوشت پورا آنے لگا - چونکہ بھائی نے وجہ موقوفی اور بحالی پوچھی تھی اون کو یہ عبارت پڑھا دینا - "

منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں -

" پنڈت بدری ناتھ یا بدری داس ڈاک منشی کرنال باآنکہ مجھ سے اُس سے ملاقات ظاہری نہیں ہے مگر میں جب جیتا تھا تو وہ اپنا کلام میرے پاس اصلاح کے واسطے بھیجتا تھا بعد اپنے مرنے کے میں نے

اُس کو لکھ بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہرگوپال تفتہ کے پاس بھیجدیا کرو۔"

چودھری عبد الغفور سرور کو لوگوں کی ماہ نیم ماہ کی پرسش پر یہ جواب دیتے ہیں۔

"اس کتاب کا نام پرتوستاں ہے اور اس کے دو مجلد ہیں۔ پہلی جلد میں ابتدائے خلقت عالم سے ہمایوں کی سلطنت تک کا ذکر۔ دوسرے حصہ میں اکبر سے بہادر شاہ کی سلطنت تک کا بیان۔ پہلے حصہ کا نام مہر نیم روز دوسرے حصہ کا اسم ماہ نیم ماہ۔ بارے پہلا حصہ تمام ہوا چھاپا گیا۔ جا بجا بھیجا۔ قصد تھا جلال الدین اکبر کے حالات لکھنے کا کہ امیر تیمور تک کا نام و نشان مٹ گیا۔ آن دفتر را گاؤ خورد۔ وگاؤ را قصاب برد قصاب در راہ مُرد۔

صاحب عالم نے یاد دلایا کہ آپ نے مارہرہ کا ارادہ کیا تھا۔ اوسی کے جواب میں انھوں نے چودھری عبد الغفور کو یہ لکھا جوانی کی یاد ایک ایک حرف سے ٹپک رہی ہے۔

"شیخ محی الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا تھا کہ جی یوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرے جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں اب وہ دل کہاں سے لاؤں طاقت کہاں سے پاؤں۔ نہ آموں کی طرف وہ رغبت نہ معدہ میں اتنے آموں کی گنجایش۔ نہار منھ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کھانا ہی نہیں جو کھوں بین الطعامین۔ ہاں آخر روز بعد ہضم معدہ آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں اتنے آم کھاتا تھا۔ پیٹ بھر جاتا تھا۔ اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت ہوں مگر دس بارہ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات ۔

دریغا کہ عہد جوانی گزشت　　جوانی مگو زندگانی گزشت"

حسرت و ارمان کی روزانہ ناکامی کا انجام یاس ہوتا ہے۔ مرزا نے بھی وہ وہ غم و الم۔ اور پیہم ناکامیاں جھیلی ہیں کہ آزادروی کے باوجود بھی وہ کہیں کہیں اس جذبۂ بے اختیار سے چیخ اٹھتے ہیں۔ مگر نہ اس طرح کہ سننے والوں کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں۔ بلکہ اس طرح کہ سننے والے کے دل پر جتنا اس فریاد و فغاں کا اثر ہوتا ہے اتنا ہی وہ اُس ظرافت مضمر سے ہنسنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ مختلف جذبوں میں ملا جلا یہ جذبہ بہت زیادہ میرزا کے یہاں... موجود ہے۔

لوگ کہتے تھے کہ راجۂ الور کی تعریف میں کوئی قصیدہ کہئے۔ کچھ تعریف کیجئے فلاح کی امید یقینی ہے۔ مگر مرزا اپنے نصیب و تقدیر کو خوب پہچانتے تھے اور ان کا عقیدہ ہو گیا تھا کہ مجھے کسی سے کچھ ملنا نہیں ہے۔ اگر اتفاقاً میں کسی دامن سے وابستہ ہوا بھی تو وہ دامن ہی نہ رہے گا۔ جیسا کہ بعض بعض جگہ اس خیال کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ؎

"غالب کچھ اپنی سعی سے لینا نہیں مجھے　　خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو"

حکیم غلام نجف خاں کو الور کے بارہ میں لکھتے ہیں۔

"صاحب تم سچ کہتے ہو بھائی فضل اللہ خاں کی غمخواری کا کیا کہنا ہے۔ مگر الور سے مجھ کو اتنا تو ہمیں یاد رکھنا کہ وہاں سے مجھے کچھ نہ آئے گا۔ بفرض محال اگر ملا تو ڈھائی سو روپیہ سو وہ بھی مجھے بھائی فضل اللہ خاں کا دینا ہے۔ ان کا قرض ادا ہو جائے گا۔ احیاناً اگر خلاف میرے عقیدہ کے پانچسو روپیہ کا حکم ہوا۔ اور وہ آجائیں تو تم بعد اطلاع ڈھائی سو میاں فضل کو دے کر مجھ کو لکھنا باقی کے واسطے میں جس طرح لکھوں اوس طرح کرنا۔ لو صاحب شیخ چلی نے نیا خیالی پلاؤ پکایا۔"

نواب امین الدین خاں کی تعریف کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"آج تم دونوں بھائی اس خاندان میں شرف الدولہ اور فخر الدولہ کی جگہ ہو۔ میں لم یلد ولم یولد ہوں میری زوجہ تمھاری بہن۔ میرے بچے تمھارے بچے ہیں۔ خود جو میری حقیقی بھتیجی ہے وہ بھی تمھاری ہی اولاد ہے۔ نہ تمھارے واسطے بلکہ ان بیکسوں کے واسطے تمھارا دعاگو ہوں۔ اور تمھاری سلامتی چاہتا ہوں۔ تمنا یہ ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ ایسا ہی ہوگا۔ کہ تم جیتے رہو اور میں تم دونوں کے سامنے مر جاؤں تاکہ اس قافلے کو اگر روٹی نہ دو گے چنے تو دو گے۔ اور اگر چنے بھی نہ دو گے اور بات بھی نہ پوچھو گے تو میری بلا سے میں تو موافق اپنے تصور کے مرتے وقت ان فلک زدوں کے غم میں نہ الجھوں گا۔"

جب آدمی انتہائی مایوس ہو جاتا ہے تو ایسے ہی کلمے اُس کی زبان و قلم سے نکلا کرتے ہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس مضبوطی اور استقلال کے ساتھ کہ یاس میں بھی مزاحیہ رنگ نمودار ہے۔

نواب انور الدولہ سعد الدین خاں شفق نے کچھ اپنے عزیزوں کے جور و جفا کے حالات لکھے۔ مرزا پہلے ہی اُن کے ظلم اٹھائے ہوئے تھے۔ تڑپ اُٹھے اور جواب میں یہ یاس انگیز فقرے لکھے۔

"سبحان اللہ اکثر امور میں تم کو اپنا ہم طالع پاتا ہوں۔ عزیزوں کی ستم کشی اور رشتہ داروں سے ناخوشی میرا ہموم تو سراسر قلم و ہند میں نہیں سمرقند میں دو چار یا دشت خنجاق میں سو دو سو ہوں گے۔ مگر اقرباء سببی ہیں سو پانچ برس کی عمر سے اون کے دام میں اسیر ہوں اکسٹھ برس ستم اٹھائے ہیں ؎

گر دہم شرح ستمہائے عزیزاں غالب　　رسم امید ہمانا زجہاں برخیزد

نہ تم میری خبر لے سکتے ہو۔ نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اللہ اللہ دریا سارا اتر چکا ہوں ساحل نزدیک ہے۔ دو ہاتھ لگائے اور بیڑا پار ہے۔"

مرزا قربان علی بیگ سالک الور میں تھے۔ کوشش کر رہے تھے کہ مرزا کو ریاست سے کچھ نفع پہونچے مرزا کو معلوم ہوا تو یہ یاس انگیز فقرے لکھے۔

"تجھکو خدا جیتا رکھے اور تیرے خیالات اور احتمالات کو صورت وقوعی دے۔ یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں مخلوق کا کیا ذکر۔ کچھ بن نہیں آتی اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔"

غالباً آخری یاس انگیز فقرے ایسے ہیں جو تمام رنج و غم کو دریا برد کر دیتے ہیں

حقوق خسروانہ یا تعلقات دوستانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جی چاہتا ہے تو مرزا کہیں کہیں دعائیہ فقرے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور اس رنگ میں کہیں بزرگ بنجاتے ہیں۔ کہیں پہونچے ہوئے فقیر نظر آتے ہیں۔ کہیں رند لاابالی یا... قلندر منش چار ابرو صاف رکھنے والوں کی طرح کچھ اس قسم کی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ سننے والا دعا سنتا ہے اور یقیناً اگر اس کو غالب کے مستجاب الدعوات ہونے اور دعا کے باب اجابت تک پہونچنے کا یقین بھی نہیں آتا پھر بھی تھوڑی دیر کے لئے وہ اتنا خوش ہو جاتا ہے کہ درویشی و شاہی میں فرق نہیں کر سکتا۔

میاں داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں۔

"سیف الحق میاں داد خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہونچے"

حکیم غلام نجف خاں نے ہنگامۂ غدر کے اختتام کے بعد جب بالکل امن و امان ہو گیا۔ اور وہ بے گناہ قیدی چھوٹنے لگے جو در اصل ناکردہ گناہ تھے۔ غالباً جنوری ۱۸۶۰ء میں غلام فخر الدین خاں کی برئت اور رہائی کی مرزا کو خبر دی۔ مرزا نے جواب میں اور تو خیر جو کچھ لکھا ہے وہ ہے ہی مگر دو دعائیہ فقرے بہت مزے دار ہیں۔ ایک تو یہ

"بھائی ہاں غلام فخر الدین کی رہائی زندگی دوبارہ ہے خدا تم کو مبارک کرے۔ سنتا ہے لوہارو بھی اُن دونوں صاحبوں کو مل گیا یہ بھی ایک تہنیت ہے خدا سب کا بھلا کرے"

معلوم ہوتا ہے بڑے کامل پہونچے ہوئے درویش ہیں جن کی بھوؤں سے آنکھیں تک ڈھنکی ہوئی ہیں۔ آنکھوں کے سامنے سے.... بالوں کی چلمن اٹھا کر فرما رہے ہیں۔

حکیم ظہیر الدین حکیم غلام نجف خاں کے فرزند تھے۔ مرزا اُن کو بچوں کی طرح چاہتے تھے۔ اگر کبھی خط میں بیماری یا اُن کا حال نہ معلوم ہوتا تو حکیم غلام نجف خاں سے شکایتیں کرتے۔ اور خیریت وغیرہ دریافت کر کے چھوڑتے۔ غرضکہ مرزا کو ان سے دلی تعلق تھا۔ ایک مرتبہ ظہیر الدین نے خط لکھا مرزا نے جواب بھیجا اسی دوران میں حکیم غلام نجف کو بھی خط لکھنے کا اتفاق ہوا۔ معمول کے موافق دعا کا لکھنا ضروری تھا۔ اور کچھ دلجوئی کے فقرے بھی... حسب العادہ لکھنا تھے۔ اور حال یہ تھا کہ تھک گئے تھے شام ہو گئی تھی لہذا یہ لکھا۔

"حکیم ظہیر الدین کو دعا۔ بیٹا اب اس وقت مجھ میں دم نہیں دعا پر قناعت کر۔ تیرے خط کا جواب جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں بھیج چکا ہوں۔ جھوٹے پر لعنت۔ تو بھی کہہ بیش باد"

ایک مرتبہ غلام نجف خاں ہی کے خط میں ظہیر الدین کو لکھا۔

"ظہیر الدین دعا سے خفا ہوگا اس کو میری بندگی کہنا"

میر سرفراز حسین سے ہمیشہ نوک جھوک ہوا کرتی تھی۔ اور میر مہدی کے خط اسی کے لئے وقف تھے ایک مرتبہ اُن کو خط میں لکھتے ہیں۔

"مجتہد العصر کو دعا لکھوں بندگی لکھوں کیا لکھوں۔ بھئی وہ مجتہد ہیں ہوا کریں۔ میرے تو فرزند ہیں میں دعا ہی لکھوں گا۔ اور اسی طرح میر نصیر الدین کو بھی۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"مجتہد العصر اور حکیم میر اشرف علی کو کہ وہ اُن کے علم کی کنجی ہیں اور ٹکے ٹکے کی کتابیں چالیس پچاس روپیہ کو لے گئے میری دعا کہدینا۔"

دیکھئے یوں تو ایک معمولی دعا ہے۔ مگر ایک جملہ معترضہ لکھ کر کس قدر لطف پیدا کر دیا ہے۔

(۲)

غالب کی شوخیاں اُردو نظم میں

جیسے داد دینے والوں کے دو جملے مشہور و معروف ہیں "واہ اور آہ" اسی طرح بہ لحاظ تاثیر شعر کی بھی دو قسمیں ہیں انبساطی و انقباضی۔ انبساطی سے یہ مراد ہے کہ اوس میں کچھ مضمون ایسے نظم کئے جائیں۔ جنکا ماحصل اور آل شگفتگی ہو۔ اور جن کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے ایک بے حس سے بے حس بھی انھیں جذبات طرب سے متاثر ہو جائے جنکا ذکر اکثر شاعر نے کیا ہے۔ اس قسم کے شعروں میں کچھ وصل کا بیان کچھ اپنے حوصلے اور ارادے۔ کچھ معشوقوں کی۔۔۔ شوخیوں ستم ظریفیوں کا رونا۔ کچھ ساقی کی کرامات کا مذکور کچھ پیر مغاں کی دریادلی کے حالات۔ کچھ پینے پلانے کا ذکر۔ کچھ اپنے حسن کی تعریف وغیرہ سے شگفتہ زبان کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ طعن۔ طنز۔ تشنیع۔ پھبتی۔ آوازے وغیرہ بھی اسمیں شامل ہوتے ہیں۔ واعظوں پر چوٹیں بھی اسی میں کی جاتی ہیں۔ وصل کی دعائیں بھی اسی میں مانگی جاتی ہیں۔ خم کے خم چڑھا کر صبر نہ آنے کا بھی یہیں مذکور ہوتا ہے۔ مگر یہ سب بہت ہلکی ظرافت اور معمولی سی شوخی کے ساتھ۔

انقباضی اشعار میں ہجر کے سوز و ساز۔ جدائی کی تکلیفوں شب غم کی مصیبتوں تنہائی کی جانستاں اذیتوں معشوقوں کی بیوفائیوں کج ادائیوں۔ ستم آشنائیوں۔ رقیبوں کی کارفرمائیوں۔ آسمان کی کجروی بدنصیبی کے جور و الم۔ صیاد و گلچیں کے

ظلم کی داستان۔ آشیاں کے عین موسم بہار میں اُجڑنے،۔۔۔۔ وصل کی رات کے چھوٹے ہونے اور ہجر کی رات کے بڑھ جانے کا بیان ہوتا ہے یا اسی قسم کے دوسرے مضامین نظم کئے جاتے ہیں۔ ان شعروں کے کہنے میں شاعر اپنے آپ کو اُن مصیبت زدوں میں فرض کر لیتا ہے۔ جن کا دین و دنیا میں کہیں ٹھکانا نہیں اور جنھیں کہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ایسے شعروں کا مآل تاثیر و تاثر۔ سوز و گداز پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور بیشتر انھیں شعروں کو غلط طریقہ پر نشتر قرار دیا جاتا ہے۔

قدما کے یہاں یہ دونوں رنگ ملے جلے پائے جاتے ہیں۔ جتنا کسی کے یہاں سوز ہے۔ اتنا ہی ساز ہے اور جس قدر انبساط ہے اوسی قدر گداز ہے۔ ولی سے لے کر داغ و شیفتہ و حالی تک اور ناسخ و آتش سے صبا و زیر وغیرہ تک برابر اس قسم کا رنگ ملتا ہے۔ صرف طرز بیان۔ اور انداز نظم کا فرق ہے۔ لکھنؤ والے جو بات الفاظ۔ استعارات۔ تشبیہوں ضلع جگت۔ مراعات النظیر کے ساتھ کہتے ہیں۔ دلی والے اس کو جذبات و کیفیات انسانی سے مطابق کر کے لکھتے ہیں۔

دلی والوں کے یہاں چونکہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ جذبات سے منطبق کرتے ہوئے کہا گیا ہے اس واسطے ذرا تعجب بھی نہیں اگر ہم کو اُن کے یہاں انبساطی رنگ زیادہ گہرا نظر آتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اُن لوگوں نے رسماً۔ اتباعاً۔ مجبوراً اس رنگ کو نہیں کہا ہے بلکہ جو کچھ کہا ہے دل سے اور دل کی خواہش سے۔ وہ اصل میں یہ چاہتے تھے کہ غزل کا دیکھنے والا جب دس جگہ جذبات حزن و یاس سے متاثر ہو کر۔ آہ کرے ایسی حالت میں کچھ نہیں تو پانچ جگہ تو اے واہ کا موقع اور ہنسنے کی دعوت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو پوری غزلوں میں دو دو اور چار چار شعر اس قسم کے ملیں گے۔ جو اس رنگ میں کہے گئے ہیں اور دانستہ کہے گئے ہیں۔

سودا کو جانے دیجئے۔ وہ ہجو گو تھے۔ شوخ تھے۔ بیباک تھے۔ لاابالی تھے میر تقی میر کو لے لیجئے۔ اُن کو دیکھئے ان کے وقار اون کے مرتبہ۔ اُن کی بلند خیالی کو دیکھئے۔ اُن کے انداز بیان ان کی غزل کو دیکھئے۔ اس شعر کو دیکھئے

وے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں۔ سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا۔ اور پھر اس کے بعد یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

باہم ہوا کریں ہیں دن رات نیچے اوپر — یہ نرم شانے لونڈے ہیں مخمل دوخوابہ
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں — ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

اسی غزل کا مقطع ہے ؎

مت مل اہل دول کے لڑکوں سے — میر جی ان سے مل فقیر ہوئے

اسی طرح سیکڑوں غزلوں میں ایسے شعر ملیں گے جن کا مقصد اس کے سوائے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہنسنے اور ہنسانے کے لئے کہے گئے ہیں۔ اور زہر میں چٹکی بھر شکر بھی ملادی ہے۔

میر سوز کو دیکھئے اور ان شعروں کو دیکھئے بس ہنسی آتی ہے اور کچھ نہیں ؎

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پری رو ارے لے لے رے اے رے رے اے رے

میں تو کہتا ہوں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو یہ کہے کہ برجستہ مصرع بنا کہدیا۔ اس میں انبساط کو دخل نہیں اسی طرح زینہ بہ زینہ حالی تک چلے آئیے تو ان کے یہاں بھی یہ شعر نظر آئے گا

ابی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

متقدمین لکھنو پر نظر ڈالئے تو سب سے پہلے ناسخ کو دیکھئے جنہوں نے شیخ پر پھبتی کہکر بالکل جوچخ بنا دیا ہے ؎

دیکھنا ناسخ سر شیخ معجم کی طرف کیا کلس مسواک کا ہے گنبد دستار پر

آتش کہتے ہیں ؎ ہوتا ہے خوشنوائی بلبل سے آشکار یہ مشت پر بھی شاعروں کا احتلام ہے

بوسہ بازی سے مری ہوتی ہے ایذا ان کو منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں مہاسے پیدا

خلیل وصل کی شب پلنگ کے اوپر مثل چیتے کے وہ مچلتے ہیں

فلق بٹی کے نیچے بیٹھا رہا رات بھر فلق سوئے وہ اینڈا اینڈ کے سارے پلنگ پر

ناسخ تیار رہتی ہیں صف مژگاں کی پلٹنیں رخسار یار ہے کہ جزیرہ فرنگ کا

الغرض متقدمین میں وہ دلی کے ہوں یا لکھنؤ کے کوئی ایک شاعر بھی ایسا نہیں جس کا کلام اس قسم کی ظریفانہ آمیزش سے پاک ہو۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ افراط و تفریط نے اس رنگ کو بعض جگہ نہایت بدنما بنا دیا ہے

مگر غالب کی منظوم شوخیاں سب سے علیحدہ ہیں اور حد درجہ لطیف۔ وہ کھرے سے کھرے خیال میں بھی اپنے انداز بیان سے ایک بات ایسی پیدا کر جاتے ہیں کہ اگر کوئی چاہے تو بہت لطف لے سکتا ہے۔ ذیل کے شعروں سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے:—

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کاشکے تم مرے لئے ہوتے

اس شعر میں جو شوخی انداز بیان سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ؎

منہ نہ دکھلائے نہ دکھلا پر باندازِ عتاب کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

ایک شاعر کو ایک عاشق کو استدعا کی سو سو جگہ ضرورتیں پڑتی ہیں اور جا بجا وہ اس رنگ سے کام لیتا ہے انھیں میں مرزا بھی ہیں۔ مگر ادائے خاص کے ساتھ وہ اس جذبہ کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ اور اس طرح کہہ جاتے ہیں کہ سننے والے کو خواہش رہتی ہے کہ ابھی اور کچھ کہتے۔

دے مجکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے

استہزا کے معنی لغت میں تمسخر کرنے کے ہیں۔ اور عوام کا یہ دستور ہے کہ دوسروں پر اکثر استہزا کرتے ہیں۔ مگر مرزا کہیں کہیں اس حربہ کو اپنے خلاف بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور اس وقت وہ اپنے آپ کو اپنا دشمن خیال فرماتے ہیں چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

اسد یہ عجز و بے سامانیٔ فرعون توام ہے جسے تو بندگی کہتا ہے دعوےٰ ہے خدائی کا

بندگی و خدائی کا ذکر جس شوخی سے اس شعر میں ہوا ہے وہ غالب ہی کا حصّہ ہے ؎

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

پہلے مصرع میں ہم گرہ کا لفظ رکھ کر شوخی کی روح پھونک دی ہے ؎

جاتا ہوں جدھر اٹھتی ہی سبکی ادھر انگشت یکدست جہاں مجھسے پھرا ہی مگر انگشت

میں جہاں جاتا ہوں سب کی ادہر ہے انگلی اٹھتی ہے گویا سارا جہاں مجھسے پھر گیا ہے بس انگلی ہی انگلی میرے ساتھی رہ گئی ہے کسقدر لطیف ظرافت ہے

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

دوسرا مصرعہ بالکل ظرافت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے

مرزا کے آزادانہ جذبات میں بھی ایک ہلکا سا شوخ رنگ پنہاں ہے جو دور بین نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

اور ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

اس طرح اپنی آزادی کو اسی انداز کی متین شوخی کے ساتھ فرماتے ہیں

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا
ہمسے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایکدن ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھکر عذر مستی ایکدن

اس میں رنگ خاص بہت واضح ہے مندرجۂ ذیل شعر کے شوخ ارادے کو دیکھئے ؎

ان پریزادوں سے لینگے خلد میں ہم انتقام قدرت حق سے اگر حوریں یہی واں ہو گئیں

یا یہ:-

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن　　دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

یہ شعر ملاحظہ ہو:-

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھینگے　　لے آئیں گے بازار سے جاکر دل و جاں اور

عشق کی شان دیکھئے اور پھر یہ طنزیہ اطمینان

ظرافت اور افسوس دو مختلف النوع جذبوں کا جمع کرنا آسان نہیں مرزا ان دونوں کو ایک جگہ جمع کرکے فرماتے ہیں سے

اسد اللہ خاں تمام ہوا　　اے دریغا وہ رند شاہد باز

مندرجہ ذیل شعروں کی شوخی کو دیکھئے

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں　　رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں　　ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایکدن

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ　　سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن　　بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں　　آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں

روزہ میرا ایمان ہے لیکن غالب　　خس خانۂ و برفاب کہاں سے لاؤں

اس میں شک نہیں کہ مرزا کی شوخیوں اور بذلہ سنجیوں کو معانی سے خالی سمجھ کر کہیں لفظ کا پابند بتانا بُرا ہے اور حقیقتاً ان کے کلام پر ایک تہمت تراشنا ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہنا ہی پڑتا ہے کہ دریا ہے جدھر بہہ نکلا بہہ نکلا پھر کسی کے روکے رک نہیں سکتا۔ یہاں یہی غور کرنا چاہئے کہ ظرافت فی المعنی سے جدا ہو کر الفاظ میں کیونکر لطافت اور ظرافت کی روح پھونک دیتے ہیں۔ جیسے

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب　　جادۂ راہ کشش کاف کرم ہے

اسی طرح کا یہ شعر بھی ہے:-

اسد قربان لطف جور بیدل　　خبر لیتے ہیں لیکن بیدلی سے

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لئے　　　وحشت کدۂ تلاش کرنے کے لئے
مغرور وفا نہو کہ جوں کاغذ باد　　　ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لئے

ایک جگہ بادشاہ کو دعا دیتے ہیں۔ مگر گڑگڑا گڑگڑا اور رو رو کر نہیں بلکہ ہنسکر۔ بات سیدھی کہتے ہیں مگر معنی آفرینی کی حد کر دیتے ہیں ؎

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے　　　تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں گانٹھ　　　ہے صفر کہ افزایش اعداد کرے

کسی کو دل دے کر مجبوراً لوگوں سے دل کا درد بھی کہنا پڑتا ہے۔ حالات معشوق سے بھی اطلاع دینی پڑتی ہے۔ مرزا بھی اس آئین عشق سے مجبور ہو گئے ہیں۔ جا بجا شکایات و حکایات کا دفتر کھولنا پڑتا ہے۔ لیکن اس طرح۔ ؎

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسدؔ　　　مال سنی کو مباح اور خون صوفی کو حلال

اور اشعار ملاحظہ ہوں :۔

سر کھجاتا ہی جہاں زخم سر اچھا ہو جائے　　　لذت سنگ بہ اندازۂ تقریر نہیں
تیرے بیمار پہ ہیں فریادی　　　وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ہیں
علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب　　　گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں
مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور　　　تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو
اسدؔ کو بوریے میں دھر کے پھونکا موج ہستی نے　　　فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی
چھوٹی اسد نہ ہم سے گدائی میں دل لگی　　　سائل بنے تو طالب اہل کرم بنے

کہیں نواب علاء الدین خاں نے ایک غزل کی فرمایش کی آپ اظہار حال کرتے ہوے فرماتے ہیں ؎

مجھ سے غالبؔ یہ علائی نے غزل لکھوائی　　　ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

مندرجۂ ذیل شعروں کو افلاس میں کہئے یا بیان حال ؎

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو　　　اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانیکو کچھ نہو　　　روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

اسی طرح اس قطعہ میں افلاس اور بیان حال دونوں شامل ہیں مگر حد درجہ شوخی کے ساتھ ایک قصیدہ کے یہ شعر ملاحظہ ہوں

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں　　　ذوق آرایش سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر　　　تا نہ دے باد زمہریر آزار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ　　بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں　　دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی　　وقنا ربنا عذاب النار
مری تنخواہ جو مقرر ہے　　اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات　　اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار
بسکہ لیتا ہوں ہر مہینہ قرض　　اور رہتی ہے سود کی تکرار
مری تنخواہ میں تہائی کا　　ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا　　آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

مرزا کی بعض پھبتیاں ملاحظہ ہوں :۔

معشوق کے دل لیجانے پر پھبتی ؎　　شمار سُبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا　　تماشائے بیک کف بُردن صد دل پسند آیا
زاہد کی سیہ کاری پر پھبتی ؎　　بسکہ ہیں درپردہ مصروف سیہ کاری تمام　　استر ہے "خرقہ" زہاد کا صوف مداد
خیالی پلاؤ پکانیوالوں پر پھبتی ؎　　تو پست فطرت اور خیال بسا بلند　　اے طفل خود معاملہ قد سے عصا بلند

مرزا کہیں کہیں کسی کے خیال کو جھٹلاتے ہیں تو عجب پُرلطف اور نازک اور لطیف ظرافت کے ساتھ جھٹلاتے ہیں۔ مندرجۂ ذیل اشعار کو دیکھئے۔

تکذیب چارہ گر یا عوام ؎　　پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا　　یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو
تکذیب بیان معشوق ؎　　کیا وہ بھی بیگنہ کش و حق ناسپاس ہیں　　مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
تکذیب نامہ بر ؎　　طرف سخن نہیں ہے مجھ سے خدا نکردہ　　ہے نامہ بر کو اس سے دعوائے ہمکلامی
تکذیب معشوق ؎　　کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا　　بس چپ رہو ہمارے بھی منھ میں زبان ہے

مرزا کہیں کہیں تعجبیہ سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً مرزا زین العابدین کا انتقال ہو گیا ہے۔ مرزا اپنے تخیل میں اُن کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں اور نوحہ کے ساتھ اپنے رنگ خلقی کو شامل کرتے ہیں کہتے ہیں۔

؎　　تم ایسے کہاں کے تھے کھرے داد و ستد کے　　کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
دوسری جگہ ؎　　ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب　　قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

معشوق کو ذکرِ غیر پر تنبیہ ؎ ہے مجھکو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہو

دل کو امیدِ حصولِ تمنا پر تنبیہ ؎ حاصل سے ہاتھ دہو بیٹھ اے آرزو خرامی دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

۔۔۔ مرزا کی توجیہوں کا رنگ آپ نثر کے حصہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اب نظم میں دیکھئے :-

توجیہ کثرتِ مینوشی ؎ کل کیلئے کر آج نہ خست شراب میں : یہ سوئے ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

توجیہ تخفیفِ عذاب ؎ حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

توجیہ تیرہ بختی ؎ ہمیشہ مجھکو طفلی میں بھی مشقِ تیرہ روزی تھی سیاہی ہے مرے ایام میں لوحِ دبستاں کی

توجیہ بطلانِ قولِ معشوق ؎ مدعا در پردہ یعنی جو کہوں باطل سمجھ : وہ فرنگی زادہ کھاتا ہے قسم انجیل کی

توجیہ رندی ؎ مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیئے بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیئے

توجیہ ہیچمدانی ؎ دہن اوس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی ہیچ مدانی میری

توجیہ ناآشنائی ؎ کانو نپہ ہاتھ دہرتے ہیں کرتے ہوئے سلام ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

متین آدمی اپنی حد سے گزر کر تمسخر پر بھی آجاتا ہے تب بھی وہ اپنی شان کو ملحوظ رکھتا ہے کیسا ہی کچھ کہے پھر بھی کچھ نہ کچھ متانت اُس میں ہوتی ضرور ہے۔ مرزا بھی کہیں کہیں کچھ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں ملاحظہ ہو

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز

مدتوں دعا مانگی۔ قبول نہیں ہوئی تو اب یہ مسخرا پن سوجھا ہے کہ وہ دعا مانگ رہے ہیں جو قبول ہو چکی شیخ سے تمسخر کرتے ہیں۔

شیخ جی کعبہ کا جانا معلوم آپ مسجد میں گدھا باندھتے ہیں

اپنے اوپر بھی کبھی کبھی ہنس لیا کرتے ہیں۔ اور غیروں کی طرح خوب بناتے ہیں ؎

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

رندانہ۔ عاشقانہ۔ شاعرانہ چالاکیوں کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ اُن سے فی الواقع بہت بڑے اہم نتائج پیدا ہوں بلکہ برعکس اس کے شاعر کے فلسفہ کی طرح اون کا مقصدِ اصلی اکثر جگہ صرف دل خوش کرنے تک محدود ہوتا ہے۔ مرزا کی بیان کی ہوئی چالاکیوں کو بھی ایک نظر دیکھ جائیے ؎

گھر جب بنالیا ترے در پر کہے بغیر جانیگا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

لوگوں کو ہے خورشیدِ جہانتاب کا دہوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

سیکھے ہیں مہ رخوں کیلئے ہم مصوری — تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین — ہاں منھ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے
مگر لکھوائے اُسکو کوئی خط تو ہم سے لکھوائے — ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے

بیان حال اور حال کو قریب قریب ہی سمجھئے۔ مگر دونوں کو ایک نہ جانئے:-

حال اضطراب سے	اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں	کہ ہے سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا
حال خانمان عاشق سے	خانمان عاشقاں دکان آتش باز ہے	شعلہ رویاں جب ہوئے گرم تماشا جلگیا
حال وارادہ سے	کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی	گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
حال دولت خانہ سے	اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر	مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

حسن طلب اُسی طلب کا نام ہے جس میں کچھ شوخی ہو۔ کچھ ندرت بیاں ہو۔ کچھ ظرافت ہو۔ کچھ جدت ہو۔ ان باتوں کی ضرورت ہر طلبگار کو ضرورت ہے اور خصوصیت سے ہر شاعر کو۔ اور مخصوصانہ طریق پر اوس کو جس کی طبیعت میں ظرافت خلقی مرزا کا ایک قطعہ بیان حال میں لکھا جا چکا اوس میں طلب جس شوخی اور حسن سے کی گئی ہے اُسی کے لگ بھگ یہ شعر بھی ہیں مگر جذبات مختلف ہیں۔

حسن طلب توجہ سے	بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات	سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر
" سے	غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض	ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر
" سے	غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا	وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں
" سے	سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی	مجھ پہ کیا گزریگی اتنے روز حاضر بن ہوئے
" سے	تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد	تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے
حسن صفت سے	ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا	وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

مرزا کہیں کہیں عاشقانہ حماقتوں کا بیان کرتے ہیں تو لطف آجاتا ہے۔ اول تو کسی کی حماقت یوں ہی ہنسنے ہنسانے والی چیز ہوتی ہے۔ مگر اوس وقت خصوصیت سے یہ شراب دو آتشہ ہو جاتی ہے جب اس میں ظرافت کا چھینٹا دیا جاتا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ آسمان کو غارت گر سبھی نے کہا ہے۔ مگر مرزا اُسے اپنی اسامی یا اپنا قرضدار کہکر اور فنی رنگ پیدا کر دیتے ہیں۔

یاس ؎ فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے — متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

؎ گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی — اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

جیسا کہ نثر کے بیان میں ہم لکھ چکے ہیں اسی صورت سے یہاں بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ بمقتضائے بشریت کہیں کہیں مرزا کو خوشی بھی ہوتی ہے۔ مگر نظم میں فرق اتنا ہے کہ یہاں جسقدر جذبات ہیں انھیں محکِ عاشقی پر کسنا ضروری ہے اور وہاں سب جذبات صرف مرزا صاحب کی ذات سے مخصوص ہیں۔ پھر بھی رنگ ظریفانہ موجود ہے اور کچھ عجیب طرح کی خوشی ہے

فراغت کی خوشی ؎ نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا — رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

خیریت کی خوشی ؎ میں اونھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں — چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

اضطرابی خوشی ؎ اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے — کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

مجبورانہ خوشی ؎ عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر — آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

عاشق کو خوف کا ہر وقت سامنا ہوتا ہے اور ہر وقت آفتِ تازہ کا اندیشہ رہتا ہے۔ مرزا اس سے کیونکر بچتے مگر اس جذبہ کے اظہار میں بھی وہی رنگ ہے ایک آدھ شعر نمونتاً دیکھئے ؎

تمھیں کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا — بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

دریافت حال تعجب کے ساتھ ؎ ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند — گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

شوخی ہر حال میں شوخی ہے۔ اس کے متعلق چند شعر درج کئے جاتے ہیں

شوخی معشوقانہ ؎ کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا — خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

" ؎ میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی — سنکے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یوں

شوخی عاشقانہ ؎ غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں — بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منھ سے مجھے بتا کہ یوں

شوخی معشوقانہ ؎ میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمھیں — کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

شوخی ؎ زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالب — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

طعن طنز رشک وغیرہ کے مضامین غالب سے بہتر شاید کسی نے مشکل سے کہے ہوں گے ؎

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب　　سیر کیواسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں :-

دل پر طنز ؎	درس تپش ہی برق کو اب اسکے نام سے	وہ دل ہے یہ کہ جس کا تخلص صبور تھا
عاشقانہ طنز ؎	آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے	صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
زاہد پر طنز ؎	ستائش گر ہے زاہد اسقدر جس باغ رضواں کا	وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیاں کا
اپنے اوپر طنز ؎	یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب	تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
" "	نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب	ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو
معشوق سے طنز ؎	بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ	دلمیں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے
واعظ پر طنز ؎	کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ	پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے
خضر پر طنز ؎	وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر	نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے
واعظ پر طنز ؎	کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ	خلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی

غصہ کی حالت میں مرزا کی شوخی دیکھئے :-

؎ شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا　　آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

؎ یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں　　عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

ایک جگہ تقدیر پر غصہ ہو کر کہتے ہیں

لکد کوب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی　　مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

عشق کا قانون و آئین - اور مرزا صاحب کا بیان قابل ملاحظہ ہے۔

بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے　　قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ　　شہیدان وفا کا خوں بہا کیا

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے　　تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اُسکی گردن پر　　وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلا

بدقسمتی سے جیسے ہر شاعر میں تھوڑا بہت فلسفہ کا ذوق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ کبھی کبھی واعظ بھی ہو جاتا ہے

غالب نے اس رنگ کو جس شوخی کے ساتھ اختیار کیا ہے ملاحظہ ہو :-

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد ۔۔۔ دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا
نہ کہہ کہ طاقت رسوائی وصال نہیں ۔۔۔ اگر یہی عرقِ فتنہ ہے مکرر کھینچ
بسمل اس تیغِ دودستی کا نہیں بچتا اسد ۔۔۔ عافیت بیزار شغل کعبتین اچھا نہیں
سر پائے خم پہ چاہئے ہنگام بیخودی ۔۔۔ منھ سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے
کیوں رد قدح کرے ہے زاہد ۔۔۔ مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب ۔۔۔ آخر تو کیا ہے "اے نہیں ہے"
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب ۔۔۔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

مرزا کے انبساطی فقرے فارسی نثر میں

شوخی طبیعت نہ کسی زبان کی پابند ہوتی ہے نہ کسی آئین و مذہب کی۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ مرزا کے جس رنگ کو دیکھنا ہو اُسے فارسی میں دیکھو کہ یہی چیز اُن کی مایۂ ناز تھی۔ اور اسی پر وہ ہمیشہ یہ کہہ کر توجہ دلاتے تھے کہ ع

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ۔

مرزا اڑتیس اونتالیس برس کی عمر میں کلکتہ گئے۔ اون کے بعض دوست پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔ مگر ان سے ملنے پر اور بھی نئے دوست پیدا ہو گئے۔ اور جس وقت کہ دلی میں واپس آئے تو ایک اچھی خاصی تعداد اون کے دوستوں کی کلکتے میں موجود تھی۔ اونھیں میں سید علی اکبر خاں تھے جو ہوگلی بندر کے امام باڑہ کے متولی تھے۔ مرزا سے اور ان سے نہایت بے تکلفانہ دوستی ہو گئی تھی۔ انھیں کے نام ایک خط میں آموں کی فرمائش کرتے ہیں۔ انداز بیان کی ظرافت آمیز ندرت دیکھئے۔ حسن طلب دیکھئے۔

" قبلۂ خدا پرستاں سلامت۔

ممدوح از ستایش مستغنی۔ و مادح در بیان نارسا۔ چہ گویم تا آبروئے خموشی نریزد و چہ گویم تا داغ کوتہ قلمی بر خیزد۔ ایں عبودیت نامہ را قماش سلام روستائی است۔ و دائرہ ہر حرفش را پرداز کاسۂ گدائی۔ شکم بندہ ام۔ و قدرے ناتواں۔ ہم آرایش خوان جویم۔ و ہم آسایش جاں۔ خردوراں دانند کہ ایں ہر دو صفت با انبہ اندر است۔ و اہل کلکتہ برانند کہ قلم و ہگلی بندر است۔ آرے انبہ از ہگلی۔ و گل از گلشن۔ ایثار از جناب۔ و سپاس از من شوق می سگالد کہ ہر آئینہ تا پایانِ فصل دو سہ بار بخاطر ولی نعمت خواہم گزشت۔

وآز می نالد۔ کہ حاشا بدیں مایہ برخورداری خورسند نخواہم گشت۔،،

پہلے تو وہ اپنی شوخی القاب سے ظاہر کرتے ہیں۔ آگے بڑھتے ہیں تو ان القاب آداب مزاج پرسی ظاہری تعریف سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں۔ کہ بھئی نہ تمھیں تعریف سننے کا شوق۔ نہ مجھ میں تعریف کرنے کا دم۔ خط کو خط نہیں بتاتے بلکہ سلام روستائی کہتے ہیں یا کاسہ گدائی پھر حسن طلب ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں۔ کچھ تو میں پیٹ کا بندہ ہوں اور کچھ ناتوان۔ لہٰذا اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ آرائش خوان۔ اور آسائش جاں۔ اب ایسی چیز کہاں ہے جس میں یہ دونوں صفات موجود ہوں۔ مگر لوگوں کی رائے میں یہ دونوں تعریفیں آم میں ہیں۔ اور کلکتہ والوں کا خیال ہے کہ آم ہگلی بندر میں ہوتا ہے۔ سچ ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ چار چیزیں چار جگہ ہیں۔ آم ہگلی میں۔ پھول باغ میں۔ ایثار جناب میں اور شکر خاکسار میں مگر ایک عجیب بات سنئے مجھ میں دو چیزیں ہیں۔ شوق اور حرص۔ دونوں مختلف الخیال۔ شوق تو کہہ رہا ہے کہ فصل بھر میں کم سے کم میرے آقائے نعمت دو تین بار مجھے یاد کریں گے۔ اور حرص کہتی ہے۔ کہ واہ۔ دو تین بار میں میرا کیا بھلا ہوگا۔

منشی محمد حسن مرزا کے کوئی خاص دوست تھے۔ اُن کے صاحبزادہ احمد حسن کی شادی ہوئی۔ مرزا کو قصیدہ نہیں تو کم از کم کوئی سہرا ضرور لکھنا چاہئے تھا۔ مگر خدا جانے عدیم الفرصت تھے۔ یا فکر مند تھے۔ موقع نہ تھا۔ یا اور کوئی بات تھی کچھ بھی نہ کر سکے۔ آخر عذر میں ایک خط لکھا۔ جس میں سب کچھ لکھ گئے۔ کہتے ہیں کہ مجھ میں تصنع کی عادت نہیں۔ میری زبان میں ایک دل ہے اور دل میں ایک زبان ہے۔ ورنہ اس موقع پر میں بھی کچھ کہتا۔

"ہم در و دیوار را بسر جوش بہار اندودے۔ وہم گوشہ و کنار گیتی را بفروغ نیر بخت چراغاں نمودے
تار از طرۂ حور۔ و پود از بال پری آوردے۔ وتوآئیں نمطے در ہم بافتہ بداں ہمایوں انجمن گستردے بر لباط
محفل میوہ وگل از طوبیٰ فشاندے۔ وزہرہ را برامشگری ورضواں را بہ مہمانی خواندے الخ،،

مرزا کو اپنی جاگیر کے معاملہ اور مقررہ رقم کے لئے فیروز پور جانا پڑا۔ وہاں نواب نے کچھ اُمیدیں دلائیں اور معاملہ کے انفصال کا اطمینان دلایا۔ اور مرزا صرف اسی وعدہ ..... پر مطمئن ہو کر دہلی چلے آئے۔ مدتیں ہو گئیں مگر کچھ انفصال معاملہ نہ ہو سکا۔ ناچار ہو کر مرزا علی بخش خاں کو جنھیں مرزا بھائی کہتے تھے۔ اور اپنا معین و مددگار سمجھتے تھے۔ ایک خط لکھا جس کا ہر فقرہ اُن کی دل برگشتگی اور انتظار کا پتہ دیتا ہے۔ دو تین فقرے غصہ اور انتظار کی انتہا کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر اون کو اپنے خاص رنگ میں رنگا گیا ہے۔ جس سے اثر کم ہوا ہو یا دیادہ مگر لطف پیدا ہو گیا ہے فرماتے ہیں

"یکچند بامید نواب صاحب ساختم۔ واز تاب آتش انتظار گداختم۔ نشستہ ام بہ عذابے کہ مجرم بزنداں نشیند۔ ومی بینم آنچہ کافر بہ جہنم بیند،،

ایک مرتبہ دوپہر کو ظہر کے وقت مرزا صاحب مفتی صدرالدین آزردہ کے یہاں پہونچے کنڈی ہلائی۔ اندر سے نوکر نکلا۔

جواب دے گیا کہ مفتی صاحب موجود نہیں ہیں۔ مرزا واپس آئے۔ اور آ کر اسی روز مفتی صاحب کو ایک خط لکھا۔ جس میں نوکر کے باہر نکلنے اور اپنے پلٹنے کو عجب دلکش انداز سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں۔

" ہمانا آں پرستار دراں بر آمدن کام دل دشمن بود۔ و من دریں برگشتن بخت خویشتن "

شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کا دیوان طبع ہوا تو انہوں نے ایک جلد موسیٰ جان کی معرفت مرزا کے پاس بھی روانہ کی۔ مرزا نے جواب میں شکریہ لکھا۔ اور ایک نہایت لاجواب فقرہ بھی تحریر فرما دیا۔

" بخت را برسائی ستایم۔ و پندارم۔ کہ بہ طور معنی رسیدہ ام۔ خود را بہ گرانمائگی آفریں گویم وانگارم کہ موسیٰ را ید بیضا دیدہ ام "

مرزا کے ایک دوست لالہ ہیرا لال ایک مرتبہ مولوی فضل حق خیر آبادی سے ملنے گئے۔ وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ مولانا کے مکان کے قریب آگ لگی۔ مگر اتفاق سے مولانا کا نقصان بالکل نہ ہوا۔ یا ہوا تو اتنا کہ نہونے کے برابر تھا۔ جب واپس آئے اور مرزا سے ملاقات ہوئی تو اس حادثہ کی بھی خبر دی۔ مرزا نے فوراً مولانا کو ایک شکایتی خط لکھا۔ اور اس بات پر افسوس کیا کہ آپ نے اتنے بڑے جانکاہ حادثہ کی مجھے اطلاع بھی نہ دی۔ اور اسی ضمن میں چند فقرے دریافت خیریت کے لئے بھی لکھے۔

" ہائے اے وفا دشمن۔ بیگانگاں کامیاب پیام و نامہ۔ و آشنایاں جگر تشنہ رشحہ خامہ ؎

واے بر من کہ رقیب از تو مرا بنماید   نامہ وا شدہ مہر بہ عنواں زدہ "

ایک مرتبہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا خط آیا۔ خط میں شعر و شاعری کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ مرزا نے پڑھ کر جواب دیا اور جواب میں دو ظرافت آمیز تشبیہیں بھی استعمال کر گئے اس زمانہ میں شانہ میں درد تھا فرماتے ہیں۔

" سحر گاہے کہ ... دلم از درد شانہ چنانکہ مومن ... مہر پیشہ از رنج ہمسایہ در آزار باشد بیقرار بود۔ سروشے از در در آمد۔ و بہ سپردن بہار سامان نامہ گل بجیب تمنا ریخت۔

قدسی مفاوضہ از شعر و غزل چوں نامہ اعمال زاہد از ذکرے و شاہد سادہ بود۔ "

دونوں جگہ تشبیہیں اسقدر نادر واقع ہوئی ہیں کہ خواہ نخواہ انبساطی رنگ میں آگئی ہیں۔ ایک جگہ دل کو مومن مہر پیشہ اور درد شانہ کو رنج ہمسایہ کہنا تو لطیف تھا ہی۔ خط میں جو شعر و شاعری کا ذکر نہ تھا اوس کو نامہ اعمال زاہد کی طرح سادہ بنا کر قیامت کر دی۔

ایک مرتبہ شیفتہ مرحوم کا مدت تک خط نہ آیا مرزا نے اپنے رنگ میں یہ شکوہ کیا۔

؎ رنجد از تحمل ما بر جفائے خویشتن   ہاں شکوہ کہ خاطر دلدار نازک است

اگر بے پروائیست نمی بالیست۔ و اگر شکیب آزمائی است۔ نہ بدیں اندازہ روا بود۔ اگر از ناکسی بالتفات

نیرزم۔ ناکساں را بہ سخن دلیر کردن و ننگ شکوہ بے شکوہاں بخود پذیرفتن از بہر چیست۔ واگر ایں تغافلہائے بے محابا و فراموشی ہائے جانگزا از عالم مکافات بہ شش است مرا کہ بزہ مندم بہ گلہ نواختن و ساز پوزش مرا بہ نوا نیاوردن گناہ کیست ،،

الفاظ ایسے نہ سہی کہ اُن سے خندہ یا ضحک پیدا ہو۔ مگر پھر بھی یہ منطقی استدلال کسقدر لطیف......ہے کہ اگر بے پروائی ہی تو اتنی نہ چاہئے تھی۔ اور اگر ...ن ہی تو اتنی صبر آزمائی کی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر نالائقی کی وجہ سے میں التفات کے قابل نہیں۔ تو پہلے مجھے دلیر نامہ و پیام کیوں کیا۔ اور اگر بدلہ لیا گیا ہے۔ اور میری غفلت کا جواب دیا گیا تو پھر مجھے شکوہ سے کیوں محروم کیا گیا کیونکہ میں گناہگار تھا۔ مجھے متنبہ کیا جاتا۔

مفتی صدر الدین آزردہ سے ایک سفارش چاہتے ہیں اور عجیب طرح سے اپنا حق ثابت کرتے ہیں۔

"قبلۂ حاجات۔ اگر ایں بندۂ اندک شنو بسیار گوئے۔ زود گستاخ۔ پریشاں را حق بندگی نیست۔ از کجا کہ بریں بے بضاعتی نواں بخشود ؎

گیرم وفا ندارد اثر ہم بما گرائے   زیں سادگی کہ دل بہ اثر بستہ ایم ما

سخن کوتاہ ہر گونہ عنایت کہ دراں کارسازی بکار رفتہ باقی در حق کرمی مرزا فاضل بیگ صرف گردد۔ اگرچہ آں صرف از اسراف بجائے رسد کہ بہرہ از بہر من نماند ،،

کسقدر عجیب استدلال ہے یہ کہ اگر میرا کوئی حق نہیں ہے تو میری بے بضاعتی پر رحم کیجئے۔ اس سے پہلے جو سفارش آپ کر چکے ہیں جو کچھ اس میں سے باقی بچی ہو وہ مرزا فاضل بیگ کے حق میں صرف کر دیجئے۔ چاہے یہ صرف اسراف کی حد میں آ کر یہاں تک پہونچ جائے کہ میرے لئے کچھ باقی نہ رہے۔

حکیم مومن خاں ہر سال تقویم بنایا کرتے تھے۔ اور اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ مرزا کو اگرچہ نجوم میں بہت کم دخل تھا پھر بھی ایک بار حکیم صاحب کو لکھا کہ اگر اس سال کی تقویم تیار ہو تو ذرا بھیجدیجئے میں بھی نوروز کی کیفیت دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مشہور و معروف لطیفہ اپنے انداز خاص میں بیان کر کے مزاحیہ رنگ پیدا کر دیا فرماتے ہیں:

"زہے نادان ہوس پیشہ کہ می باشم۔ و بہ شرف نیر رشید خورسند گردم حاشا کہ دل نہادن من بہ آثار نوروزی بچشم داشت فرخی و فیروزی از روئے مثال ہوا گویہ آں کنیز کم خرد و سال ماند۔ کہ چوں شب عیدش نشاطی تازہ در گرفت و بزمزمہ عید آمد و عید آمد نوائے شادی برگرفت خاتون گفت تن زن۔ اگر عید است و رمضان تو دُہماں نیم سوختہ نان ،،

یعنے بھلا میں نوروز دیکھ کر کیا کروں گا۔ میری بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی لونڈی نے عید کا چاند دیکھ کر خوشی کے جوش میں کہا کہ بیوی۔ بیوی۔ کل عید ہے۔ بیوی نے جھڑک کے کہا۔ میٹھ مردار عید ہو یا رمضان تجھے اپنی ٹکیہ ڈی سے کام۔

مسٹر اسٹرلینگ نے مرزا کی کاربرآری کا وعدہ کر لیا تھا اور حتی الوسع وہ ان کے معاملہ میں کوشاں تھے اتفاقاً جوان ..... مر گئے جس کا مرزا کو بیحد صدمہ ہوا - اسی زمانہ میں مولوی سراج الدین احمد کو جو غالباً لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور کلکتہ میں ملازم تھے ایک خط لکھا جس میں اس جواں مرگ کی موت پر افسوس بھی ہے - اپنی بدقسمتی کا رونا بھی ہے - مگر باایںہمہ جس رنگ سے اس کا اظہار کیا ہے - اس میں وہی خاص رنگ پیدا کر دیا ہے - فرماتے ہیں -

"حیرتے داشتم کہ بمرگ ناگاہ در گزشتن امیرے چوں دولت جواں سال یعنی مسٹر اندر واسٹرلنگ ستودہ خصال برائے چیست - وکار پردازاں والاکدۂ قضا ازیں سانحہ سترگ کدام نتیجہ منظور دارند - حالیا حالے شد کہ بسیلاب فنادادن بنائے امید داریٔ غالب رمیدہ بخت میخواستند - وآں صورت نمی بست الا بظہور ایں طوفاں ہوشربا"

ذرا اس استدلال پر نظر ڈالئے - اور اس کے مختلف اثرات کو دیکھئے - کہ میں سوچ رہا تھا کہ مسٹر اسٹرلنگ کیوں مرے اور اس جوان موت سے کارکنان قضا و قدر کا مطلب کیا ہے - اب سمجھ میں آیا کہ اسٹرلنگ کے مار ڈالنے سے صرف میری امیدوں کو برباد کرنا منظور تھا - کیونکہ وہ امیدیں جو قایم ہو چکی تھیں اس کے بغیر فنا ہو ہی نہ سکتی تھیں -

مولوی سراج الدین احمد کو ایک جگہ القاب کے طریقہ پر یہ لطیف فقرے لکھتے ہیں -

"جانیکہ الطف اجزائے آں بہ تحلیل رفتہ وکدورتے چوں درد از بادہ یُو خاکستر از آتش واماندہ است اگر بپائے دوست افشانم ترسم کہ پائے نازنینش رنجہ گردد"

یعنے میرے پاس جان تو ہے مگر ایسی جان ہے کہ اوس کے تمام لطیف اجزا تحلیل ہو چکے - اب ایسی جان باقی رہ گئی ہے جیسے شراب میں سے دُرد - یا آگ میں سے خاکستر باقی رہ جاتی ہے - اوسے اگر آپ کے قدموں پر نثار بھی کروں تو اور یہ اندیشہ ہے کہ آپ کے قدموں کو بھی رنج پہونچے -

مولوی سراج الدین احمد نے ایک مرتبہ مدت دراز کے بعد خط لکھا - اور خط میں یہ تحریر کیا کہ میں سمجھتا تھا آپ مجھے بھول گئے ہوں گے اور وہ جوش و خروش محبت باقی نہ رہا ہو گا - مرزا صاحب نے جواب میں لکھا -

"نارسیدن نامہ ام را بافسردگی شوقم حمل کردید چرا بمرگ من حمل نکردید تا از اداشناسیہائے شما خورسند بودمے - وشمار اہل دل ودانشور شمردمے"

فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ کیوں سمجھا کہ میرا خط نہ لکھنا افسردگی شوق کی وجہ سے ہے - یہ کیوں نہ سمجھا کہ میں مر گیا ہوں - تاکہ تمھاری اداشناسیوں سے ذرا جی بھی خوش ہوتا اور تمھیں اہل دل سمجھتا"

مولوی سراج الدین احمد کے خط سے مرزا احمد کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی - ابھی مرزا صاحب کلکتہ جانے کا ارادہ ہی ارادہ رکھتے تھے - جا نہ سکتے تھے - سخت رنج ہوا اور جواب خط میں تعزیت کے طریق پر یہ دلچسپ فقرے لکھے - اتفاق

بالائے اتفاق یہ ہوا کہ مرزا احمد اپنے اور آخر ایام حیات میں دلی آنے کا ارادہ رکھتے تھے اور مرزا سے وعدہ بھی کر چکے تھے - کہ انتقال ہو گیا - اسی وعدہ سے متاثر ہو کر مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔

"میگفت کہ بدہلی می آیم - وعدہ فراموش بمروت راہ گرداند - و ناقہ بسر منزل دیگر راند گرفتم کہ خاطر دوستاں عزیز نداشت چرا بہ حال خورد سالان خود نپرداخت - . . . . ہنوز ہنگام مردن مرزا احمد نبود - چرا آنقدر صبر نکرد کہ بہ کلکتہ رسیدمے - و روے نظارہ فروزش وگر بارہ دیدمے - چرا آنمایہ درنگ نورزید کہ . . حامد علی جواں گشتے "

ایک مرتبہ مولوی صاحب موصوف نے مرزا کو لکھا کہ جو کچھ اس زمانہ میں کہا ہو وہ سب خط میں لکھ کر بھیجدیجئے مرزا صاحب نے جواب میں لکھا ۔

"نفس در بادپیمائی درنگ ندارد - فراواں خون خوردہ و جہاں جہاں پارۂ دل بدامن شمردہ می شود - اگر خواہم کہ ہمہ آں را بورق اندر آرم نامہ از درازی بہ کلکتہ رسد و رقم انجام گراے نگردد "

فرماتے ہیں کہ کیا پوچھتے ہو بہت خون جگر کھایا ہے - بہت کچھ کہا ہے - اگر سب کو لکھنے کا ارادہ کروں تو کاغذ اتنا لمبا ہو جائے گا کہ دلی سے کلکتہ تک پہونچ جائے گا - اور پھر بھی سب نہ لکھ سکوں گا ۔

ایک جگہ مولوی سراج الدین احمد صاحب کو خط نہ بھیجنے اور پہونچاتے کا شکوہ لکھتے ہیں - اور یوں لکھتے ہیں کہ پڑھنے والے کی آنکھوں میں میدان حشر کا نقشہ کھنچ جاتا ہے فرماتے ہیں

"زینہار صد زینہار اے مولوی سراج الدین بترس از خدائے جہاں آفریں - کہ چوں قیامت قایم گردد - و آفریدگار بداد بہ نشیند - من گریاں و موبہ کناں دراں ہنگامہ آیم و در تو آویزم - وگویم کہ ایں آنکس است کہ یک عمر مرا بہ محبت فریفت و دلم برد - من از سادگی بروفا تکیہ کردم - و ایں را از دوستاں برگزیدم - نفس کم باخت - و بمن بیوفائی کرد - خدا را بگو کہ آں زماں چہ جواب خواہی داد - و چہ عذر پیش خواہی آورد - وائے برمن کہ روزگار ہا گزرد و خبر نداشتہ باشم کہ سراج الدین احمد کجاست و چہ حال دارد - اگر جفا پاداش وفاست - بسم اللہ - ہر قدر توانی بیفزائے - کہ اینجا مہر و وفا فراواں است - لاجرم جفا نیز باید کہ فراواں باشد - واگر خود ایں تغافل بیاد افراہ جرمے دیگر است نخست گناہ مرا خاطر نشاں من باید کرد و آنگاہ انتقام باید کشید تا شکوہ درمیان نگنجد ۔

دیکھئے باوجود اس سوز و گداز کے بھی اپنے مذاق کو اس طرح نباہا ہے - کہ غور کرنے پر وہ مذاق ہی مذاق رہ جاتا ہے باقی کچھ نہیں ۔

جب قاضی محمد صادق خاں اختر نے تذکرہ آفتاب عالمتاب لکھا تو مولوی سراج الدین احمد کی معرفت مرزا کو

بھی لکھا کہ کچھ انتخاب کر کے کلام بھیجئے۔ کچھ خاندانی حالات لکھئے۔ مرزا صاحب نے بہت سے عذر و معذرت کے بعد لکھا کہ جو کچھ برا بھلا کلام ہے وہ سب ایک دیوان میں جمع کر لیا گیا ہے۔ اوس سے انتخاب فرمائیے جب آپ خود صاحب ذوق ہیں تو یہ کام آپ ہی کیجئے۔ رہا حالات لکھنا۔ سو میرے نزدیک تو یہ لکھ دیجئے تو مجھ پہ احسان ہوگا۔ اب ذرا اُن فقروں کو دیکھئے جو اپنی نسبت بتاتے ہیں۔

"ازناکساں روزگار۔ وبیکسان دہلی دیار مسلمان زادہ الیست کافر ماجرا۔ دگبرے است مسلمان نما۔ کہ از غلط نمائی غالب تخلص میکند"

مرزا اپنی پنشن وغیرہ کے معاملہ کے لئے جب فیروزپور پہونچے تو اتفاق سے نواب احمد بخش خاں صاحب تشریف فرما نہ تھے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ مرزا انتظار ٹھہرے۔ مگر بڑے بڑے زمانہ گزر گیا نواب صاحب نہ آج تشریف لاتے ہیں نہ کل۔ عاجز آ گئے۔ بیقرار دل اور ضرورت نے مجبور کیا۔ فوراً رائے چھجمل کھتری کو جو نواب صاحب کے معتمد خاص تھے ایک خط لکھا۔ اور دریافت کیا کہ خدا کے لئے سچ سچ اور جلد سے جلد لکھیے کہ نواب صاحب کب تک آئیں گے۔ میں پریشان ہو گیا۔ یہی لکھتے لکھتے چند فقرے لکھے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت کا گیت گاتے گاتے ظرافت کا مادہ ہیجان میں آ گیا فرماتے ہیں۔

"ہویدا است کہ از قفس جستہ بدام افتادہ راچہ حال خواہد بود۔ واز دست نے بناخن فرو رفتہ کدام عقدہ خواہد کشود۔ جلائے وطن۔ وعزم سفر۔ واحرام غربت۔ مصیبتے است کہ نصیب ہیچ آفریدہ مباد وائے برنگوں طالعیہا۔ ورمیدہ بختیہائے کسے کہ اینہارا بار زد خواہد۔ ہر چند در وطن نیم الماقرب نیز قیامت است۔ ہنوز با اہل کاشانہ راہ نامہ وپیام است۔ ہر چہ دیدہ میشد آشوب چشم بود۔ ہر چہ شنیدہ میشود زحمت گوش است۔ نیم جانے کہ از آں ورطہ بیروں آوردہ ام مگر ودیعت خاک فیروزپور است۔ کہ مرا اینہمہ اقامت اضطراری اتفاق افتاد۔ و مرگے کہ منش بزار آرزو از خدائے خواہم مگر ہمدریں سرزمین موعود است۔ کہ اینقدر درنگ افتاد گہہار رو داد"

نواب مصطفےٰ خاں کو ایک مشاعرہ کی بابت حال لکھتے ہیں۔ اور اس میں اپنے مشاعرے کی زبردستی شرکت کو یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ کل جمعہ کا دن گزرنے کے بعد رات کو ایک مشاعرہ تھا۔ چونکہ میں نے غزل و زل کبھی نہیں لکھی۔ اسی تہی دستی کی شرمندگی کی وجہ سے بہت حیران تھا۔ اور مشاعرہ میں جانے کا بالکل ارادہ نہیں تھا۔ نواب ضیاء الدین خاں سلمہٗ نے دو فرشتے میرے اوپر مقرر کر دئے۔ زین العابدین خاں عارف اور غلام حسن خاں محو۔ یہاں تک تو سیدھی سیدھی طرح حال لکھا ہے۔ اس کے بعد اپنا وہی رنگ شروع کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"ایں ہر دو ابرام پیشہ شام گاہ بخلوت من آمدند و فیل آوردند۔ وبد انساں کہ شیر را چوں

شکار کنند بہ فیل بار کنند مرا انجمن بر دند "

نواب علی بہادر مسند نشین باندہ نے جو مرزا کے نادیدہ دوست اور شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ خط میں لکھا کہ منشی نادر حسین خاں آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں مرزا نے جواب میں یہ فقرہ لکھا۔

" بخدمت مشفقی شفیقی منشی نادر حسین خاں صاحب سپاس مے گزارم وسلام عرضہ میدارم دانستم کہ دیدن غالب را طالب اند حاشا کہ ایں داعیہ تنہا از انسو باشد۔ اگر بسیار فروتنی کنم گویم کہ شریک غالب "

ایک مرتبہ مولوی رجب علی خاں کو مارچ ۱۸۵۱ء میں ایک خط لکھا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ مارچ ۱۸۵۲ء میں مولانا کا ایک خط آیا۔ جس میں انھوں نے ارقام فرمایا کہ آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ فکر ہے۔ مرزا صاحب نے جواب میں وہ فقرے لکھے کہ حقیقتاً "قیامت ہی کردی فرماتے ہیں۔

" یارب آں نیایش نامہ کہ در ماہ مارچ سال یک ہزار و ہشتصد و پنجاہ و یک عیسوی رواں داشتہ ام تا مارچ سال دیگر رواں۔ نہ نامہ ہرزہ عنواں۔ و نہ فرستندہ کہ عبادت از مولانا محمد باقر است نا یرد اہمانا آں نامہ خود از فراوانی بار مضامین شوق بر برندگان آں مایہ گرانی کرد کہ آں بہ سبکروی گرانمایگان یعنی بریدان ڈاک انگریزی راہے بطول دو صد کردہ جز بغرض یک سال نتوانستند برید "

یعنی یا اللہ جو خط مارچ ۱۸۵۱ء میں بھیجا گیا ہے۔ وہ مارچ ۵۲ء تک رواں ہے۔ یہ بات کیا ہے نہ خود خط بیہودہ نہ خط لکھنے والا۔ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نامہ مضامین شوق سے وزنی ہوگیا تھا۔ اس لئے وہ خط لے جانے والوں کو اتنا بوجھل معلوم ہوا کہ دو سو کوس کا راستہ ایک سال کے بغیر طے نہیں کر سکتے۔

مرزا کی فارسی نظم میں ظرافت

فرماتے ہیں :۔

زانچہ دل زہم پاشد دل چہ طرف بر بندد یا مجال گفتن دہ یا نہ گفتہ باور کن

ایسی چیز جو دل کے ٹکڑے اڑائے دیتی ہے۔ بھلا دل اس کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لہذا یا تو آپ اس کے کہنے کی مجھے اجازت دید یجئے یا بغیر کہے یقین کر لیجئے۔

بخون من اگر ننگست دست و خنجر آلودن نوید وعدہ کز انتظارم میتواں کشتن

اگر میرے خون میں دست و خنجر کو آلودہ کرنا باعث ننگ ہے تو اس کی آسان ترکیب ہے۔ ایک وعدہ کر لیجئے انتظار کرتے کرتے آپ مرجاؤں گا

طاق شد طاقت ز عشقت برکرانی خواہم شدن مہرباں شو ورنہ برخود مہرباں خواہم شدن

سنئے حضرت مجھ میں اب آپ کے ناز اٹھانے کی تاب وطاقت بالکل نہیں ہے۔ یا تو مجھ پر آپ مہربان ہو جائیے۔ ورنہ میں اب اپنے اوپر مہربانی کرتا ہوں ؎

جان اد بہ غم غالب خوشنودی روحش را در بزم عزا میکش در نوحہ غزلخواں شد

غالب کا انتقال ہو گیا۔ اب ان کی روح پر فتوح کو یوں ثواب پہونچائیے۔ کہ مجلس عزا میں بیٹھ کر شراب پیجئے اور نوحہ میں غزل خوانی کیجئے۔

سرمایہ کرامت کن وانگاہ بہ غارت بر برخرمن ما برقے برمزرعہ باراں شو

اگر لوٹنے کا ارادہ ہے تو پہلے سرمایہ عنایت فرمائیے۔ خرمن پر آپ برق بنتے ہیں تو کھیت پر باران رحمت بنئے۔

یارب بجہانیاں دل خرم دہ ؛ در دعوی جنت آشتی باہم دہ

شداد پسر نداشت باغش از تست آں مسکن آدم بہ بنی آدم دہ

اللہ تعالے سے استدعا کر رہے ہیں کہ اے خدا یہ دنیا والے جو جنت کے دعویدار ہیں۔ ان کو صلح کر لینے کی توفیق عنایت فرما۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شداد کا کوئی وارث نہیں تھا۔ کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے اس کا باغ ضبط کر لیا گیا۔ مگر جنت کا باغ ہمارے دادا آدم کا تھا۔ آدم کا مسکن بنی آدم کو مل جانا چاہئے۔ ان کی تو اولاد موجود ہے۔ شداد کی طرح وہ لاولد نہیں تھے۔

خروش حلقۂ زنداں ز نارز نیں پسرے است کہ سر بزانوے زاہد بہ بوریا خفت است

دلم بہ سبحہ وسجادۂ وردا لرزد ؛ کہ دزد مرحلہ بیدار و یار ساخفت است

صہبا حلال زاہد شب زندہ دار را اما بہ شرط آنکہ ہماں صبحدم کشد

آخری شعر میں فرماتے ہیں کہ صہبا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو حلال نہ ہو حلال تو زاہد کے لئے بھی ضرور ہے۔ مگر شرط یہی ہے کہ رات کو نہ پیئے بلکہ ..... صبحدم پیئے۔ اس شرط میں جو ایک ہلکا سا تبسم ہے غالباً اوس کا اعادہ اور اظہار بیکار ہو گا سمجھنے والے خود ہی جتنا غور کریں گے لطف اٹھائیں گے یعنی رات کو تو سبھی پیتے ہیں۔

ناز مومن وکافر برچہ دستگاہ آخر سبحۂ ومسواکے قشقہ وزنارے

فرماتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر اتنے کس چیز پر اتراتے اور اینڈتے پھرتے ہیں ان کے پاس رکھا کیا ہے۔ ان کو مقدور کیا ہے مومن کے پاس ایک تسبیح اور مسواک ہے۔ کافر کے پاس ایک قشقہ اور زنار۔ لاحول ولا قوۃ یہ مایہ انبساط اور اس پر یہ جوش وخروش۔

بسکہ دیوار و در از دود دلم گشت سیاہ — کلبۂ من بہ سیہ خانۂ لیلےٰ ماند

اپنے گھر پر پھبتی کہتے ہیں کہ میرے دود آہ سے سیاہ ہو کر خیمہ لیلےٰ بن گیا ہے۔

خارج از ہنگامہ سرتاسر بہ بیکاری گذشت — رشتۂ عمر خضر مد حسابے بیش نیست

فرماتے ہیں کہ خضر کا رشتۂ عمر - مد حساب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہنگامے سے علیحدہ مزے سے بیکاری کی زندگی گزار رہے ہیں۔

موئے کہ بروں نامدہ باشد چہ نماید — بیہودہ در اندام تو جستیم میاں را

معشوق کی کمر کو ایک ایسا بال بتایا ہے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔

رنگہا چوں شد فراہم مصرفے دیگر نداشت — خلد را نقش و نگار طاق نسیاں کردہ ایم

بہشت کو کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بہت سے رنگ فراہم ہو گئے تھے۔ اور مصرف کوئی تھا نہیں لہذا ہم نے اس کو اپنے طاق نسیاں کی زیب و زینت بنا دیا ہے

آخر عمر میں مرزا کو دنیا سے حقیقی نفرت سی ہو گئی تھی اور وہ ہر وقت چاہتے تھے کہ زمانہ کی آشوبناکی سے علیحدہ اور برطرف رہ کر زندگی بسر کریں۔ جابجا اسی خواہش اور تمنا کا ذکر کیا ہے کہ الگ ایک گوشۂ فراغت میں زندگی بسر کریں کوئی نہ ستانے والا ہو اور کوئی جی خوش کرنے والا ہو۔ اس کو فارسی نظم میں یوں ظاہر کرتے ہیں

غالب روش مردم آزاد جدا است — رفتار اسیران رہ و زاد جدا است

ما ترک مراد را ارم میدانیم — دال باغچۂ ضبطی شدّاد جدا است

واعظ سفید پوش کی ایک تشبیہ ملاحظہ فرمائیے جو سنگ رخام کی لوح مزار سے دی گئی ہے فرماتے ہیں۔

گر واعظ دل مردہ سفید است ردائش — خود لوح مزارے است کہ از سنگ رخام است

عید کا منظر دکھاتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ آج زاہد بھی حجرے سے نکل آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانور پنجرے سے چھوٹا ہے۔

زاہد بہ نشاطے زدہ از حجرہ بدر گام — کز کنج قفس مرغ گرفتار بر آمد

ایک جگہ کہتے ہیں۔ کہ زاہد لوگ جو مخلے بالطبع جنت کے درختوں کی شاخوں سے میوہ کھاتے پھرتے ہیں یہ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے سبزہ زار یا بڑی چراگاہ میں چند چوپائے حسب منشا گھاس چرتے ہوئے پھرتے ہیں

گویند زاہداں بجنت گستاخ — ویں دست درازی بہ ثمر شاخ بہ شاخ

چوں نیک نظر کنی ز روئے تشبیہ — ماند بہ بہائم و علف زار فراخ

ایک جگہ کہتے ہیں کہ دنیا میں جس کو دیکھئے جاہل ہی نظر آتا ہے اگر تھوڑا تھوڑا فرق ہے بھی تو ایسا ہے جیسے خر عیسیٰ اور

خرد جال میں۔

ہر چند زمانہ مجمع جہال است ‏ ‏ ‏ ‏ وز جہل نہ حال شاں بیک منوال است
کودن ہمہ لیک از یکے تا دگرے ‏ ‏ ‏ ‏ فرق خر عیسیٰ و خر دجال است

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہم بڑی مصیبت میں ہیں ہماری تمنا اور خواہش بہشت سے آگے بڑھ گئی ہے یعنی جنت ہماری نگاہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اُدھر حالت یہ ہے کہ جنت سے بڑھ کر کوئی جگہ پیدا نہیں ہوئی

یا تمنائے من از خلد بریں نگزشتے ‏ ‏ ‏ ‏ یا خود امید گہے درخور آں میبایست

ایک جگہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش آسمان گر پڑے۔ اور اس شوق میں یہ بھی پروا نہیں ہے کہ ہم دب جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ آسمان گرے ضرور چاہے ہمارے ہی سر پر گر پڑے۔

خوشا کہ گنبد چرخ کہن فرو ریزد ‏ ‏ ‏ ‏ اگرچہ خود ہمہ بر فرق من فرو ریزد

ایک جگہ کہتے ہیں کہ سیکڑوں باتیں ایسی ہیں جو میں اُس سے کہنا چاہتا ہوں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ وہ نازک مزاج ہے۔ بھلا یہ سب خرافات کاہے کو سنے گا کوئی ایسی ترکیب ہونا چاہیے کہ یہ سو کی سو ایک ہو جائیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ اوس کے لب پر لب رکھ کر مر جانا چاہیئے۔

لب بر لب دلبر نہم و جاں بہ سپارم ‏ ‏ ‏ ‏ ترکیب یکے کردن صد ملتمس است ایں

ایک جگہ کہتے ہیں۔ میاں غالب ہم نے یہ مانا کہ آپ بڑے سخن گو ہیں۔ اور اس وقت کوئی آپ کا مدمقابل نہیں ہے۔ مگر جناب کے دماغ میں شے لطیف کی بہت کمی ہے۔ آپ کی خواہش یہ ہے کہ شراب مفت بھی ملے۔ نادر اور نایاب بھی ہو۔ اور بہت سی بھی ہو۔ سو حضرت یہ تو ممکن نہیں ہے بادہ فروش کوئی ساقی کوثر تو ہے نہیں کہ یہ سب باتیں آسانی سے آپ کو میسر ہو سکیں۔

غالب بہ سخن گرچہ کسے ہمسر نیست ‏ ‏ ‏ ‏ از نشۂ ہوش ہیچت اندر سر نیست
مے خواہی و مفت و نغز و آنگہ بسیار ‏ ‏ ‏ ‏ ایں بادہ فروش ساقی کوثر نیست

غالب میدان قیامت میں ہیں۔ اور تمام عمر کے گناہ معاف کر دئے گئے ہیں۔ آپ گناہ بخشنے والے سے کہتے ہیں۔ کہ ذرا میری بے مائگی پر رحم فرمائیے۔ کہ آپ کے دست کرم نے عمر بھر کے گناہوں کو ایک اشارہ میں برباد کر دیا۔ میں بھی کسقدر تنگ مایہ اور کم حیثیت آدمی نکلا۔

بر تنگ مائگیم رحم کہ یک عمر گناہ ‏ ‏ ‏ ‏ ہم بتاراج سبکدستی بخشودن رفت

کسی شاعر سے کہتے ہیں کہ اگر آپکی غزل میری غزل سے زیادہ سرسبز ہوتی ہے اور اُس پر چیخ پکار زیادہ ہوتی ہے تو تعجب کیا ہے - چنگ سے ہمیشہ ڈہول کی آواز زیادہ ہوتی ہے - حالانکہ چنگ چنگ ہے اور ڈہول ڈہول -

ای کہ در بزم شہنشاہ سخن رس گفتہ کے بہ یرگوئی فلاں در شعر ہم سنگ من است
راست گفتی لیک میدانی کہ نبود جا طنز کمتر از بانگ دہل گر نغمۂ چنگ من است

ایک جگہ کہتے ہیں کہ بڑے بیوقوف ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں حسینوں میں وفا نہیں ہوتی - وضعداری نہیں ہوتی یہ جھوٹ ہے - اور بالکل جھوٹ ہے - ہمارا تجربہ ہے ہمارے معشوق نے جب سے جفا کرنا شروع کی ہے آجتک برابر جفا کرتا چلا جاتا ہے - عمر گزر گئی اور اس نے اپنی وضع کو نہیں چھوڑا -

عمرے بپیری گشت وہماں برسر جوراست گویند بتاں را کہ وفا نیست چرا نیست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ چاہتا تو میرا محبوب بھی یہی ہے کہ میں مرجاؤں - مگر وہ اپنی زبان سے نہیں کہتا - کہ ایسا نہو یہ سُن کے میں خوشی سے جان دیدوں - کیونکہ اس کو میرا مرنا گوارا ہے مگر خوشی سے مرنا گوارا نہیں -

زبیم آنکہ مبادا بمیرم از شادی نگوید ارچہ بمرگ من آرزومند است

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اچھا صاحب اگر میں التفات کے قابل نہیں ہوں تو نہ سہی - آرزو اور تمنا تو کرنے دیجئے - آپ تو جانتے ہیں غریب مفلس آدمی کی خوشی کیمیا سازی پر مبنی ہوتی ہے ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ سونا بنائیں - مگر عمر بھر میں ایک دفعہ بھی نہیں بنا سکتا - ایسے ہی میری آرزوئیں ہیں -

بہ التفات نیرزم در آرزو چہ نزاع نشاط خاطر مفلس ز کیمیا طلبی است

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا بالکل اطمینان ہے کہ جہنم کو ہمارے جلانے کی نوبت ہی نہ آئیگی - غم ہمکو روز گھلاتا جارہا ہے - لہذا اخیر عمر تک گھل جائیں گے - اور جہنم تک جانے کا قصہ ہی نہ رہے گا -

نیست وقتی کہ بما کاہشے از غم نرسد نوبت سوختن ما بہ جہنم نرسد

ایک جگہ معشوق سے کہتے ہیں کہ کیا تم اس بات سے ڈرے جاتے ہو کہ میں حشر کے دن داور حشر کے سامنے شکایت کرنے بیٹھوں گا - یہ سب تمھارا خیال ہے - ہجوم نالہ کی وجہ سے اتنی بھیڑ ہوگی کہ میرے لب سے ایک نالہ بھی نہ نکل سکیگا -

زمن مترس کہ ناگہ بہ پیش داور حشر ہجوم نالہ لبم را ز نالہ وا دارد

ایک جگہ زاہد یا اپنے کسی دوسرے ہم نشین سے کہتے ہیں کہ بھائی صاحب شیطان سے آپ ڈرئیے - آپ کے پاس دین و ایمان ہے - ہمارے پاس نہ دین ہے نہ ایمان ہمیں خوف و فکر کی کیا ضرورت -

تو داری دین و ایمانے بترس از دیو رہزن کش جو نبود توشہ راہے چہ باک از رہزنم باشد

ایک جگہ ناصح سے کہتے ہیں کہ بابا کیوں تو میرے سر ہو گیا ہے - میں کافر ہو گیا ہوں تو کیوں بُرا سمجھتا ہے - ذرا ابراہیم کو دیکھ

انھوں نے بھی تو دین آذری کو ٹھکرا کر ملت ابراہیمی جاری کردی تھی۔ بات یہ ہے کہ جو اہل نظر ہیں وہ پرانی لکیر کے فقیر نہیں رہتے ہیں۔

بامن میاویز ای پدر فرزند آذر را نگر ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نکرد

ایک جگہ بتاتے ہیں کہ یہ جو صحرا میں ہم ہر خار پر اپنا خون دل چھڑک رہے ہیں یہ بیکار نہیں ہے۔ ہم فن باغبانی صحرا کی ایک کتاب تصنیف کر رہے ہیں

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

ایک جگہ منصور کے دار پر چڑھنے کے واقعہ کو اس شوخی کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جو واحد کو واحد ہی کہتے اوس کا انجام تو یہ ہوتا ہے جو منصور کا ہوا۔ اور جو دو کہتے ہیں ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے

منصور فرقۂ علی اللّٰہیاں منم
منصور عشق نکتہ چینیاں چہ بود در راست خطر زہمنشیناں چہ بود
چوں عاقبت یگانہ بیناں دار است دریاب کہ انجام دو بیناں چہ بود

آپ کے ایک دوست مرزا الف بیگ کی پیرانہ سالی میں لڑکا پیدا ہوا۔ انھوں نے ہمزہ بیگ اوس کا نام رکھا۔ مرزا نے مبارکباد کا یہ قطعہ لکھکر بھیجا۔ جس میں توجیہ کی ایک ایسی ظرافت کی گئی ہے کہ شاید مرزا کے سوا دوسری جگہ نہ ملے۔ عربی میں الف کو بھی ہمزہ ہی کہتے ہیں۔ اسی کو مد نظر رکھ کر مرزا کہتے ہیں کہ الف بیگ کے لڑکے کا نام ہمزہ بیگ کیوں نہ ہوتا۔ الف جب منحنی ہوتا ہے تو ہمزہ کہلاتا ہے۔ الف کا منحنی ہونا الف بیگ کے بڑھاپے کی اولاد پر بہترین روشنی ڈال رہا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ظاہر کرتا ہے کہ باپ کے خصوصیات بیٹے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

چوں الف بیگ در کہن سالے پسرے یافت سر بسر غمزہ
نام او ہمزہ بیگ کرد بلے الف منحنی بود ہمزہ

ولیعہد رام پور کی جب شادی ہوئی تو نواب یوسف علی خاں کے حضور میں مرزا نے بھی ایک تہنیت کا قطعہ لکھکر گزرانا۔ جس میں سے یہ دو شوخ شعر قابل انتخاب ہیں۔ جن میں فرماتے ہیں کہ خدا کرے ہر ضرورتمند کو اُس کی ضرورت کے موافق ملے۔ اور مجھے دو چار شراب کی بھری بوتلیں مبارک ہوں

بطالبان زر و سیم و ذر نسخ بسائلاں تہی کاسہ ناں مبارکباد
بمن کہ تشنہ لب بادہ ہائے پر زورم از انمیاں دو سہ رطل گراں مبارکباد

کسی سے کوئی سوال کرنا۔ کچھ مانگنا۔ اپنی حاجت کا اظہار کرنا عیب ہے۔ مگر نہ اس طرح جیسے کہ مرزا کوئی سوال

کرتے ہیں۔ مگر مرزا یوں سوال کررہے ہیں۔ کہ ساقی تجھے معلوم ہے میں پشنگ اور افراسیاب کی اولاد سے ہوں اور اس طریقہ سے تو نے سمجھ ہی لیا ہوگا کہ میں جمشید کی اولاد میں ہوں۔ لہذا مجھے میراث جمشید ملنا چاہیے۔ شراب جو جم کی طرف سے وراثتاً مجھ کو پہونچتی ہے وہ اب دے دے۔ اس کے بعد بہشت تو مل ہی جائے گی۔ کیونکہ میں آدم کی اولاد ہوں اور بہشت آدم کی میراث ہے۔

ساقی چو من پشنگی وافراسیابیم ۔۔۔ دانی کہ اصل گوہرم از دودۂ جم است

میراث جم کہ مے بود اکنوں بمن سپار ۔۔۔ زیں پس رسد بہشت کہ میراث آدم است

پنشن کے بند ہونے پر مرزا نے جتنی جتنی کوششیں کی ہیں اوس کا حال اون کے رقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں لیا۔ ہر دوست آشنا کو لکھا۔ جب حکام بالا تک ..... یہ معاملہ گیا تو لندن میں اپنے کسی انگریز دوست کو اس معاملہ کی طرف یہ کہکر توجہ دلائی کہ جہاں تک جلد ممکن ہو میرا یہ کام کر دیجئے۔ اسی عرضداشت میں ممدوح یا مکتوب الیہ کی مدح۔ اپنی بدنصیبی کا نہایت خوش اسلوبی سے یہ کہکر بیان کر دیا ہے۔ کہ جناب جو کچھ کرنا ہے جلد کیجئے۔ اور کہیں میرے اس کہنے سے بدگمان نہ ہو جائیے کہ مجھے بھروسہ نہیں کیا ہے۔

بہ التفات تو صد گونہ اعتمادم ہست ۔۔۔ ولے شتاب کہ بر عمر اعتمادم نیست

نواب یوسف علی خاں مرحوم سابق والی رامپور کو جب گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ریاست عطا ہوئی تو مرزا نے مبارکباد کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ کچھ دے ڈالیے، میرا مطلب خلعت ریشمی نہیں حریر نہیں ایک کمبل ہی سہی۔

مقصود از لباس ہماں پوشش تن است ۔۔۔ پوشش گر از حریر نباشد گلیم باد

معشوق سے آنے کی التجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا اگر تو میرے انتظار کا یقین نہیں کرتا تو نہ کر لڑنے کے لیے چلا آ۔ بہانے نہ کرے

ز من گرت نبود باور انتظار بیا ۔۔۔ بہانہ جوئے مباش و ستیزہ کار بیا

ایک جگہ معشوق کو بلانے کی یہ ترکیب نکالی ہے۔ کہتے ہیں ہاں صاحب ٹھیک ہے میں کہتا ہوں کہ پھول گلشن میں بہت عمدہ ہوتا ہے۔ پھر اس میں بحث کیا ہے۔ آپ غصہ میں باہر چلے آئیے اور آکر مجھ سے لڑئیے۔

بے پردہ شو ز غصہ و الزام دہ مرا ۔۔۔ گفتم کہ گل خوش است بہ گلشن چہ میں چہ بحث

ایک جگہ معشوق سے کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح تمھیں آنا چاہیے۔ گو غیر کے گھر کی طرف سے نہ آؤ تو دوسرے رستہ سے آؤ۔ مگر آؤ ضرور۔ تم نے کہا تھا کہ تجھے بلانا نہیں۔ میں تمھاری موت ہوں۔ اچھا اب اپنے قول پر قائم رہو۔ میں نہیں بلاتا ہوں موت کی طرح بے بلائے چلے آؤ۔

ای دوست بسوی اس فرو ماندہ بیا　　از کوچہ غیر راہ گرداندہ بیا
گفتی کہ مرا مخواں کہ من مرگ توام　　بر گفتہ خویش باش و ناخواندہ بیا

شعرا کی دعا سراپا مبالغہ اور سراسر اغلاق و غلو میں ڈوبی ہوئی ہوا کرتی ہے۔ گر مرزا نے کہیں کہیں اس روش کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور نہایت سادگی کی کوشش کی ہے۔ اس میں اگر اون کی کوئی کاوش ہے تو یہ.... کہ اُن کی ظرافت اور ہلکی ہلکی شوخی نہ جانے پائے۔ نواب یوسف علی خاں کی مدح میں جو ایک قطعہ کہا ہے اوس میں دعائیہ شعر یہ لکھا ہے ؎

ہر دم ترا بخلوت راز و ببزم انس　　روح الامین مصاحب و غالب ندیم باد

مرزا کی سوگوارانہ زندگی پر نظر دوڑانے والے پہلی ہی نظر میں اُن کی برگشتہ بختی کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ اور ان کے مصائبِ حیات کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ مگر اس انداز کمال کو دیکھئے کہ مرزا جہاں کوئی اس قسم کا واقعہ بیان کرتے ہیں اسکو اسطرح رنگ دیتے ہیں کہ اس میں حزن و ملال ...... کے پہلو ہی میں ایک نشاط آمیز تصویر بھی بنا دیتے ہیں۔

ایک قطعہ میں اپنی بدنصیبی کا بیان کرتے کرتے کہتے ہیں۔ کہ میاں غالب آخر یہ بات کیا ہے کہ تم آج کل اسقدر مفلس و محتاج ہو رہے ہو۔ نہ کھانے کا سامان ہے نہ پینے کا۔ نہ کہیں سے پیسہ ملتا ہے نہ ٹھکانہ کوئی اپنوں سے نفع پہونچتا ہے نہ بیگانوں سے۔ جب یہ مانی ہوئی بات ہے کہ خدا رزاق ہے اور بندوں کے رزق کا کفیل ہے پھر آخر تمھیں کیوں نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ نہ تو خدا بخیل ہے۔ اور نہ آپ ابھی مر ہی گئے ہیں۔ تو یہ کیا قصہ ہے۔ کہ تم قوت لایموت کے لئے بھی محتاج ہو۔ کچھ نہیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عرصہ سے تمھارا آب و دانہ اٹھایا جا چکا ہے اور تمھارے مار ڈالنے کا حکم اللہ میاں کے یہاں سے جاری ہو چکا ہے۔ فرشتۂ رزق بالکل بے خطا ہے اگر تمھارا رزق ہوتا تو ضرور تم کو پہونچتا۔ مگر فرشتۂ موت حضرت عزرائیل۔ خدا انھیں زندہ رکھے کچھ ڈھیل ڈال رہے ہیں۔ اور جلد بازی سے کام نہیں لیتے ہیں۔ مکمل قطعہ ملاحظہ فرمائیے

ایا زیاں زدہ غالب کہ از حوادث بخت　　نمی رسد بتو خار و خسے ز ہیچ سبیل
چو لازم است کہ پروردگار تا دم مرگ　　بود برزق ضرور یہ عباد کفیل
چراست اینکہ نداری نحو راز سیاہ و سپید　　چراست اینکہ نیابی براز کثیر و قلیل
فتادہ در سر این رشتہ عقدۂ در نہ　　نمردۂ تو و نے رازق العباد بخیل
زچند سال بمرگ تو و تباہی رزق　　شدست حکم خود از پیشگاہ رب جلیل
فرشتہ کہ وکیل است بر خزائن رزق　　نکرد ہیچ توقف برزق در تعطیل
دوم فرشتہ کہ یادش بخیر معزول باد　　روا نداشت در اہلاک شیوۂ تعجیل

لطیفہ کنم از قول شاعرے تضمین　　کہ در لطیفہ مراد ر اکسے نبود عدیل
اگر خدائے بداند کہ زندہ تو ہنوز　　ہزار مشت زند بر دہان عزرائیل

ایک جگہ اپنی بیکسی اور تنہائی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں ایسا معلوم ہوتا ہوں جیسے دربان اور چوکیدار

ماندہ ام تنہا کنج از دو باش این وضع　　خانہ دارم کہ بندار زند در بانش منم

ایک جگہ اپنی بہشت کا حال بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے بہشت میں اگر کوئی پھلنے پھولنے اور بڑھنے والا درخت ہے تو دوزخ کا زقوم ہے۔

نور خرد در آگہی خواہش تن پدید کرد　　صرف زقوم دوزخ ست نامیہ در بہشت ما

ایک جگہ کہتے ہیں کہ زمانہ کے غم و رنج نے ہمیں ہر طرح سے تباہ کیا۔ ایک طرف تو خاص لوگوں کے عیش و عشرت نے تباہ کیا دوسری طرف عوام کی آزادی اور فارغ البالی نے

غالب غم روزگار ناکام کشت　　از تنگی دل بحلقہ دامم کشت
ہم غیرت سربزرگی خاصم سوخت　　ہم رشک نشاط مندی عامم کشت

اسی طرح کی یہ رباعی ہے اور اس میں بھی وہی شوخی بیان موجود ہے کہتے ہیں۔ کہ ساقی روز ازل نے میری قسمت کے پیمانہ میں زہر ہی زہر بھرا ہے۔ کسی طرح چین نہیں ہے تو سعادت و نحوست کو لئے پھرتا ہے۔ یہ سب فضول ہے مجھے سعادت نے بھی مارا اور نحوست نے بھی۔

آنم کہ بہ پیمانہ من ساقی دہر　　ریزد ہمہ دُرد درد و تلخابہ زہر
بگزر ز سعادت و نحوست کہ مرا　　ناہید بغمزہ کشت و مریخ بہ قہر

جن لوگوں نے مرزا کا یہ شعر پڑھا ہوگا۔

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالب　　ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

وہ یقینی واقف ہوں گے کہ شکوہ و شکایت میں مرزا کا کیا درجہ ہے۔ اور کس پایہ کے خیالات ان کی شکایتوں میں مخفی ہیں۔

مثنوی "ابر گہر بار" میں ان کے مناجات کا وہ حصہ جہاں خدا سے انھوں نے گفتگو کی ہے۔ غالب کا شاہکار شوخ بیانی ہے

قیامت قائم ہے۔ نفسی نفسی کا عالم ہے۔ نہ کوئی کسی کا یار ہے نہ غمگسار ہے۔ میزان عدل قایم ہے لوگوں کے

نامۂ اعمال وزن کئے جا رہے ہیں۔ کسی کا نیکی کا پلہ بھاری ہے۔ کسی غریب کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہیں۔ مآل کار پر نظر تصویر حیرت بنا ہوا کھڑا ہے۔ غرض کہ یہ ہنگامہ ہے اور اسی ہنگامۂ دار و گیر میں مرزا صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ بارگاہ کبریائی سے حکم ہوتا ہے۔ کہ اس بندے کے بھی اعمال تو لو۔ مرزا سنتے ہیں۔ اور سوچتے ہیں۔ کہ نامۂ اعمال میں بجز بدی کے کیا رکھا ہے۔ اور اس سے رسوائی کے سوا کیا نتیجہ ہے۔ بڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بار خدایا مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہو یہ عرض کرتے ہیں کہ اے میرے مولا۔ میں تیرا ایک بے بضاعت نالائق بندہ ہوں۔ میری خطائیں معاف کر۔ اور اعمال کے تولنے کی زحمت نہ فرما۔ اس کے تولنے میں کیا رکھا ہے۔ اور خواہ مخواہ میرے داغ ہرے ہوں گے۔ اگر ایسا ہی ضرور ہے تو میرے رنج و غم کو تول لے۔ میرا سرمایۂ عمر تو سوائے رنج و غم کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اور اب اس کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ وہ تو جو کچھ کیا دھرا ہے تیرا ہی ہے۔ جو رنج دئیے ہیں تو نے ہی دئے ہیں۔ حسرت سے تو نے مجھے پیدا کیا اور اوسی سے میرا خمیر کیا۔ میرے لئے خود میرا دم سرد زمہریر کی برابر ہے تو پھر کیا اب مجھے دوزخ میں ڈالنے اور عذاب دینے کی فکر کر رہا ہے۔ اور اگر ایسا ہی عذاب دینا منظور ہے۔ تو پھر اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ تو سمجھ لے حساب کتاب ہو گیا۔ اور مجھے دوزخ میں بھیج دیا۔ اور اگر تو یہ نہیں مانتا ہے۔ اور میرا حساب و کتاب ہونا ہی ضروری ہے تو پھر مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ معاف کیجئے۔ میں بہت عاجز ہو چکا ہوں۔ اور جب آپ کو بغیر کہے ہی سب خبر ہے تو پھر نہ کہنے کے کیا معنی ہیں۔

سنئے یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں کافر نہیں ہوں۔ آتش پرست نہیں ہوں۔ سورج کو میں نے کبھی نہیں پوجا۔ کسی کو مار انہیں کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا۔ البتہ اس سے مجھے انکار نہیں کہ شراب پی اور ضرور پی۔ لیکن اس طرح کہ خود مجھے اس پر شرم آتی ہے۔ اگر شراب ہی کا حساب و کتاب کرنا ہے تو جمشید۔ بہرام۔ پرویز وغیرہ سے حساب کیجئے کہ پیتے تھے اور مزا کرتے تھے۔

میں کیا اور میری مے نوشی کیا۔ یہ بھی کمبخت مستقل عذاب تھا۔ جب پی بھیک مانگ کر پی۔ چہرہ پر کالک لگائی اور پڑ رہے۔ نہ کوئی باغ۔ نہ شراب خانہ۔ نہ کوئی گانیوالا موجود۔ نہ کوئی معشوق۔ نہ ناچ نہ رنگ۔ نہ گوئے نہ ساز نہ لَے۔ یہ بھی کوئی مے نوشی تھی۔

میں نے زندگی تو گزار ہی دی۔ مگر کیا بتاؤں کہ کیسی کیسی مصیبت سے گزاری۔ مہینے کے مہینے عشق و محبت میں کاٹے سالہا سال بے پئے گزارے۔ ہائے کوئی مجھی سے پوچھے جب ساون بھادوں کی گھٹائیں جھوم کر آتی تھیں۔ اور میرا پیالہ شراب سے خالی ہوتا تھا۔ دنیا بھر سبزۂ خود رو کی بہار سے مست کیف عشرت تھی۔ اور میں اپنے گھر کا دروازہ بند کئے پڑا رہتا تھا۔ زمانہ بھر میں پھول کھلے ہوتے تھے۔ دنیا راگ رنگ میں سرشار رہتی تھی۔ اور میں غم زدہ اپنے حجرہ میں پڑا رہتا تھا۔

اگر اتفاقیہ طور پر کبھی شراب ملی تو پیالہ نہ ملا۔ اور پیالہ ملا تو شراب نہ ملی۔ کیا اس نے آلودگدڑی کو دیکھتا ہے۔ میرے جسم کو دیکھ کہ خمار کے مارے انگڑائیاں لیتے لیتے کمان بن کے رہ گیا ہے۔

ہمسایوں نے میرے ساتھ بدسلوکیاں کیں۔ تیمار داروں نے مجھے فریب دیئے۔ بے مایہ اور کم حیثیت لوگوں سے مجھے سوال کرنا پڑے۔ عمر بھر مینوانِ مجھے رہنا پڑا۔ نہ میرے زمانے میں کوئی ایسا بادشاہ بنا کہ ظہوری کی طرح مجھے انعام دیتا۔ اور میں اس کو فقیروں اور مسکینوں کو تقسیم کر دیتا۔ نہ تو نے مجھے کوئی ایسا معشوق دیا کہ میں اس کے ناز اٹھاتا اور خوش ہوتا۔

اب کیا کہوں کیا کیا مصیبتیں میں نے اٹھائی ہیں اور کیا کیا آفتیں مجھ پر پڑی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جب مجھے وہ باتیں یاد آتی ہیں تو بہشت میں بھی میرا جی نہ لگے گا۔ پھر تو ہی انصاف کر کہ جو شخص بہشت کو بھی کچھ نہ سمجھے اُسے دوزخ میں بھیجنا کہاں تک جائز ہے۔

فرض کیجئے آپ نے مجھے جنت بخش دی۔ مگر جنت سے ہوتا کیا ہے۔ اور جنت میں وہ باتیں کہاں مان لیجئے کہ صبوحی کے طور پر صبح کے وقت شراب طہور پی۔ تو بلوریں جام اور زہرہ صبح کہاں۔

معشوق کے بدلے حور ہے۔ مگر نہ اس سے غم ہجر کا لطف آسکتا ہے نہ ذوقِ وصل پورا ہو سکتا ہے۔ وہ جو دنیاوی معشوق ہمارے اور ہر ایک بوسہ کے بدلے ہزاروں احسان لاد دیتے تھے وہ جن کے وصل کے انتظار میں برسوں ہم کو گزارنا پڑتے تھے۔ وہ جو ہم میں اور ہمارے معشوق میں کشاکش ہوتی تھی۔ ہم یہ کھینچتے تھے اور وہ بھاگتا تھا۔ وہ جو ہم کو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر فریب دیا جاتا وہ سب اس نیک بخت حور میں باتیں کہاں ہیں۔ یہاں تو یہ حالت ہے جو بات کہی مان لی اور کچھ تلخ بات نہیں کہی۔ جو حکم دیا بجا لائی۔ یہ بھی کوئی حسن کا انداز ہے۔ جنت نام کی جنت ہے۔ یہاں نظر بازی کا لپکا کہاں۔ یہاں ذوقِ دیدار کہاں۔ یہاں دیوار میں روزن کہاں کہ جھانک جھانک کر نظارۂ جمال سے شادکام ہوں۔ نہ یہاں کوئی دلالہ کہ پیغام سلام لے جائے۔ نہ یہاں کسی ماہ پرکالہ کی آرزو۔

اے میرے خدا یہی ساری باتیں تھیں جن کو ہمیشہ دل چاہتا تھا اور کبھی پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اب تو میرے گناہوں کا حساب کرے گا تو میں ہر گناہ کے مقابلہ میں ایک حسرت پیش کروں گا۔ پھر بھلا تو ہی بتا کہ جب گناہوں سے زیادہ میری حسرتیں ہوں گی تو کیونکر کام چلے گا۔ اور اس کا کیونکر حساب ہوگا۔ فارسی میں ان کے اشعار اس مضمون کے ملاحظہ ہوں۔

بدوش ترازو مسنہ بار من ٭ نسنجیدہ بگزار کردار من
اگر دیگراں را بود گفت و کرد ٭ مرا مایہ عمر رنج است و درد

مرا نیز یارائے گفتار دہ چو گویم بران گفتہ زنہار دہ

دل از غصہ خوں شد نہفتن چہ سود چو نا گفتہ دانی نہ گفتن چہ سود

ہمانا تو دانی کہ کافر نیم پرستار خورشید و آذر نیم
نکشتم کسے را بہ اہرمنی نبردم کسے مایہ در رہزنی
مگر مے کہ آتش بگورم ازوست بہنگامہ پرواز مورم ازوست
حساب مے و رامش و رنگ و بوے ز جمشید و پرویز و بہرام جوے
کہ از بادہ تا چہرہ افروختند دل دشمن و چشم بد سوختند
نہ از من کہ از تاب مے گاہ گاہ بدریوزہ رخ کردہ باشم سیاہ
نہ بستانسرائے نہ میخانۂ نہ دستانسرائے نہ جانانۂ
نہ رقص پری پیکراں بر بساط نہ غوغائے رامشگراں در رباط
شبانگہ بمے رہنمونم شدے سحرگہ طلبگار خونم شدے
تمنائے معشوقۂ بادہ نوش تقاضائے بیہودۂ مےفروش

چہ گویم چو ہنگام گفتن گذشت ز عمر گرانمایہ بر من گذشت
بسا روزگاران بدلدادگی بسا نوبہاراں بہ بے بادگی
بسا روز باران و شبہائے ماہ کہ بودست بے مے بچشمم سیاہ
افقہا پُر از ابر بہمن مہی سفالینہ جام من از مے تہی
بہاران و من در غم برگ و ساز در خانہ از بے نوائی فراز
جہاں از گل و لالہ پر بو و رنگ من و حجرہ و دامنے زیر سنگ
اگر تافتم رشتہ گوہر گسست وگر یافتم بادہ ساغر شکست
چہ خواہی ز دلق مے آلود من ببیں چشم خمیازہ فرسود من

نہ بخشندہ شاہے کہ بارم دہد بہر بار زر بیل بارم دہد

نہ نازک نگارے کہ نازش کشم
بہر بوسہ زلف درازش کشم

ہنوزم ہماں دل بجوش اندر است
ز دل بانگ نوشم بگوش اندر است

چو آں نامرادی بیاد آیدم
بفردوس ہم دل نیاساید م

دلے را کہ گیتی شکیبد بباغ
در آتش چہ سوزی بہ سوزندہ داغ

صبوحی خورم گر شراب طہور
کجا ابر و بہرہ صبح و جام بلور

دم شبرو ابر و یہاے مستانہ کو
بہنگامہ غوغاے مستانہ کو

دراں پاک میخانہ بے خروش
چہ گنجائی شورش نائے نوش

سیہ مستی ابر و باراں کجا
خزاں چوں نباشد بہاراں کجا

اگر حور در دل خیالش کہ چہ
غم ہجر و ذوق وصالش کہ چہ

چہ منت نہد ناشناسا نگار
چہ لذت دہد وصل بے انتظار

گریزد دم بوسہ ایمانش کجا
فریبد بہ سوگند دینش کجا

نظر بازی و ذوق دیدار کو
بفردوس روزن بدیوار کو

نہ چشم آرزو مند دلالہ
نہ دل تشنۂ ماہ برکالہ

ازینہا کہ پیوستہ میخواست دل
ہنوزم ہماں حسرت آلاست دل

بہر جرم کز روے دفتر رسد
ز من حسرتے در برابر رسد

بفرمائے کیں داوری چوں بود
کہ از جرم من حسرت افزوں بود

شراب کے متعلق مرزا کے یہاں اتنے شعر پائے جاتے ہیں کہ اگر سب شعر جمع کئے جائیں تو شاید اُن کی تعداد خیام وحافظ کے شعروں سے کم نہ رہے۔ مگر ہمارا یہاں نہ یہ مقصد ہے کہ ہم خیام وحافظ کے ساتھ مرزا کے اشعار کا مقابلہ کریں۔ اور نہ فلسفہ خمریات سے بحث کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ہم چند ایسے اشعار شراب کے متعلق چنکر پیش کرتے ہیں

جن میں ایک قسم کی ہلکی اور لطیف ظرافت موجود ہے۔
کہتے ہیں کہ ہم سے شراب پلانے کا وعدہ حشر کے لئے کیا گیا ہے۔ ادہر وعدہ کرنے والا شاید یہ سوچتا ہوگا کہ یہ وعدہ ہم کو بہت ہی گراں گزرے گا۔ اور ہم اس طول مدت سے گھبرا جائیں گے۔ مگر ہم کو اس سے اور زیادہ خوشی ہے اس لئے کہ شراب جتنی پُرانی ہوتی جاتی ہے۔ وہ اور بھی لطیف ہوتی جاتی ہے ؎

گفتی زمے بحشر دہ بر نجم ازیں درنگ　　مستی دہد زیادہ چو صہبا کہن شود

ایک جگہ کہتے ہیں۔ کہ عید کا دن ہے خوشحالی اور سرور و خرمی کا دور دورہ ہے۔ پی اور خوب جی بھر کے پی۔ کیا تو گناہ سے ڈرتا ہے۔ اچھا یہی بات ہے تو گناہ میرے ذمہ رہا۔

عید ست و نشاط و طرب و زمزمہ عام ست　　مے نوش گنہ بر من اگر بادہ حرام ست

اسی سلسلہ میں کہتے ہیں کہ شراب بھی کیا کوئی روزہ ہی جو آج کے دن حرام ہے

عید است و صلائے خورو نوش است جہاں را　　مے روزہ نباشد کہ دریں روز حرام است

ساقی سے کہتے ہیں کہ یہ تو تجھ کو معلوم ہی ہے کہ شراب صرف اندازہ سے پینا حرام ہے۔ بے اندازہ حلال ہے اس کی ترکیب یہ ہے کہ تو اٹھ کر اپنا شیشہ ہمارے پیمانہ پر پٹک دے۔

مے باندازہ حرام آمدہ ساقی ورنہ　　شیشہ خود بشکن بر سر پیمانۂ ما

ایک جگہ کہتے ہیں کہ جتنی ہو بس اُس کو آج ہی چڑھا جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ شریعت ہم کو یہی خبر دیتی ہے کہ شراب آج پانی ہے۔ مگر کل یہ آگ ہو جائے گی ؎

پاک خورام روز دز نہار از پئے فردا منہ　　در شریعت بادہ امروز آب و فردا آتش ست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اس جنگ و جدل کو چھوڑ کہاں کے فضول جھگڑوں میں پڑا ہے میخانہ کی باتیں کر کیونکہ وہاں نہ جنگ جمل کی باتیں ہوتی ہیں اور نہ کوئی فدک کا جھگڑا لے کر بیٹھتا ہے

بحث و جدل بجا گزار میکدہ جوئے کاندراں　　کس نفس از جمل نزد کس سخن از فدک نخواست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ شراب پی اور خدا کے کرم پر بھروسہ رکھ کیونکہ خط پیالہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کتنی پینی چاہئے۔ کب پینی چاہئے۔ کیونکر پینی چاہئے مطلب صرف پینے سے ہے پئے جا۔

مے نوش و تکیہ بر کرم کردگار کن　　خط پیالہ را رقم چون و چند نیست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ غالب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بس برسات صرف ان تین باتوں کے لئے آتی ہے۔ اور اس موسم کے پیدا کرنے کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔ شراب چڑھائے۔ آم کھائے۔ اور برف کا شربت پئے۔

غالب من و خدا کہ سرانجام برشگال　　غیر از شراب و انبہ و برفاب قند نیست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ابر کرم کا مشغلہ بس اتنا ہی ہے۔ کہ جن لوگوں کے خرقے پر شراب کے داغ ہوں انھیں دھو دیا کرے ؎

شستن و شستن مشغلۂ شوخی ابر کرم است ۔۔۔ در ہم آں خرقہ کہ با داغ نیا سودن رفت

معشوق کو ہدایت کرتے ہیں کہ روزہ کے مہینے میں زلفیں کھولے ہوئے تو پریشان ہو کر کیوں پھر رہا ہے۔ مزہ کر شراب پی۔ کہ آج زمانہ میں تیری زلفیں پریشان ہونے کی وجہ سے یا تیرا چاند سا چہرہ دیکھنے سے عید کی چاند رات ہو رہی ہے۔

در ماہ روزہ طرۂ پریشاں چہ میروی ۔۔۔ مے خور کہ در زمانۂ شب بودہ است

ایک جگہ کہتے ہیں کہ بھئی اب ہم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اتنی دور جائیں اور گھڑا بھر کر شراب لے کر واپس آئیں۔ ہمارا مکان تو بس میخانہ کے قریب ہی بننا چاہیے تھا۔

بر تابم لیسبو بادہ ز دور آوردن ۔۔۔ خانۂ من بسر کوے مغاں میبایست

ایک جگہ یوں منادی کرتے ہیں کہ بھائیو ولایتی شراب آگئی ہے اور بہت سستی ہوگئی ہے۔ ایک دین کے عوض ایک گھونٹ ملتی ہے۔ خرید و، دوڑو۔ دیکھو بہت سستی ہے شاید پھر نہ ملے

از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است ۔۔۔ جرعہ را دین عوض آرید مگر ارزاں شدہ است

آپ کعبہ میں ہیں اور نعرے لگا رہے ہیں۔ کہ ہے کوئی خدا کا ایسا نیک بندہ جو کعبہ میں ہمیں بھرا ہوا شراب کا ایک پیالہ پلا دے۔ ضمانت کے لئے اگر ضرورت ہو تو ہم جامۂ احرام گرو رکھ سکتے ہیں۔

کیست در کعبہ کہ رطلے ز نبیذم بخشد ۔۔۔ در گروگاں طلبد جامۂ احرامی ہست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ بغدادی کون ہے اور بسطامی کون ہے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ حسینان نازنین تاتار سے آتے ہیں۔ اور شراب لندن سے آتی۔

مے صافی ز فرنگ آید و شاہد ز تتار ۔۔۔ ما ندانیم کہ بغدادی و بسطامی ہست

ایک جگہ کہتے ہیں۔ کہ خلوت میں جو روزانہ دوست کے ساتھ شراب پیتا رہتا ہے۔ وہ اچھی طرح حور اور کوثر اور بہشت کی حقیقت کو جانتا ہے اور اس شعبدہ بازی کا حال سب اوس پر کھلا ہوا ہے۔ یا یہ کہ اس کا لطف اس کو اچھی طرح معلوم ہے۔

با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام ۔۔۔ داند کہ حور و کوثر و دار السلام چیست

اسی غزل میں کہتے ہیں۔ آج کل میاں غالب شراب کا نرخ دریافت کرتے پھرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ مصحف اور خرقہ کہیں بک گیا ہے۔

از کاسۂ کرام نصیب است خاک را ۔۔۔ تا از فلک نصیبۂ کاس کرام چیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت — پرسد چرا کہ نرخ مے لالہ فام چیست

ایک جگہ کہتے ہیں شراب سب کو ایک ہی سبوسے ملتی ہے۔ مگر قسمیں سب کی الگ ہیں۔ جمشید جام جم میں پیتا ہے۔ اور قلندر اپنی تونبی میں

از یک سبو است بادہ و قسمت جدا جدا است — جمشید جام برد و قلندر کدو گرفت

ایک جگہ کہتے ہیں کہ غالب جو بہشت میں گیا داروغہ بہشت نے شیر و شہد سے تواضع کی اس غریب نے کہا کہ معاف فرمائیے یہ نہیں ہمیں تو شراب چاہیے۔

رضواں چو شہد و شیر بہ غالب حوالہ کرد — بیچارہ باز داد و مے مشکبو گرفت

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی بہار برسات ہے۔ خیر خدا کا شکر ہے یہاں بھی شراب پینے کا ایک موسم ہے

بہار ہند بود برشگال ہاں غالب — دریں خزاں کدہ ہم موسم شرابے ہست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ شراب سے جو منع کرتے ہیں اس کی وجہ معلوم ہے یا نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ اور یہ فقرہ ضرب المثل کے طور پر اس میں آیا ہے اسقدر بلیغ ہے کہ سیکڑوں ظرافت آمیز معنے اس میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

باید ز مے ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند — آرے دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند

ایک جگہ کہتے ہیں کہ نہ معلوم مجھے لوگ شراب پینے سے کیوں روکتے ہیں۔ میں کوئی محدث اور فقیہ تو ہوں نہیں کہ میری ثقاہت کو شراب نقصان پہونچائے گی۔ میں تو شاعر ہوں شاعر کو شراب سے کیا نقصان پہونچ سکتا ہے۔

بادہ گر بودم میل، شاعرم نہ فقیہ — سخن چہ ننگ بآلودہ دامنی دارد

اسی غزل میں کہتے ہیں کہ ہم میکدے میں آئے ہیں تو ساقی بچھا جاتا ہے۔ ہم اپنے جی میں خوش ہیں۔ کہ ہماری بڑی تعظیم ہو رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ شراب رہی نہیں ہے ساقی صرف اس بزرگ داشت پر ہم کو ٹالنا چاہتا ہے۔

خوشم ببزم ز اکرام خویش و زیں غافل — کہ مے نماندہ و ساقی فروتنی دارد

ایک جگہ کہتے ہیں کہ یہ بے مغز واعظ سمجھے ہیں کہ جنت میں حوریں ہیں کوثر ہے کیونکہ اسی کی خبر دی گئی ہے اور احمق یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ حور و کوثر فقط ایک استعارہ ہے شراب و شاہد کا کھلم کھلا نام لینا منع ہے۔ ان کو صرف یہ نام لیکر کام میں پھنسا دیا ہے باقی مطلب وہی شراب و شاہد ہے۔

گفتند حور و کوثر و دادند ذوق کار — منع است نام شاہد و مے آشکار برد

ایک جگہ کہتے ہیں۔ کہ میں توبہ کر کرا کے مسجد میں آگیا تھا۔ اپنے ذوق عبادت میں مصروف تھا۔ ساقی آیا اور مجھ سے کہا کہ کیا تسبیح لے کے بیٹھا ہے۔ آجکل شرابخانہ میں طرح طرح کی شرابیں آئی ہیں۔ بس یہ سنکے میرے منھ میں پانی بھر آیا۔

اور تسبیح و مصلے چھوڑ کر پھر میں میخانہ میں آ گیا۔ اب جو یہاں آ کے دیکھا تو یہ سب فریب تھا۔ یہاں ایک دو ساغر سے زیادہ موجود نہیں ہے۔

ساقی دگرم برُ دبے خانہ ز مسجد
می یکد و قدح بود و فریبم بہ سبو داد

ایک جگہ واعظ سے کہتے ہیں۔ کہ ہمیں تو صرف شراب کا ایک مٹکا بھر کے بھیجدے باقی پھر تو جاہے جتنے دودھ کے دریا بہائے جاہمیں اور پرہیزگاروں کو فریب دیئے جا

خمی از مے بہ ما بفرست و آنگہ ہر قدر خواہی
رواں کن جوے از شیر و دل از پرہیزگاران

کہتے ہیں کہ روزہ داروں کے اوپر بڑا رحم آتا ہے عید کے دن بھی غریب شیر و خرما میں مست ہیں بھلا اس شیر و خرما میں شراب کا لطف کہاں۔ بھئی خدا کے لئے کوئی بیچاروں کو ہمارے نشاط میں سے تھوڑا سا حصّہ بھی بخا دو

ندارد شیر و خرما ذوق صہبا رحم مے آید
نشاط عید از ما ہدیہ سوی روزہ داران

ایک جگہ کہتے ہیں کہ کیا کہنا ہے کوثر اور کوثر کی شراب مقدس کا۔ مگر ہمارے خمار میں وہ کام نہیں آسکتی بس اتنی ہی خرابی ہے۔

خوش است کوثر و پاکست بادہ کہ در وست
از ان رحیق مقدس دریں خمار چہ حظ

ایک جگہ کہتے ہیں کہ سنو بھئی غالب خیر یہ تو منظور ہے کہ ہم تم کو میخانہ کے پاس ہی کہیں رہنے کے لئے جگہ دلوا دیں گے مگر شرط صرف یہ ہے کہ صرف سونگھنے پر قناعت کیجئے پینے کو نہیں ملے گی۔

ترا بہ پہلوئے میخانہ جا دہیم غالب
بشرط آنکہ قناعت کنی بہ بوے رحیق

ایک جگہ کہتے ہیں کہ دوزخ اور کوثر میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ میرے سینہ میں بھی ایسی ہی آگ لگی تھی اور میرے ساغر میں بھی ایسا ہی پانی تھا۔

تا چہ سنجم دوزخ و کوثر کہ من نیز ایں چنیں
آتشے در سینۂ و آبے بہ کوثر داشتم

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہم ذمی ہیں۔ یعنی وہ کافر ہیں کہ جنھیں بادشاہ نے پناہ دی ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے اب اگر ہم رمضان کے مہینے میں بازار میں بیٹھ کر پئیں تو بھی کوئی ہمارا کچھ نہیں کر سکتا

من کافر ذمی شاہم بہ من ارزد
مے در رمضان برسر بازار کشیدن

ایک جگہ کہتے ہیں کہ جنت مل بھی گئی تو کیا لطف اور وہاں شراب بھی پی تو کیا نتیجہ۔ نہ تو بادہ طہور میں محتسب کا غم۔ اور نہ اوس عیش میں اندیشۂ زوال۔ پھر وہ شراب کس کام کی۔ اور اس عیش کا کیا مزا!

در بادۂ طہور غم محتسب کجا
در عیش خلد لذت بیم زوال کو

کہتے ہیں کہ حشر میں میری حسنات کا جائزہ لیا گیا تو سوائے ایسے روزوں کے جو شراب سے کھولے گئے تھے، ایک۔

نیکی بھی نہ ملی۔

خجلت نگر کہ در حسناتم نیافتند — جز روزۂ درست بہ صہبا کشودۂ

ایک جگہ کہتے ہیں کہ غالب چاندنی رات ہے شراب پیو۔ اچھا یہ تو چاندنی رات ہے۔ فرض کیجئے کہ رمضان ہوتا تو کیا کرتے کیا یوں ہی خاموش بیٹھے رہتے۔

غالب سر خم بکشا پیمانہ بہ می درزن — آخر نہ شب ماہست گیرم رمضانستے

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہم شہر عدم کے اطراف کے رئیس زادہ ہیں۔ عنقا کے انڈے ہمارے یہاں کے موتی ہیں۔ شوخی یہ ہے کہ عنقا خود معدوم ہے۔ لہذا اس کا انڈا بھی معدوم ہے۔ یعنی ہمارے پاس کچھ نہیں۔

محتشم زادۂ اطراف بساط عدمیم — گوہر از بیضۂ عنقاست بہ گنجینۂ ما

کاجل۔ سُرمہ۔ چورن۔ منجن

اڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کر کے اپنی رائے ان کے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات میں ظاہر کی ہے۔ دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو:۔ سرمہ ضعف بصارت وغیرہ کے لئے بہت مفید ہوا، ایک شیشی اور بھیج دیجئے۔

(سید رضا، نزپرسو بنیتھ) (دیوت محل)

کاجل۔ آشوب، سرخی، ضعف بصارت کیلئے از بس مفید ہے۔ ایک ڈبیہ جو ایک شخص کے لئے سال بھر کو کافی ہے۔

قیمت ایک روپیہ عہ ر

سرمہ۔ یہ بیش بہا سرمہ چالیس دن میں تیار ہوتا ہے، اس میں نہ ممیرہ ہے نہ کوئی جواہر بلکہ معمولی سرمہ ہے جسکو جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیس کر تیار کیا جاتا ہے اس کے فوائد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جالا، دھند۔ موتیا بند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے اور بارہا آزمایا ہوا ہے قیمت فی پڑیہ (عہ ر) علاوہ محصول،

چورن۔ یہ وہ اکسیری چیز ہے جس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے، پیٹ کا درد، قبض، نفخ ریاح کا پیدا ہونا، سوء ہضم دستوں کا آنا، سب یک لخت اس کے استعمال سے جاتا رہتا ہے کیسا ہی شدید درد پیٹ میں ہو ایک چٹکی کھالینے سے جاتا رہتا ہے۔ قیمت فی ڈبہ ۸ تولہ عہ ر علاوہ محصول۔

منجن۔ اس کی ادنیٰ خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں قیمت فی ڈبہ ۸ تولہ ایکروپیہ علاوہ محصول۔

نوٹ:۔ سب چیزیں منگانے والوں کو محصول ڈاک معاف۔

پتہ:۔ م بیگم دفتر رسالہ نگار لکھنؤ۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے مسافر ہیں سفر کرتے کرتے دریا پر پہونچے اور ہوکے کے مارے پانی پینے کے لئے دریا میں کود پڑے اب ہمارا نشان یہی ہے کہ ہمارا توشہ دریا کے کنارے رکھا ہوا ہے۔ اور ہمارا کہیں نشان بھی نہیں۔

رہرو تفتہ در رفتہ بہ آبم غالب
توشہ بر لب جو ماندہ نشانست مرا

ایک جگہ پیر مغاں کے ہاتھ جوڑ رہے ہیں قدموں میں سر رکھتے ہیں۔ خدا کے واسطے دیتے ہیں اور معافی چاہتے ہیں کہ للہ ہماری خطا معاف فرما دیجئے۔ ہم نے احرام مستی میں باندھ لیا تھا۔ آپ بیکار ناراض ہو گئے۔

بیگناہم پیر دیر از من مرنج
من بمستی بستہ ام احرام را

ایک جگہ کہتے ہیں کہ آج کل میں ہمارا معشوق ہمارے پہلو میں بیٹھنے والا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو اپنے امتحان پاکبازی کا دھوکا دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ذرا دیکھئے تو ہم کو آزمائیے تو ہم بڑے پاکباز ہیں۔ اور اتفاق سے وہ ہمارے فریب میں آگیا ہے۔ اسی لئے وہ ہمارے آزمانے کے لئے ہمارا پہلو گرم کرنے والا ہے۔ اور وہ بھی خلوت میں۔

بخلوت مژدہ نزدیکی یار است پہلو را
فریب امتحان پاکبازی دادہ ام اورا

ایک جگہ کہتے ہیں کہ میں ایک مسافر راہ نوردہوں۔ اور حالت یہ ہے کہ تاریک رات ہے منزل دور ہے۔ راستہ میں کہیں کسی مسافر کا نقش قدم نہیں۔ سخت مصیبت ہے۔ وہ تو کہئے کہ کبھی کبھی جو میں شراب پی لیتا ہوں۔ اوس سے ایک بجلی سی چمک جاتی ہے اور دس بیس قدم چل لیتا ہوں ورنہ راہ قطع کرنا میرے لیے نہایت دشوار تھا۔ جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے شراب کے مضمون کو اس شوخی بیان کے ساتھ کسی نے نہیں کہا۔

شبم تاریک و منزل دور و نقش جادہ ناپیدا
ہا لا گم جلوہ برق شراب گاہ گاہی را

ایک جگہ بطریق تجرید کہتے ہیں۔ کہ کیا کہا جائے عجب دیوانے سے ہمارا واسطہ پڑ گیا ہے۔ غالب نہ تو مسلمان ہے اور نہ کافر ہے عجب گومگو میں ہیں کہ آخر ہم اس سے کیا کہکر خطاب کریں۔

کالے عجب افتاد بدیں شیفتہ ما را
مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

ایک جگہ کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کا وہ غلام ہوں جو کھاتا زیادہ ہے کام کم کرتا ہے۔

در پرستش ستم و در کالجوئی استوار
بادشہ را بندۂ کم خدمت پرخوارہ ہست

ایک جگہ بتوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں۔ کہ اے بتو خدا کے لئے جلدی غالب کو راضی کر لو۔ سنا ہے کہ وہ مسلمان ہونے کو پھرتا ہے۔ اگر کہیں سچ مچ مسلمان ہو گیا۔ تو پورے بتخانے کی آبرو پر پانی پھر جائے گا۔

خدا را ای بتاں گردو لش گردیدنی دارد
دریغا آبروے دیر گر غالب مسلماں شد

اللہ میاں سے کہتے ہیں کہ آپ کیا غضب کرتے ہیں کہ مجھے بہشت دے رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں کی آب و ہوا میں مجھے وہی گلی یاد آئے گی۔

آب ہوائے ایں فضا کوئے کہ باد میدہد میدہیم بجلد جا رحم کجاست ای خدا

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اچھا صاحب میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ میرا نالہ وفغاں قابل رحم نہیں ہے۔ میں عاشق ہوں۔ لہذا مجھ پر کرم نہیں کیا جاسکتا۔ خیر اس کا مجھ کو کوئی شکوہ نہیں۔ مگر اس کا کیا جواب ہے۔ کہ منشی بے بدل بھی ہوں۔ شاعر خوش گفتار بھی ہوں۔ رند ہزار شیوہ بھی ہوں۔ مصاحب اور ندیم بھی ہوں۔ غرضکہ ہر فن مولا آدمی ہوں۔ اگر بحیثیت عاشق کے رحم نہیں کیا جاتا تو نہ کیا جائے۔ مگر ان کاموں کا مشاق سمجھ کے تو رحم کیجئے۔ کیا سرے سے ایک عشق کے ساتھ میری تمام عزتیں اور تمام استحقاق دریا برد کر دئے گئے۔

گرفتم رحم بر فریاد وافغانم نمی آید دبیرم۔ شاعرم۔ رندم ندیمم شیوہا دارم

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اگر تیرے ناز کی یہی درازیاں جاری رہیں۔ تو یقینی دارا کی ملک سکندر کو نہیں پہونچ سکتی۔

گر چنیں ناز تو آمادہ یغما ماند بہ سکندر نرسد ہر چہ ز دارا مارا

ایک جگہ کہتے ہیں جو مئے ومعشوق کی تمنا لے کر دنیا سے جارہا ہے گویا وہ شخص حور اور کوثر بہیں سے ساتھ لئے جاتا ہے اوس کو وہاں مے وکوثر کی ضرورت نہیں ہے۔

ذوق مے ناب وہوس روے نکو برد ہمرہ رودش کوثر وحوراں کہ دم مرگ

ایک جگہ معشوق کی شوخی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ظالم کی یہ کیفیت ہے کہ اوروں کو تو شراب دیتا ہے اور جب میرا نمبر آتا ہے تو پیالہ بھر کے مجھے دکھاتا ہے اور زمین پر گرا دیتا ہے۔

بمن نماید و در انجمن فرو ریزد دہد بہ مجلسیاں بادہ وبہ نوبت من

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اگرچہ نبیذ رطب ہی سے بنتی ہے۔ مگر پھر بھی دونوں میں بڑا زبردست فرق ہوتا ہے۔ رطب میں وہ مزا کہاں ہے جو نبیذ میں ہے۔ اسی طرح جب بوسہ دشنام بنجاتا ہے تو بات ہی اور پیدا ہوجاتی ہے۔

لذت دگر دہد بوسہ چو دشنام شد ہست تفاوت بسے ہم ز رطب تا نبیذ

ایک جگہ معشوق کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ یہ تو میں کہتا نہیں کہ یہ سب ظلم جو کچھ ہو رہا ہے۔ خدا کی طرف سے ہو رہا ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خدا تیرے زمانہ میں کسی پر رحم نہیں کرتا۔

خدا بہ عہد تو بر خلق مہرباں نشود نگفتہ ام ستم از جانب خداست ولے

معشوق نے مرزا صاحب کی طرف ذرا التفات کی ہے۔ مرزا صاحب کے دوست احباب خوش وخرم چلے آتے ہیں۔ مبارک سلامت کا شور وغل ہے۔ جو آتا ہے وہ تہنیت کے الفاظ زبان پر لاتا ہے۔ مرزا صاحب سب کو سنکر کہتے ہیں کہ بھئی یہ مقام تہنیت نہیں ہے۔ اللہ سے دعا کرو کہ یہ کوئی نئی قسم کا امتحان نہ ہو۔

دعا کنید کہ نوعے ز امتحاں نبود بہ التفات نگاہم چہ جائے تہنیت است

معشوق سے کہتے ہیں کہ تو نے یہ کیا کہا کہ ہماری حسرتِ دیدار خطا ہے۔ سن لیجئے اگرچہ خطا ہے تو معاف فرمائیے۔ یہ خطا تو ہم قیامت تک کریں گے۔

گفتہ باشی کہ زما حسرتِ دیدار خطاست
ایں خطائیست کہ در روزِ جزا نیز کنند

ایک جگہ خدا سے کہتے ہیں کہ مجھے چھوڑ دیجئے میں قابلِ التفات اور لائق حساب کتاب نہیں ہوں۔ دنیا میں میرے آپ نے کون سے مقاصد پورے کئے تھے کہ اب گناہ کا حساب کرنے بیٹھے ہیں۔ کچھ میرے مقصد پورے کئے ہوتے طالع ور بنایا ہوتا تو اعمالنامے میں کچھ گناہ بھی ہوتے۔ جب پہلے ہی سے بدنصیب پیدا کیا تھا تو اب یہ گناہ کا حساب کیوں کیا جا رہا ہے۔

کام نہ بخشیدہ گنہ چہ شماری
غالبِ مسکیں بہ التفات نیرزد

معشوق سے کہتے ہیں کہ مجھ سے جو آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ زہد و تقوےٰ اختیار کرو۔ سبحان اللہ کیا خوب آپ کی فرمائش ہے۔ آپ ذرا آراستہ ہو کر بڑے بڑے تقوےٰ شعار زاہدوں کے حجرے میں تو تشریف لے جائیے۔ پھر دیکھئے کہ کتنوں کا دعوےٰ تقوےٰ و زہد قائم رہتا ہے۔

مرا گوئی کہ تقوےٰ ورز۔ قربانت شوم خودرا
بیارا و بخلوت خانۂ تقوےٰ شعاراں بر

اللہ میاں سے کہتے ہیں کہ یہ کن ناتجربہ کاروں ناقدرے زاہدوں کو بہشت دے رہا ہے۔ نہ کبھی انھوں نے کسی معشوق کے ظلم اٹھائے نہ ان پر کوئی مصیبت پڑی۔ پھر بھلا ان کی اور حوروں کی کیا بنے گی۔

یارب بزاہداں چہ دہی خلد رائیگاں
جور بتاں ندیدہ و دل خوں نکردہ کس

ایک جگہ کہتے ہیں کہ میاں غالب کیا پڑے ہوئے سو رہے ہو اٹھو صبح ہو گئی۔ زاہد مسجد میں پہونچ گئے اور رند باغ میں پہونچ چکے یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔

صحبت دگوناگوں اثر۔ غالب چہ خسپی بیخبر
نیکاں بمسجد رفتہ و رنداں بگلشن گشتہ جمع

ایک جگہ کہتے ہیں کہ مرگ پدر میں مجھے رونا پڑا۔ مگر میں تیرے غم کو یاد کر کر کے کہہ رہا ہوں کہ ہائے قضا کی وجہ سے ہے میرے یہ چند نالے بیکار برباد گئے۔

با تہمت مرگ پدر سنجم و گویم ہیہات
نالۂ چند کہ در کار قضا گشت تلف

ایک جگہ کہتے ہیں کہ مجھے ہرگز یہ دعوےٰ نہیں ہے۔ کہ میرا کہیں کوئی وجود ہے۔ بلکہ میں ایک ایسا نقش ہوں جس کے بنانے کا صرف نقاش نے ارادہ کیا اور رہ گیا۔ خارج میں میرا کوئی وجود نہیں۔

نقش بضمیر آمدۂ نقش طرازم
حاشا کہ بود دعویٔ پیدائی خویشم

زاہد سے فرماتے ہیں کہ ہم نے جو یہ ایک انگور کا خوشہ تجھے دیا ہے اس کو حقارت سے نہ دیکھ یہ بہت ہے۔ یوں سمجھ کہ تجھکو

یہ خوشہ دے کر ہم نے پورے ایک ساغرِ شراب کا نقصان کیا ہے۔

زاہد از ما خوشۂ تاکے بہ چشم کم مبیں　　ہے ندانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

ایک جگہ کہتے ہیں کہ بس آجکل ہم کو یہ دھن لگی ہوئی ہے کہ ویران مسجدوں کی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں اور کوئے مغاں میں عمارت تیار کر رہے ہیں۔

سنگ و خشت از مسجد ویرانہ مے آرم بہ شہر　　خانۂ در کوئے ترسایاں عمارت میکنم

واعظ سے کہتے ہیں کہ آپ عجب احمق ہیں ہم سے آپ ناراض کیوں۔ ارے صاحب ہم گناہ کرتے ہیں تو صرف اس لئے کرتے ہیں کہ بہشت میں تنہا آپ ہی رہیں اور ہم اس کے حصہ دار نہ ہوں۔ پھر بھلا خیال تو کیجئے کہ ہم گناہ کر کے آپ کی خیر خواہی کر رہے ہیں یا بدخواہی۔

گر گنہ گاریم واعظ گو مرنج　　را در روضہ تنہا خواستیم

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اچھا یہ ہم نے مان لیا کہ ضد میں آپ نے ہم سے ملنا چھوڑ دیا۔ مگر مہربانی کر کے یہ تو بتا ہے کہ اس فخر کو آپ مجھ سے کیونکر چھین سکتے ہیں جو زمانہ گزشتہ پر مجبور ہے۔ ہم تو جب مانیں گے کہ آپ ہمارے اس ناز عہد ماضی کو بھی ہم سے چھین لیں۔

چہ غم از بعد گرفتی ز من احتراز کردن　　نتواں گرفتن از من بگزشتہ ناز کردن

معشوق سے کہتے ہیں کہ تم جو ہم سے یہ کہہ رہے ہو کہ غیر کے پاس سے میرے پاس کون پیغام لایا ہے وہ کہاں ہے ذرا دکھا تو سہی۔ یہ ٹھیک ہی سہی۔ مگر ذرا یہ تو بتائے کہ وہ خمیدہ پشت۔ سست قدم بڑھیا اگر دلالہ نہیں تھی تو کون تھی جو ابھی ابھی تمھارے پاس سے گئی ہے۔

گوئی بہ من کسیکہ ز دشمن رسیدہ کو　　آں پیر زال سست پے قد خمیدہ کو

کہتے ہیں کہ شیخ صنعان کے جاہ و جلال کو سن کر مجھے اس پر رشک تو ضرور آتا ہے۔ اور ویسی زندگی کو جی چاہتا ہے مگر صاحب اس شان و شوکت کا حاصل کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اُن کی طرح ستر برس عبادت کون کرے اور یہ ایک عمر کا جھنجھٹ کون پالے

داغم ز رشک شوکت صنعاں ولے چہ سود　　آں دستگاہ طاعت ہفتاد سال کو

ایک جگہ کہتے ہیں کہ آج کل غم عشق مجھے عشق الٰہی میں لے آیا ہے۔ اے داغ عشق تجھے چاہیے کہ تو دل سے ہوتا ہوا پیشانی پر چلا آ اور یہاں آ کر ظاہر ہو جا۔ کیونکہ اب بس عشق الٰہی کی یہی پہچان رہ گئی ہے۔

آوردہ غم عشقم در بندگی ایزد　　اے داغ بدل در رو و ز جبہ نمایاں شو

معشوق سے کہتے ہیں کہ تو نوبہار نہیں ہے۔ نوبہار کے ساتھ اتنا سامان ناز کہاں ہوتا ہے۔ مجھے تو تو کسی کے

کارخانۂ یغما کی فہرست معلوم ہوتا ہے۔

بانو بہار این ہمہ سامان ناز نیست　　فہرست کارخانۂ یغمائے کیستی

ایک جگہ کہتے ہیں کہ تعلقات دنیاوی نہایت ہی بُرے ہوتے ہیں۔ اور ہم ہرگز ہرگز اس شخص کو عقلمند کہہ سکتے جو اہلِ وعیال کے مخمصوں میں پھنسے۔ جو ایسا کریگا اوسکو رنج وغم سے نجات نہیں ہو سکتی۔ اللہ میاں کو دیکھو کہ تمام دنیا میں اوس کا گھر ہے۔ مگر کسی گھر میں بیوی نہیں ہے۔ پھر بھلا وہ قوی کیوں نہو۔ بیوی بچے ہونے پر قوی رہتے تو ہم جانتے اور ایسی حالت میں تو قوی وہ نہوں گے تو کیا ہم ہوں گے۔

آں مرد کہ زن گرفت دانا نبود　　وز غصۂ فراغتش ہمانا نبود

دارد بجہاں خانۂ وزن نیست دِرو　　نازم بخدا چرا تو انا نبود

نگارستان (دوسرا اڈیشن) حضرت نیاز کے اور مستند مضامین اور افسانے شامل کئے گئے ہیں۔ نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہو کہ اس کے ۲۲ مستند مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔ قیمت عہ ۸ر

گہوارۂ تمدن — (دوسرا اڈیشن) مولانا نیاز کی وہ معرکتہ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہو کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیا کی تہذیب و شائستگی اس کی کسقدر ممنون ہے۔ اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے۔ قیمت علاوہ محصول عہ ۸ر

شہاب کی سرگزشت - حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس زبان کی اسکی تخئیل اس کی نزاکت بیان اس کی بلندی مضمون اور اس کی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچی ہے قیمت علاوہ محصول عہ

فراست الید - مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص بآسانی ہاتھ کی شناخت اور اس کی لکیروں کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت عروج و زوال موت و حیات صحت و بیماری، شہرت و نیکنامی وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کرسکتا ہے قیمت علاوہ محصول عہ ۸ر

شاعر کا انجام - جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ۔ حسن وعشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں۔ علاوہ محصول ۱۰

جذبات بھاشا - جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کرکے انکی تشریح کی ہے کہ دل بیتاب ہوجاتا ہے۔ قیمت علاوہ محصول ۱۲ر

تذکرۂ خندۂ گل - مولفہ عبد الباری آسی جسمیں ۳۰۰ سے زائد اردو فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات مع ان کے لطائف وظرایف وانتخابات کلام کے درج ہیں قیمت عہ محصول ۔ر

صحابیات جسمیں عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات لکھے گئے ہیں اسکا مقدمہ مولانا نیاز نے خاص اپنی انشاء میں لکھا ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲ر

مینجر نگار

ایک جگہ گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ دنیا میں ہمیں کوئی فائدہ پہونچا۔ بہار کا زمانہ ہے بہت سا روپیہ دے کہ شراب اور پھولوں کے کام آئے۔ ان زاہدوں نے جو یہ خزانے جمع کر رکھے ہیں یہ سب ہمکو دلوا دے ان کا خرچ ہی کیا ہے نمک اور جو کی روٹی۔ سو اس کے لئے کیا خرچ کی ضرورت ہے۔

یارب سودے بروزگاراں مارا　　وجہ گل و مل بنو بہاراں مارا

صرف نمک و جو چہ قدر خواہد شد　　گنجینۂ ایں صومعہ داراں مارا

ایک جگہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اس میں شک نہیں کہ آپ شاعر تو بہت بڑے ہیں۔ مگر واللہ آپ کو عقل ذرا سی بھی نہیں ہے آپ شراب فروش کی دوکان پر تشریف لے جاتے ہیں۔ اور وہاں شراب مانگتے ہیں۔ عمدہ قسم کی مانگتے ہیں اور بہت سی مانگتے ہیں۔ بھلا خیال تو فرمائیے یہ سب شرائط کیوں کر پورے ہو سکتے ہیں۔ یہ شراب فروشی ہے یا ساقی کوثری کوثر کہ بہت سی بھی دے۔ مفت بھی دے اور عمدہ بھی دے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ طنزیات اور شکوہ وغیرہ مرزا کے خاص مضامین میں سے ہیں۔ شکوہ ہر چند شکوہ ہے۔ اور طنز یقینی طنز ہے۔ مگر مرزا کا حسن بیان اُن کو اس قدر سبک اور رنگین کر دیتا ہے کہ پھر نہ شکوہ شکوہ رہتا ہے۔ اور نہ طنز طنز۔ بلکہ برعکس اس کے وہ بے انتہا رنگین بے انتہا لطیف چیزیں بنجاتی ہیں۔ اور ظرافت کا رنگ اُن سے چھلکنے لگتا ہے۔ چنانچہ جب وہ کلکتہ گئے اور وہاں ان کے ساتھ شاگردان قتیل نے معارضہ کی صورت اختیار کی۔ تو مرزا نے علاوہ مثنوی باد مخالف کے ایک قطعہ کہا۔ جس میں ساقی بزم آگاہی یعنی عقل سے انھوں نے مختلف شہروں کے متعلق سوال کئے ہیں کہ فلاں شہر کیسا ہے اور فلاں کیسا ہے۔ اور عقل ان کو جواب دیتی رہی ہے۔ اسی میں انہوں نے کلکتہ کا حال دریافت کیا ہے اوسی میں ایک لطیف طنز کرتے ہیں۔

حال کلکتہ باز جستم گفت　　باید اقلیم ہشتمش گفتن

گفتم آدم بہم رسد در وے　　گفت از ہر دیار و از ہر فن

گفتم ایں جا چہ شغل سود دہد　　گفت از ہر کہ ہست تہ سیدن

گفتم ایں جا چہ کار باید کرد　　گفت قطع نظر ز شعر و سخن

ایک جگہ طنز یہ کہتے ہیں کہ جب یہ راز طشت از بام ہو ہی گیا ہی۔ کہ ارم خلق سے چھپنا گیا ہے۔ پھر آخر اب ارم کے چھپانے سے کیا فائدہ ہے بات جو کچھ تھی وہ تو مشہور ہو ہی چکی ہے۔

چوں فاش شد آخر کہ ہم از خلق گرفتند　　بیفائدہ از خلق نہفتند ارم را

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہم مصیبت میں ہیں تو خیر یہ کہہ کے دل کو تسکین دے لیتے ہیں کہ مر جائیں گے تو ان جھگڑوں سے نجات ہو جائے گی۔ مگر یہ خضر و مسیحا کیا کریں جنھیں کبھی مرنا ہی نہیں ہے۔ واقعی ان کی حالت زار قابل رحم ہے۔

دل مایوس را تسکیں بمردن میتواں دادن　　چہ امید ست آخر خضر و الیاس و مسیحا را

کہیں کہیں مرزا صاحب محض ظرافت بھی لکھتے ہیں جس سے طنز و تشنیع وغیرہ مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ صرف ایک ظرافت ہے جس سے خود کو اور دوسرے کو خوش کرنے کے سوائے کوئی خاص مقصود مدِ نظر نہیں ہوتا۔

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہم آدم کی اولاد ہیں۔ ہم کو گناہ کرنا چاہئے لہذا کرتے ہیں

خوئے آدم دارم آدم زادہ ام　　آشکارا دم ز عصیاں میزنم

ایک قطعہ میں کہتے ہیں کہ اب ہمارا بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ ہوش و حواس مسلوب ہو رہے ہیں عقل و خرد رفتہ رفتہ رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ نہ دماغ صحیح ہے۔ نہ حافظہ درست ہے۔ اوامر اور نواہی میں سے بس دو باتیں یاد رہ گئی ہیں۔ نواہی میں سے لاتقربوا الصلوٰۃ - اور اوامر میں سے کلوا واشربوا۔

برخاست است گرد ز سر چشمۂ حیات　　در حافظہ نماندہ نمے در سبو مرا

لاتقربوا الصلوٰۃ ز نہیم بخاطر است　　و ز امر یاد ماندہ کلوا واشربو مرا

ایک جگہ کہتے ہیں کہ میں ساری عمر زمانہ کے ہاتھوں عاجز و پریشان رہا۔ اور عمر بھر اپنے نصیب سے امیدیں لگائے بیٹھا رہا۔ بغیر پونجی کے ہمیشہ یہ فکر رہی کہ کچھ نفع ہونا چاہئے۔ اور بغیر وعدے کے ہمیشہ انتظار کرتا رہا۔

بادی خور روزگار بودم ہمہ عمر　　واز بخت امید وار بودم ہمہ عمر

بے مایہ بفکر سود ماندم ہر جا　　بیوعدہ در انتظار بودم ہمہ عمر

مرزا کی مایوسیوں کے مناظر ان کی نثر و نظم میں برابر جلوہ افروز ہیں۔ مگر وہ مناظر چاہے خود کتنے ہی غم و الم پر مبنی ہوں۔ مگر دوسروں کے واسطے سامان تفریح ضرور ہیں۔ نمونہ کے طور پر دو ایک جگہ یہ رنگ بھی دیکھ لیجئے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اگر میں عزیزوں کے ظلم و جور کی تشریح لوگوں کے سامنے کر دوں تو یقینی دنیا سے امید کی رسم اٹھ جائے۔ اور پھر کوئی امید کی ہمت ہی نہ کرے۔

گر دہم شرح ستمہائے عزیزاں غالب　　رسم امید ہمانا ز جہاں برخیزد

ایک جگہ کہتے ہیں کہ تیرے اور میرے زمانہ میں ہفت اقلیم سے امید و بیم اٹھ گئی ہے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا

کہ جلوہ باقی کہاں رہ گیا ہے جس سے قیامت کے مناظر کو رونق دی جائے گی - اور شعلے کہاں رہ گئے ہیں جن سے دوزخ کو زینت دیں گے - ان میں سے ایک چیز تیرے کام آچکی - اور ایک میرے کام آگئی - پھر یہ سب کیا ہنگامہ سن رہے ہیں

در عہد تو و منست در ہفت اقلیم　　بر خاستن امید و خوں گشتن بیم
از جلوہ چہ ماند تا بسازند بہشت　　در شعلہ چہ ماند تا بتابند جحیم

مرض کے بیان و عنوان سے بھی مرزا کی تمام اردو و فارسی کی تحریریں بھری ہوئی ہیں - حد درجہ شوخی لئے ہوئے ہے -

فرماتے ہیں کہ میرے نہ مرنے کو کہیں اس بات پر محمول نہ کیجئے کہ میں ابھی طاقتور ہوں - حاشا و کلا یہ بات نہیں ہے - بلکہ ہے یہ کہ ضعف کی کشاکش کی وجہ سے میری روح تن سے جدا نہیں ہو سکتی - اسی لئے میرا نہ مرنا ناتوانی کی وجہ سے ہے - نہ کہ توانائی کی وجہ سے -

در کشاکش ضعفم نگسلد روان از تن　　اینکہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست

تصانیف حضرت نیاز فتحپوری

چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم روحوں کے ساتھ

(اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے امن و سکون کا راستہ معلوم کریں تو اس کو ملاحظہ فرمایئے)

مادیین کا مذہب

(وجود باری کے ثبوت میں بے مثل مضمون ہے -)

حرکت کے کرشمے

(اگر آپ قدرت کے کرشموں کی تفصیل دیکھنا چاہتے ہیں تو اسے ملاحظہ فرمایئں) تینوں ایک ہی جلد میں ضخامت ۲۰۰ صفحات علیحدہ علیحدہ نہیں مل سکتیں قیمت معہ محصول ۸؍

مینیجر نگار

ایک جگہ اپنی تعریف فرماتے ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے اپنی حالت کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم کا واقعہ تم نے سنا ہی ہوگا کہ وہ آگ میں بھی نہ جلے تھے۔ خیر۔ ایک تو وہ تھے ایک ہم کو دیکھئے کہ بغیر آگ، اور شعلہ کے جلے جاتے ہیں۔

شنیدۂ کہ بآتش نسوخت ابراہیم بہ بیں کہ بے شرر و شعلہ میتوانم سوخت

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اچھا ہم نے مانا۔ غالب کے شعر وحی نہیں ہیں۔ اور ہم انھیں وحی بتاتے بھی نہیں۔ مگر تمھیں خدا کی قسم ذرا سچ کہنا کہ اگر وحی نہیں ہیں تو کیا انھیں الہام بھی نہیں کہہ سکتے۔

شعر غالب نبود وحی ونگوئیم ولے تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے ہست

احمد حسین میکش، اور جواہر سنگھ جوہر، مرزا غالب کے دو عزیز شاگرد تھے۔ مرزا نے اُن کی مدح میں ایک رباعی کہی ہے جس میں دونوں تخلصوں کو کمال خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

تا میکش و جوہر دو سخنور داریم شان دگر و شوکت دیگر داریم
در میکدہ پیریم کہ میکش از ماست در معرکہ تیغیم کہ جوہر داریم

ایک جگہ کہتے ہیں میں بہت خوش ہوں آسمان سب سے زیادہ میری عزت کرتا اور مجھ کو مغتنم جانتا ہے جو غم کسی سے نہیں کھایا جاتا۔ وہ مجھے دیتا ہے۔ اور اس پر مجھے بڑا ناز ہے۔

نازم کہ نزد چرخ گرامی ترم بقدر چوں کس نخورد غمے بمن اندر نہاں دہد

سجدہ کی کیفیت کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ میں اوس سجدے کا متمنی نہیں ہوں جس سے ماتھے پر گھٹا پڑ جائے۔ میں تو اُس سجدے کی تلاش میں ہوں جس میں میری پیشانی کا وجود ہی نہ رہے۔ اس خیال کی چستی۔ اور شوخی پھر اس کے ساتھ اثر کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

سجدہ خواہم کہ ز سیما نگزارد اثرے اثر سجدہ چہ خواہی کہ بہ سیما ماند

ایک جگہ کہتے ہیں کہ تعالیٰ اللہ۔ بارک اللہ۔ بھلا شان رحمت کی کیا تعریف ہو۔ کہ جن لوگوں نے گناہ نہیں کئے تھے اون کو بخش دیا۔ ٹھیک ہے۔ بخشنا چاہیے تھا۔ اس لئے کہ یہ لوگ بیچارے اپاہج تھے۔ دنیا میں یہ کچھ کر نہیں سکے تھے اگر یہاں بھی بخشے نہ جاتے تو غریب شرمندہ ہوتے۔

تعالیٰ اللہ برحمت شاد گردن بیگناہاں را خجل نپسندد از کرم بی دستگاہاں را

ایک جگہ کہتے ہیں کہ یہ نہ کہو کہ رند نے طاعت حق نہیں کی۔ اس میں بڑا راز ہے طاعت حق اس کے لئے کچھ گراں نہیں

تھی - وہ تو ہزار شیوہ تھا - جہاں اور ہزاروں خرافاتیں کرتا تھا - یہ بھی کر لیتا - مگر راز یہ ہے کہ بتوں کو پیشانی کا مشترک الطاعت ہونا گوارا نہیں ہوا - اس لئے وہ طاعت حق نہ کر سکا -

رند ہزار شیوہ را طاعت حق گراں نبود
لیک صنم بہ سجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل ناتواں کے لئے افتادگی ہی اب نماز ہے - یہ قعود و قیام کے جھگڑے کی تاب نہیں لا سکتا - رات دن پڑا ہوا ہے - اسی کو نماز سمجھو - سجدہ کہو - قعود جانو - غرض جو کچھ ٹھہراؤ اختیار ہے -

افتادگی نماز دل ناتوان ماست
در دسر قیام و قعودش نماندہ است

معنی آفرینی ہی وہ شے ہے جس کو مرزا شاعری کے لئے سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں - واقعہ بھی یہی ہے کہ غالب میں اگر ہندوستان کے تمام شعرا سے زیادہ کوئی ممتاز چیز ہے - تو وہ معنی آفرینی ہی ہے - مگر اس معنی آفرینی سے جوان کے دیوان کا جزو غالب ہے - ہم کوئی بحث نہیں کرتے - بلکہ سر دست ہم کو اس معنی آفرینی کا مختصراً ذکر کرنا ہے جس میں انہوں نے اپنی فطری شوخی کو مد نظر رکھا ہے - جیسا کہ غمزۂ لاجوردی غمزہائے غیر مکرر کو کہتے ہیں - اور لاجورد ایک پتھر بھی ہے جو نیلا ہے - لہذا اسی لفظ تخئیل کی بنا رکھ کر فرماتے ہیں -

سراسر غمزہایت لاجوردی بود و من عمرے
بہ معشوقی پرستیدم بلائے آسمانی را

اسی کی طرح ذیل کے شعر میں بتاتے ہیں کہ آرہ چونکہ دوسرے لوگوں پر ظلم کرتا ہے لہذا آرہ کے سر پر بھی تشدد کا آرہ چل رہا ہے - اور یہ اس کی سزا ہے کہ ظالم کبھی خوش نہیں رہتا -

ظالم ہم از نہاد خود آزار مے کشد
بر فرق آرہ آرۂ تشدید بودہ است

ایک جگہ اپنے تخلص سے فائدہ اٹھا کر معنی آفرینی کرتے اور کہتے ہیں کہ میرا تخلص ظاہرا غالب ہے لیکن در اصل میں مغلوب ہوں - لہذا جہاں کہیں غزل میں میرا تخلص غالب تجھے نظر آئے اس کو کاٹ کر اس کے بجائے مغلوب لکھ دے -

ہر کجا غالب تخلص در غزل بینی مرا
ے تراش آنرا و مغلوبے بجائش می‌نویس

مرزا کہیں کہیں شاعری کے درجہ سے تنزل کر کے ناصح کی حیثیت قبول کر لیتے ہیں مگر اس میں بھی وہی انداز ظرافت ہے معشوق نے عاشق کو قتل کر دیا ہے - اور اب وہ وارثان قاتل کے بلوے سے خوف و ہراس کھا رہا ہے - اور پریشان ہے - تو اب اس کو سمجھاتے اور کہتے ہیں کہ آخر آپ اوس کے وارثوں سے کیوں پریشان ہیں کہہ دیجئے - کہ موت بڑی ظالم چیز ہے - اس میں ہماری کیا خطا ہے - موت آئی مر گئے - ہماری ادا نے کیا کیا -

ز وارثان شہید اں ہراس یعنی چہ
تو لیست دست قضا کشتۂ ادا کو کیست

ایک جگہ کہتے ہیں کہ عالم شباب میں زہد و تورع کی علت گویا کہ عالم ہستی کی ناقدری ہے - یہی وہ تے ہے جس سے

پارسا جوانوں کی جان پر آفت آتی ہے۔ خدا اس سے ہر مسلمان کو بچائے۔

شباب و زہد چہ نا قدر دانی ہستی است   بلا بجان جوانان پارسا ریزد

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ دولت سعی سے کبھی نہیں ملتی ہے۔ یہ سعی اس قابل ہے کہ آدمی کو اس سے پشیمان ہونا چاہئے۔ آسان ترکیب یہی ہے کہ اگر کافر ہونا میسر نہیں ہوتا ہے تو مجبوراً انسان مسلمان ہو جائے۔

دولت بہ غلط نبود از سعی پشیمان شو   کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

معذرت نامہ

رسالہ نگار میں اس وقت تک اسلامی علوم و تعلیم شعائر مذہبی و اعمال اللہ تعالےٰ جل شانہٗ و حضرات انبیاء کرام علیہم السلام و اصحاب اہل بیت رسالت مآب صلعم و دیگر بزرگان دین و ائمہ دین و علمائے سلف کے متعلق جو مضامین میرے یا دیگر مقالہ نگاروں کی طرف سے شائع ہوئے ہیں ان کو میں اپنے خیال سے اسلام کی خدمت سمجھتا تھا۔ لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرے خیالات احترام اسلام و شریعت کے خلاف تھے جن پر میں منفعل ہوں۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ اب میں ان تمام امور سے باز آتا ہوں۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میری طرف سے ایسے مقالات نہ شائع ہوں گے جن سے مذہبی شکایت کا سبب پیدا ہو مجھے افسوس و ندامت ہے کہ ان مضامین سے مسلمانوں کو صدمہ پہونچا اور یہ یقین دلانے کے لئے کہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں اپنے معاصی سے جناب باری میں اظہار برائت و استغفار کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم من کل ذنب و اتوب الیہ و صلی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین و علی جمیع الانبیاء و المرسلین و من اتبعھم باحسان الی یوم الدین و الحمد للہ رب العالمین۔

---

۱۲ اکتوبر کے ہمت کے اعلان اور اکتوبر کے "نگار" میں جو کچھ ملاحظات کے تحت میں چھپا ہے اسکو اعلان معذرت سے قبل لکھنے کے باوجود کالعدم قرار دیتا ہوں کیونکہ اگرچہ وہ معذرت نامہ پر دستخط کرنے سے پہلے لکھے گئے تھے، مگر ان کی اشاعت بعد کو بھی ہوئی اور اس معذرت نامہ کی روح کی منافی تھی۔ نگار میں آئندہ کسی قسم کے مذہبی مضامین درج نہ کروں گا۔ واللہ علی ما نقول شہید۔

نیاز

لطایف غالب

اس حصہ میں غالب کی زندگی کے وہ واقعات یا اُن کے وہ اقوال درج کیے جاتے ہیں جو لطائف غالب کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو یادگار غالب، آب حیات یا بعض رسائل سے ہم نے لئے ہیں۔ لیکن بعض لطایف ایسے بھی ہیں جو ہمیں دوسرے ذرایع سے حاصل ہوئے ہیں اور ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوئے۔

مرزا صاحب کرنل برون سے ملنے گئے تو وہی کلاہ پیاخ جو یہ پہنتے تھے ان کے سر پر تھی۔ جس کی وجہ سے ایک عجیب وغریب قطع معلوم ہوتی تھی۔ کرنل نے انھیں دیکھ کر کہا کہ مرزا صاحب آپ مسلمان ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور آدھا مسلمان ہوں۔ کرنل صاحب نے یہ سنکر حیرت سے پوچھا کہ یہ کیا بات۔ آدھا مسلمان کیسا۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور آدھا یوں کہ شراب پیتا ہوں۔ سور نہیں کھاتا

جب نواب یوسف علی خاں والی رامپور کا انتقال ہوگیا۔ تو مرزا صاحب بھی تعزیت کے لئے رام پور تشریف لے گئے تھے۔ اون کے بعد نواب کلب علی خاں مسند نشین ہوئے اوسی زمانہ میں نواب کلب علی خاں لفٹنٹ گورنر سے ملنے کے لئے بریلی جارہے تھے اون کی روانگی کے وقت مرزا صاحب بھی موجود تھے۔ چلتے وقت نواب صاحب نے رسماً کہا کہ اچھا مرزا صاحب خدا کو سونپا۔ مرزا نے سر پیٹ لیا اور کہا کہ حضور غضب ہے۔ پوچھا کیوں۔ مرزا نے کہا کہ خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا تھا۔ اب آپ خدا کے سپرد کرتے ہیں

مرزا نے جب قاطع برہان لکھی تو مخالفین ٹڈی دل کی طرح اُمڈ آئے۔ بہت سے جوابات لکھے گئے اُن میں سے امین الدین بھی ایک شخص تھے جنہوں نے قاطع برہان کے جواب میں قاطع قاطع لکھی۔ چونکہ اس کتاب کی بنا محض بدگوئی اور فحش گوئی پر رکھی ہے اسی وجہ سے مرزا نے اوس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک شخص نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تو مرزا صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر کوئی گدھا آپ کے لات مارے تو آپ کیا جواب دیں۔

قاطع برہان میں یوں تو مرزا نے بہت سی ستم ظریفیاں کی ہیں مگر بعض جگہ بہت ہی خوب ہیں چنانچہ ایک جگہ محمد حسین دکنی مولف برہان قاطع نے۔ آدر بروزن مادر لکھ کر معنے بیان کئے ہیں۔ مرزا نے لکھا ہے کہ اول تو آدر کے وزن ہی کی کون سی ضرورت پڑی تھی۔ اور اگر ضرورت تھی اور اس کے بغیر کام ہی نہ چلتا تھا تو چادر بھی اس کا

وزن تھا۔ پھر اس کے بعد فقرہ لکھا ہے۔ "چادر را اگذاشتن و مادر را آوردن بیحیائی است"

جامع برہان قاطع نے "فراز" کو لغات اضداد میں سے قرار دیا ہے۔ اور بند کرنا کھولنا دونوں معنے لکھے ہیں مرزا اس کے خلاف تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے معنے صرف بند کرنے کے ہیں۔ مگر اہل ہند کا اجماع ہے کہ یہ لفظ لغات اضداد میں سے ہے۔ مرزا صاحب کو جب لکھا گیا کہ اس پر اجماع ہے تو مرزا نے جواب دیا کہ یہ ایسا ہی اجماع ہے جیسے اہل شام نے خلافت یزید پر اجماع کیا تھا۔

نہ معلوم مرزا کو بُرہان قاطع کے مصنف سے کتنا زبردست اختلاف تھا کہ ایک دو جگہ نہیں سیکڑوں جگہ ایسے ایسے زبردست فقرے چست کئے ہیں کہ پڑھنے والے کو مجبوراً ہنسنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "چوں شناسائی حقیقت جوہر لفظ ندارد فرہنگ چرا مے نگارد۔ بوریا مے یافت۔ رسی مے تافت۔ ہیزم مے فروخت۔ گلخن مے افروخت"۔ یعنی جب لفظ و معنی کی حقیقت نہیں پہچانتا تو پھر فرہنگ نویسی کی زحمت کیوں برداشت کی۔ بوریا بنتا رسی۔ لکڑیاں بیچتا۔ بھاڑ جھونکتا۔

قاطع برہان نے لوگوں کو ایسا برافروختہ کر دیا۔ کہ لوگ جواب تو جواب زباں درازیوں پر اُتر آئے تھے۔ بُرا کہتے تھے۔ گالیاں دیتے تھے۔ فحش خط بھیجتے تھے۔ ایک روز مرزا صاحب کے پاس مولانا حالی بیٹھے ہوئے تھے ایک اسی قسم کا خط آیا۔ مرزا نے لفافہ مولانا حالی کو دیا۔ کہ اسے کھول کر پڑھو مولانا نے پڑھا۔ خط میں ماں کی گالی بھی لکھی تھی۔ مولانا کو پڑھنے میں تکلف ہوا۔ مرزا صاحب نے خط چھین لیا۔ اور خود پڑھ کر کہا کہ کم بختوں کو گالیاں دینی بھی نہیں آتیں۔ بڈھے یا ادھیڑ کو ماں کی گالی نہیں دینی چاہئے بلکہ بیٹی کی۔

فراست التحریر مکمل

یعنی اُردو اور انگریزی رسم خط اور انداز تحریر دیکھ کر ایک شخص کی سیرت، چال چلن، مستقبل اور تمام حالات معلوم کرنے کا فن اردو میں بالکل پہلی کتاب، اُردو حصہ علاوہ محصول ۸ر انگریزی حصہ علاوہ محصول ۸ر ہر دو حصے مع محصول عہ

مینجر نگار

رمضان شریف ختم ہونے کے بعد ایک مرتبہ مرزا صاحب قلعہ گئے تو بادشاہ نے پوچھا کہئے مرزا صاحب آپ نے کتنے روزے رکھے۔ مرزا نے جواب دیا کہ پیرومرشد ایک نہیں رکھا۔

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے مکان کے سامنے ایک بہت تاریک چھتہ تھا۔ جب اس چھتہ کو طے کر لیتے تب کہیں مکان کے دروازے پر پہونچتے۔ ایک مرتبہ مرزا صاحب اسی مکان میں نواب صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ چھتہ کو طے کر کے جب دروازے پر پہونچے تو نواب صاحب استقبال کے لئے موجود تھے مرزا صاحب نے دیکھ کر یہ مصرع پڑھا کہ آب چشمۂ حیواں درون تاریکی است

کسی صحبت شعروسخن یا اور ایسے ہی جلسہ میں مرزا صاحب میر تقی میر کے انداز کلام کی تعریف کر رہے تھے۔ اور استاد ذوق سودا کے طرز بیان کی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ استاد ہم تو تم کو میری سمجھتے تھے مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں

مرزا جس مکان میں رہتے تھے اوس مکان میں دروازے کی چھت پر ایک کمرہ تھا اور اُس کے ایک جانب کو ایک تنگ و تاریک چھوٹی سی کوٹھری تھی گرمی کے موسم میں لُو وغیرہ سے بچنے کے لئے اسی کوٹھری میں تین چار بجے تک بیٹھتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں اسی کوٹھری میں بیٹھے چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے کہ مفتی صدرالدین خاں آزردہ آگئے۔ یہ رنگ دیکھ کر مرزا کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ مرزا صاحب ہم نے پڑھا تھا کہ رمضان شریف میں شیطان مقید رہتا ہے۔ مگر آج اس حدیث کی صحت پر کچھ شبہ ہو گیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ مولانا حدیث بالکل صحیح ہے صرف یہ بات ہے کہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھری ہے

آخر عمر میں مرزا کی خوراک کم ہوتے ہوتے اس درجہ پر پہونچ گئی تھی کہ ایک اندازہ کرنے والا آسانی کے ساتھ اس کو اس بات سے تعبیر کر سکتا تھا کہ وہ کچھ بھی نہ تھی۔ صبح کو اکثر شیرہ بادام دوپہر کو پاؤ بھر گوشت کا قورمہ۔ ایک پیالے میں بوٹیاں۔ دوسرے میں لعاب یا شوربا ایک پیالی میں ایک پھلکے کا چھلکا۔ شوربے میں ڈوبا ہوا۔ کبھی کبھی ایک انڈہ کی زردی۔ اسی پر انھوں نے ایک روز ایک مختصر سا لطیفہ کہا جس میں تجنیس الفاظ سے ندرت پیدا کر دی۔
دوپہر کا کھانا گھر میں سے آیا۔ دستر خوان بچھا۔ بہت سے برتن تھے جن میں ذرا ذرا سا کھانا رکھا ہوا تھا مرزا صاحب حاضرین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ سبحان اللہ ہمارا بھی کیا دستر خوان ہے۔ اگر برتنوں کی کثرت کو دیکھئے تو دستر خوان یزید۔ اور کھانے کی مقدار ملاحظہ فرمائیے تو بایزید کا۔

ایک دن بہادر شاہ مرحوم آموں کے موسم میں چند مصاحبین خاص کے ساتھ باغ حیات بخش میں ٹہل رہے تھے۔ آم کے پیڑ رنگ برنگ کے آموں سے لدے ہوئے تھے۔ مرزا بار بار آموں کو غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مرزا تم بڑے غور سے دیکھ رہے ہو۔ آخر کیا دیکھتے ہو۔ کیا اس سے پہلے کبھی آم نہیں دیکھے ہیں۔ مرزا نے دست بستہ عرض کیا کہ پیر و مرشد آم تو دیکھے ۔۔۔ ہیں۔ اس وقت تو میں کچھ اور ہی بات دیکھ رہا ہوں۔ کہ کسی بزرگ نے جو یہ شعر کہا ہے کہ ؎

بر سر ہر دانہ بنوشتہ عیاں کایں فلاں ابن فلاں ابن فلاں

بھلا ان آموں کے دانوں پر کہیں میرا اور میرے باپ دادا کا بھی نام لکھا ہے یا نہیں۔ بادشاہ سلامت سنکر مسکرائے اور اسی دن عمدہ عمدہ آموں کی ایک بہنگی مرزا کو بھجوادی۔

حکیم رضی الدین مرحوم جو دلی کے ایک نہایت نامی گرامی طبیب تھے مرزا کے بڑے گہرے دوستوں میں تھے مگر اتفاق کی بات کہ آم اُن کو مرغوب نہیں تھے۔ ایک دن مرزا صاحب کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا بھی پاس ہی بیٹھے تھے۔ آموں کا زمانہ تھا۔ وہاں برامدے کے سامنے آموں کے کچھ چھلکے پڑے تھے۔ ایک گدہے والا ادہر سے اپنے گدہے لئے ہوئے گزرا۔ گدہے نے آم کے چھلکے سونگھے اور چھوڑ دئے کھائے نہیں۔ حکیم صاحب نے ہنسکر کہا۔ دیکھو مرزا تم آموں کی بڑی تعریف کرتے ہو۔ آم ایسی چیز ہے کہ اسے گدہے بھی نہیں کھاتے۔ مرزا نے جواب دیا جی ہاں بیشک۔ گدہے آم نہیں کھاتے۔

کبھی کبھی جب پڑے ہوتے تھے۔ اور بے تکلف دوستوں یا شاگردوں کا مجمع ہوتا تھا۔ تو ایسی بے تکلفانہ باتیں کرتے تھے۔ کہ لطف آجاتا تھا۔ ایک دن مرزا پڑے ہوئے پلنگ پر دراز تھے۔ اتنے میں میر مہدی مجروح آپہونچے۔ اور مرزا کے پاؤں دابنے لگے۔ مرزا نے کہا کہ ارے بھئی تو سید زادہ ہو کر پاؤں دباتا ہے بیکار بیکار کیوں مجھے گنہ گار کرتا ہے۔ مگر حسن عقیدت کا جوش۔ خلوص اور اعتقاد کی فراوانی میں کون سنتا ہے۔ مجروح نہ مانتے اور برابر پاؤں دباتے رہے۔ جب مرزا نے بہت اصرار کیا تو بولے۔ قبلہ وکعبہ آپ گھبراتے کیوں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اجرت دے دیجئے گا۔ مرزا نے کہا خیر یہاں تک کوئی مضایقہ نہیں ہے۔ جب پاؤں دبا چکے تو میر مہدی بولے کہ لائیے حضرت اجرت دلوائیے۔ مرزا بولے واہ بھئی۔ واہ۔ آ۔ ماں اجرت کیسی۔ تم نے میرے پاؤں دابے میں نے تمھاری اجرت دابی۔ دونوں برابر ہوگئے۔

ایک دن شام کا وقت تھا۔ سورج چھپنے والا تھا۔ مرزا کا کھانا گھر میں سے آیا۔ کھانے میں اور کچھ نہ تھا صرف

شامی کباب تھے۔ مرزا کھانے لگے مولانا وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ تھذیباً رومال ہلانے اور مکھیاں جھلنے لگے۔ مرزا نے کہا بھیا تم بیکار تکلیف کرتے ہو۔ میں ان کبابوں میں سے تمھیں کچھ بھی نہ دوں گا۔ مولانا حالی ہنس پڑے۔ اس پر مرزا نے یہ لطیفہ بیان کیا۔ کہ نواب عبدالاحد خاں کے دسترخوان پر اُن کے مصاحبوں اور عزیزوں اور دوستوں کے لئے ہر قسم کے کھانے چُنے جاتے تھے۔ مگر خاص نواب صاحب کے لئے ہمیشہ ایک خاص چیز تیار ہوتی تھی۔ وہ صرف اوسی چیز کو کھاتے تھے۔ دوسرے کھانوں کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے تھے۔ ایک دن اون کے لئے مزعفر پکا تھا۔ وہی ان کے سامنے لگایا گیا۔ مصاحبوں میں ایک ڈوم بہت منھ چڑھا تھا۔ نواب صاحب نے اوس کو کھانا دینے کے لئے خالی پلیٹ مانگی پلیٹ کے آنے میں دیر ہوئی۔ نواب صاحب کھانا کھاتے جارہے تھے اور خالی رکابی برابر مانگ رہے تھے۔ وہ ڈوم نواب کے سامنے رومال ہلانے لگا۔ اور بولا کہ حضور دوسری پلیٹ کی ضرورت کیا ہے۔ اب یہی خالی ہوئی جاتی ہے۔ نواب یہ سنکر ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور رکابی اسی کی طرف سرکا دی

سید سردار مرزا مرحوم مرزا کے دوستوں میں تھے۔ اتفاق سے شام کے وقت مرزا کے پاس آ پہونچے۔ تھوڑی دیر بیٹھے پھر اٹھ کر جانے لگے تو مرزا نے ہاتھ میں شمعدان لیا۔ اور کھسکتے کھسکتے تا لب فرش آئے تاکہ روشنی میں جوتہ دیکھ کر پہنیں۔ سردار مرزا بولے حضرت قبلہ آپ نے کیوں زحمت کی۔ مَیں خود اپنا جوتہ پہن لیتا۔ مرزا نے جواب دیا کہ حضرت میں آپ کا جوتہ دکھانے کے لئے شمعدان لے کر نہیں آیا ہوں بلکہ اپنا جوتہ دکھا دینے کے لئے آیا ہوں کہ وہ محفوظ رہنا چاہئے کہیں آپ اسی کو نہ پہن جائیں۔

مرزا کے سامنے کسی نے شراب کی مذمت کی۔ مرزا نے کہا کہ کیوں آخر اس میں کیا برائی ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت پہلی برائی تو یہی ہے کہ شرابی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزا نے کہا ٹھیک ہے۔ مگر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جس کے پاس شراب موجود ہے۔ پھر اس کم بخت کو اور کونسی دعا کی ضرورت ہے۔

غدر کے بعد جب پنشن بند ہوگئی تھی اوسی زمانہ میں ایک روز پنڈت موتی لال مرزا سے ملنے کے لئے آئے شدہ شدہ پنشن کا ذکر آیا۔ مرزا بولے۔ جناب عمر بھر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر ایک دن نماز پڑھی ہو تو گنہ گار۔ پھر نہ معلوم سرکار نے کیوں مجھے باغی مسلمان سمجھا اور کیوں میری پنشن بند کی۔

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے سبب سے پروں میں منھ

چھپائے بیٹھا تھا۔ مرزا نے دیکھ کر کہا۔ میاں مٹھو نہ تمہارے جورو نہ بچے تم کس فکر میں یوں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہو

ایک مرتبہ مرزا مکان بدلنے کی فکر میں تھے چنانچہ اسی سلسلہ میں مختلف مکانات دیکھ رہے تھے۔ ایک مکان دیکھا تو اس کا دیوان خانہ تو پسند آیا۔ محلسرا دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ گھر آکر بیگم صاحبہ کو اس کے دیکھنے کے واسطے بھیجا وہ دیکھ کر واپس آئیں تو حال پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس مکان میں لوگ بلا بتاتے ہیں۔ مرزا ہنسے اور ہنسکر کہا۔ کیا تم سے زیادہ بھی کوئی اور بلا ہے۔

مرزا کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروف نے مرزا کو ایک شجرہ نقل کرنے کے لئے دیا۔ آپ نے یہ حرکت کی کہ ایک نام لکھا اوس کے بعد ایک حذف کر دیا۔ پھر ایک لکھا پھر حذف کر دیا اسی طرح پورا شجرہ تمام کر کے اُن کے حوالے کیا۔ نواب نے دیکھا تو بہت حیران ہوئے پوچھا یہ آپ نے کیا کیا۔ انہوں نے کہا کہ صرف ایک ایک نام حذف کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا تم نے بڑا غضب کیا۔ شجرہ غلط ہو گیا۔ مرزا نے کہا کہ حضرت شجرہ دراصل خدا تک پہونچنے کا ایک زینہ ہے۔ زینہ کی حالت یہ ہے کہ اگر ایک ایک سیڑھی درمیان سے نکال دی جائے تو کوئی حرج نہیں اوچک کر اوپر کی سیڑھی پر چڑھ سکتے ہیں۔ وہ یہ سنکر بہت ہی جز بز ہوئے مگر مرزا دوبارہ نقل کی زحمت سے بچ گئے۔

مثنوی لالہ رخ

طامس مور کی معرکتہ الآرا مثنوی کا مکمل ترجمہ ادبی شاہکار کا بےمثل نمونہ صرف ۱۰۰ جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ قیمت معہ محصول عہ

نقاب اٹھ جانیکے بعد

حضرت نیاز کے تین بے مثل افسانوں کا مجموعہ صرف ۵۰ جلدیں باقی ہیں معہ محصول ۸/
(دونوں معہ محصول ۱۲/ میں)

مذاکرات نیاز

یعنی

حضرت نیاز فتحپوری کی ڈائری

اگر ابھی ملاحظہ سے نہیں گزری تو فوراً طلب فرمائیے۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں معہ محصول عہ

مینیجر نگار

ایک مرتبہ مرزا گھر میں جانے لگے تو دیکھا بیگم صاحبہ عین صحن میں مصلے بچھائے ہوئے نماز پڑھ رہی ہیں۔ مرزا صاحب یہ دیکھ کر دروازے پر ٹھہر گئے۔ جب وہ نماز پڑھ چکیں تو آپ نے جوتہ اتار کر سر پر رکھا۔ اور برہنہ پا آہستہ آہستہ ڈرتے ہچکچاتے ہوئے صحن تک آئے۔ بیگم نے یہ حالت دیکھی تو مسکرا کر تعجب سے پوچھا کہ یہ کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ کچھ نہیں آپ کے مصلے کی تعظیم و تکریم منظور ہے۔ انھوں نے تشریح چاہی تو آپ نے جواب دیا کہ اب تمام صحن تو مسجد ہو گیا۔ پھر اگر کوئی قدم رکھے تو کہاں رکھے اور کرے تو کیا کرے اس لئے جوتہ اتار کر سر پر رکھ لیا ہے۔

ایک مرتبہ مغفرت کا کچھ ذکر چلا۔ بیوی نے کہا کہ آپ تو کبھی نماز بھی نہیں پڑھتے روزہ تو خیر بہت بڑی چیز ہے۔ آپ نے کہا کہ خیر یہ تو ٹھیک ہے مگر تم سے ہمارا حشر اچھا ہوگا۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ کیوں تو آپ نے کہا کہ آپ تو انھیں نیلے تہمد والوں کے ساتھ ہوں گی جن کے تہمد کے پلے میں مسواک بندھی ہوگی ہاتھ میں ایک ٹونٹی دار بدھنی ہوگی۔ سر منڈے ہوئے ہوں گے۔ اور ہمارا حشر بڑے بڑے جلیل القدر عالی نسب بادشاہوں کے ساتھ ہوگا جیسے فرعون۔ نمرود۔ شداد۔ اور مونچھیں چڑھاتے اکڑتے ہوئے چلے جا رہے ہوں گے۔ چار فرشتے ادھر جلو میں ہونگے چار ادھر۔

ایک روز کسی سے کہنے لگے کہ کیوں صاحب ہم تو مرد ہیں ہمارا نماز پڑھنا ٹھیک ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لئے پڑھتے ہیں کہ حوریں ملیں غلمان ملیں۔ یہ عورتیں آخر کیوں نماز پڑھتی ہیں اور انھیں کن کی تلاش ہے۔

ایک روز کسی صحبت شعر و سخن میں مولانا صہبائی کا ذکر آیا۔ مرزا نے کہا کہ مولانا نے بھی کیا عجیب و غریب تخلص رکھا ہے۔ عمر بھر میں ایک چلو بھی پینا نصیب نہیں ہوئی۔ اور صہبائی تخلص رکھا ہے۔ سبحان اللہ قربان جائیے اس اتقا کے اور صدقے جائیے اس تخلص کے۔

مرزا کے ایک عاشق مزاج دوست پہلے جو کسی کے حلقۂ گیسو کے اسیر تھے۔ اور اب تائب ہو کر حج کو جا رہے تھے۔۔۔۔ مرزا سے ملنے کے لئے آئے۔ مرزا نے ہنس کر کہا کہ غرض کوچہ گردی کی عادت نہ گئی۔ اور دشت پیمائی کا لپکا نہ چھٹا۔ جب یوں مارے مارے پھرتے تھے اب یوں پھرو گے۔

ایک مرتبہ آپ کسی کتب فروش کی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک نوجوان ایرانی آیا اور کتاب لا

سے دریافت کیا کہ دیوان غالب داری۔ دکاندار نے جواب دیا۔ کہ دیوان غالب نہ دارم دیوان ظہوری دارم۔ دیوان نظیری دارم۔ ایرانی نے پھر کہا کہ نے نے ایں ہمہ مطلوب نیست دیوان غالب داری۔ آں قدرم ساق خوب میگویدکہ دکاندار نے کہا کہ دیوان غالب نہ دارم۔ غالب دارم۔ جب اُس نے سنا کہ غالب دارم اور مرزا کو دیکھا تو بہت ہی شرمندہ ہوا مرزا ہنس کر یہ کہتے ہوئے لپٹ گئے کہ شرمانے کی بات نہیں ہے واللہ ساری عمر میں یہی داد آج ہی ملی ہے۔

مارچ سنہ ۱۹۳۱ء کے رسالہ ادبی دنیا میں سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی نے مرزا کا ایک عجیب وغریب لطیفہ لکھا ہے:-

ایک دن میرے میاں حافظ داؤد کے کمرہ پر کنور ابراہیم علی خاں صاحب رئیس اترولی ضلع بلند شہر سے ملنے گئے۔ کنور صاحب نے میرے میاں سے کہا کہ نواب صاحب مرزا نوشہ صاحب سے ملے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں صبح کا سہانا وقت ہے چلئے ہم اور آپ مرزا صاحب سے مل آئیں۔ نواب صاحب نے کہا کہ بسم اللہ۔ اور دونوں صاحب مرزا صاحب کے مکان پر پہونچے۔ دیکھا کہ دیوان خانہ خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ نہ خود بدولت ہیں۔ نہ میاں کلیان نہ خدمتگار۔ انگنائی میں مونڈھے بچھے ہوئے تھے۔ دونوں صاحب اون پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ یکایک مرزا صاحب بیت الخلاء سے اس ہئیت کے ساتھ برآمد ہوئے۔ ننگے سر گلے میں ململ کا ڈھیلا ڈھالا کرتہ ایک برہ پاجامہ پاؤں میں کف پائیاں۔ اور سیدھے ہاتھ میں برانڈی کی خالی بوتل۔ مرزا صاحب کے ہاتھ میں بوتل دیکھ کر ان دونوں صاحبوں کو تاب نہ ہوئی اور ہنسی کے مارے لوٹ ہو گئے ہنستے ہنستے گلے میں اچھو لگ گیا مرزا صاحب بھی ان کے پاس ایک مونڈھے پر بیٹھ گئے اور مزاج پرسی ہونے لگی۔

نواب صاحب۔ کیوں قبلہ آپ کا اب پینے کا شوق اتنا بڑھ گیا ہے کہ بیت الخلاء میں بھی بوتل ساتھ جانے لگی۔

مرزا صاحب۔ توبہ کیجئے توبہ۔ اپنے منہ پر تھپڑ ماریئے۔ شراب جیسی پاک چیز بیت الخلاء میں نہیں جا سکتی میں اس کی حرمت کو خوب جانتا ہوں۔

نواب صاحب۔ تو پھر یہ بوتل آپ بیت الخلا کیوں لے گئے تھے۔

مرزا صاحب۔ آپ ان باتوں کے پیچھے نہ پڑے

مگر نواب صاحب اور کنور صاحب نے نہ مانا۔ اور خدا رسول کا واسطہ دیا کہ راز بتا ہی دیجئے۔ تو مرزا صاحب نے ایک آہ کھینچ کر کہا کہ میں آج صبح اٹھا تھا اور جائے ضرور جانے کا ارادہ تھا۔ صحن چبوترہ کے کونے پر خدمتگار آفتابہ تانبے کا پانی سے لبریز رکھ کر چلا گیا تھا۔ ایک فقیر دیوان خانے میں گھس آیا۔ اور کہنے لگا کہ نواب صاحب کے دم قدم کی خیر۔ ایک چراغ دلوائیے۔ میں نے کہا کہ بابا اس وقت تو کچھ حاضر نہیں ہے۔ معاف فرمائیے۔ میں نے ہر چند

یقین دلایا کہ اس وقت پیسہ نہیں ہے۔ مگر اس نے نہ مانا بیں نے کہا یہ تانبے کا آفتابہ موجود ہے لیجائیے۔ فقیر نے آفتابے کا پانی پھینکا۔ آفتابہ جھولی میں ڈالا اور چل دیا۔ اس میں قضائے حاجت کا وقت قریب آگیا۔ تو میں نے اس خالی بوتل میں پانی بھرا اور جائے ضرور میں طہارت کے لئے لے گیا۔ طہارت کرکے باہر آتا تھا کہ آپ دونوں صاحب وارد ہوئے اور ہاتھ دھوکے میرے پیچھے پڑ گئے کہ بتائیے بوتل خریف بیت الخلا میں کیوں گئی تھی۔

مرزا کے ایک مصرع پر ناطق مکرانی نے اعتراض کیا۔ مصرع یہ ہے۔ ع خوک شد و بچہ زدن ساز کرد۔ اعتراض یہ تھا کہ خوک کے بچہ نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کو یہ لکھ کر بھیجا۔ مرزا نے جواب میں لکھ بھیجا۔ کہ آپ کی بندہ نوازی کا ممنون اور آپ کی اصلاح کا ممنون ہوں۔ خیر میں اس کو بدل دوں گا۔ معاف کیجئے میں نے سوروں کا کاروبار نہیں کیا اس لئے مجھے معلوم نہ تھا۔

ایک دن مرزا غالب فتح الملک بہادر سے ملنے گئے جب غلام گردش میں پہونچے تو خدمتگار نے صاحب عالم کو اطلاع دی کہ مرزا نوشہ صاحب آرہے ہیں وہ کسی کام میں تھے فوراً بلا نہ سکے۔ مرزا غالب وہیں ٹہلتے رہے صاحب عالم نے کچھ دیر کے بعد ملازم سے پکار کر فرمایا۔ ارے دیکھ مرزا صاحب کہاں ہیں۔ مرزا غالب نے وہیں سے جواب دیا غلام گردش میں ہے۔ صاحب عالم ہنستے ہوئے نکل آئے اور ساتھ لے آئے۔

ایک دفعہ مرزا صاحب کسی دعوت یا مشاعرہ سے واپس آرہے تھے۔ رات زیادہ گزر گئی تھی۔ مولانا فیض الحسن صاحب فیض سہارنپوری بھی ہمراہ تھے۔ ایک تنگ گلی سے ہوکر گزر رہے تھے۔ آگے ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا فیض نے کہا۔ کہ مرزا صاحب دلی میں گدھے بہت ہیں۔ مرزا صاحب نے بیساختہ کہا کہ نہیں صاحب باہر سے آجاتے ہیں۔ مولانا جھینپ کر چپ ہو رہے۔

مرزا صاحب سے کہا گیا کہ آپ اپنی ثقل سماعت کا علاج نہیں کرتے۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ دو وجہوں سے۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں بہشتی ہوگیا۔ دوسرے مرنے کے بعد جب نکیرین سوال کریں گے من ربک و ما دینک تو عذر گراں گوشی سے ہاں ہوں کرکے ٹال دوں گا۔

دلی میں ایک مشاعرہ تھا۔ مرزا نے اپنی ایک فارسی غزل پڑھی۔ مفتی صدرالدین آزردہ۔ اور مولوی امام بخش

صہبائی جلسہ میں موجود تھے۔ مرزا صاحب نے جس وقت یہ مصرع پڑھا ع بوادئی کہ دراں خضر را عصا خفت است مولوی صہبائی کی تحریک سے مفتی صاحب نے فرمایا کہ عصا خفت است میں کلام ہے۔ مرزا نے کہا کہ حضرت میں ہندی نژاد ہوں۔ میرا عصا پکڑ لیا۔ اس شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا ع ولے بجملۂ اول عصائے شیخ بخفت

بہن بیمار تھیں۔ آپ عیادت کو گئے۔ پوچھا کیا حال ہے۔ وہ بولیں کہ مرتی ہوں قرض کی فکر ہے کہ گردن پر لئے جاتی ہوں۔ آپنے کہا کہ بوا بھلا یہ کیا فکر ہے خدا کے ہاں کیا مفتی صدر الدین خاں بیٹھے ہیں جو ڈگری کر کے پکڑوا لیں گے۔

بھوپال سے ایک شخص دلی کی سیر کو آئے۔ مرزا صاحب کے بھی مشتاق ملاقات تھے۔ چنانچہ ایک دن ملنے کو تشریف لائے۔ وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ نہایت پرہیزگار اور پارسا شخص ہیں۔ ان سے بکمال اخلاق پیش آئے مگر معمول کا وقت تھا۔ بیٹھے سرور کر رہے تھے۔ گلاس اور شراب کا شیشہ آگے رکھا تھا۔ ان بیچارے کو خبر نہ تھی۔ کہ آپ کو شوق بھی ہے۔ اونھوں نے کسی شربت کا شیشہ سمجھ کے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ کوئی شخص پاس سے بولا کہ جناب یہ شراب ہے۔ بھوپالی صاحب نے جھٹ شیشہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں نے تو شربت کے دھوکے اٹھا لیا تھا۔ مرزا صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا کہ زہے نصیب دھوکے میں نجات ہوگئی

عبد الباری آسی

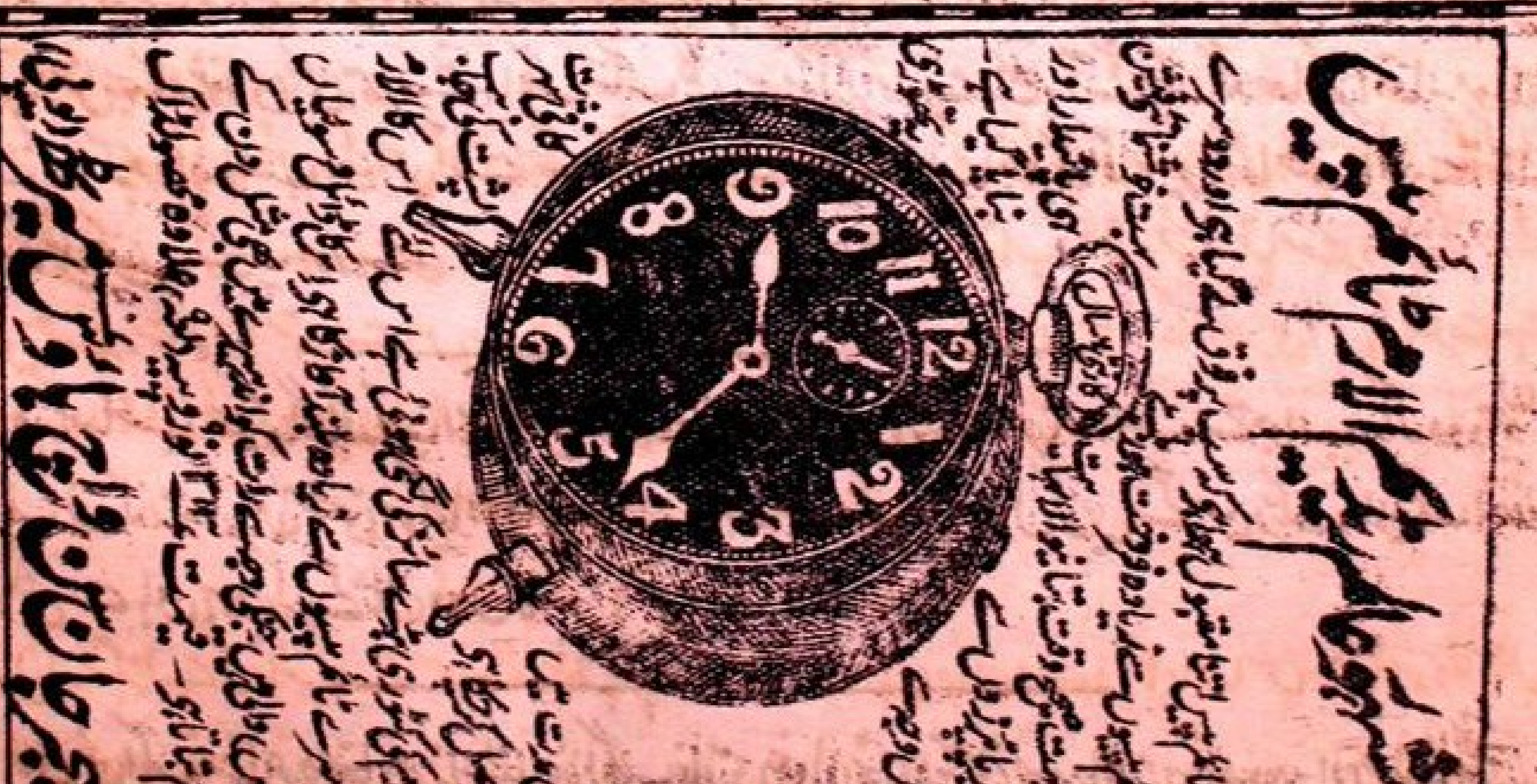

ملاحظات

غالب کا مطالعہ اس وقت تک اتنی مختلف نگاہوں سے ہو چکا تھا کہ بظاہر کوئی زاویہ ایسا نہ رہ گیا تھا، جس کو پیش نظر رکھ کر، بحث کا کوئی جدید پہلو اختیار کیا جاتا، لیکن ہمارے عزیز دوست مولوی عبدالباری آسی نے آخر کار ایک اسلوب جدید گفتگو کا نکال ہی لیا- اور اس میں کلام نہیں کہ جس طرح انھوں نے غالب کی شوخ نگاریوں کا استقصا کر کے اس مضمون کو مرتب کیا ہے، وہ یقیناً کافی محنت و دردسری چاہتا تھا۔

غالب ایک فلسفہ طراز شاعر تھا یا نہیں؟ —— اس پر دو مختلف رائیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ غالب، صحیح رنگ تغزل کے لحاظ سے بلند ترین مرتبۂ شاعری کا حامل تھا یا نہیں؟ —— اس مسئلہ پر علیحدہ علیحدہ مختلف دلائل بیان کئے جا سکتے ہیں۔ غالب نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے کوئی خاص پیغام دنیا کو پہونچایا یا نہیں؟ —— یہ بھی محل اختلاف و نظر ہو سکتا ہے —— لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ غالب اپنی شوخ طبعی، فطری ذہانت، اور شوخ نگاری کی حیثیت سے ایک مخصوص امتیاز کا مالک تھا، تو یقیناً یہ ایک ایسا دعوےٰ ہوگا جس کے ثبوت میں نہ کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت ہوگی اور نہ ملک میں دو رائیں اس مسئلہ پر نظر آئیں گی۔

اس کا کلام یکسر الہام فلسفہ تھا، مسلّم —— اس کا رنگ تغزل جذبات محبت کے سوا کچھ نہ تھا حقیقت مبرہن —— اس کا پیام شاعری بالکل پیام خداوندی تھا، لاریب فیہ —— لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت کو بھی ماننا پڑے گا کہ اگر اس نے کوئی فلسفہ پیش کیا تو وہ صرف فلسفۂ تفاؤل و مسرت تھا، اگر اپنی غزل سرائی میں اس نے جذبات محبت سے بحث کی تو وہ یاس و قنوط سے بالکل علیحدہ تھی اور اگر اس نے کوئی پیام الوہیت سنایا، تو وہ اس خدا کا تھا جس کا مظہر یونانیوں میں باخوس (شراب کا دیوتا)

پھر اگر آپ اس کے اس فطری رنگ کو تلخ یا شیریں حقیقت نہیں کہہ سکتے تو سوائے شوخی و شوخ طبعی کے کس چیز سے تعبیر کریں گے —— یہی سبب ہے کہ دوزخ و جنت، عذاب و ثواب، حشر و نشر، قیامت و آخرت کے متعلق جسقدر شاعرانہ استہزاء اس نے کام لیا، شاید ہی کسی شاعر کے کلام میں نظر آئے۔ اور یہی اس کی فطرت ہے جو اس کے انتہائی ملول و حزین جذبات کو بھی اس حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتی کہ

در بغل دشنہ نہاں ساختہ غالب امروز
مگزارید کہ ماتم زدہ تنہا ماند

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ غالب نے اسی لئے دشنہ چھپا رکھا تھا کہ وہ اپنی جان دے دیگا۔ اور اس سے مقصود نمائش کے علاوہ کچھ اور تھا۔

اس میں شک نہیں کہ غالب کے یہاں نہ تو بیدل کا وہ عمیق فلسفۂ تصوف ہے جو براہ راست روح انسانی کو متاثر کرکے کسی اور عالم میں پہونچا دیتا ہے، نہ درد کی سی وہ درد سرائی ہے جو انسان کو دل پکڑ کر بیٹھ جانے پر مجبور کرتی ہے، اور نہ کاروبارِ محبت میں مومن کی سی حقیقت نگاری ہے جو سینہ میں نشتر پر نشتر توڑتی چلی جاتی ہے، لیکن بایں ہمہ نہ آج بیدل سے کوئی اسقدر واقف ہے جتنا غالب سے اور نہ درد و مومن کا اتنا چرچا زبانوں پر ہے جس قدر غالب کا۔ اس وقت تک جتنا لٹریچر اردو میں غالب پر فراہم ہو چکا ہے اور برابر ہوتا چلا جارہا ہے، وہ شاید ہی ہندوستان کے کسی اردو یا فارسی شاعر کو نصیب ہوا ہو ـــــ اس کا سبب صرف غالب کی رندانہ شاعری، آزاد نگاری، شوخ گفتاری و خوش طبعی ہے جو ہر جگہ اپنے لئے ایک نیا اسلوب بیان، ایک جدید طرز ادا، ایک بدیع شیوۂ گفتار پیدا کر لیتی ہے اور سننے والا کچھ ایسا محسوس کرنے لگتا ہے کہ

گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یاد رکھئے زمانہ جسقدر ترقی کرتا جائے گا، غالب کے پرستار بڑھتے جائیں گے، کیونکہ یہ دور روحانیت و جذبات کا نہیں ہے، بلکہ مادی ترقی اور عشرت طلبی کا ہے۔ دنیا حزن و ملال سے بیزار ہو کر اب نشاط و مسرت کا تعاقب کر رہی ہے جس کے اسباب علوم جدیدہ نے ہر چہار طرف منتشر کر رکھے ہیں۔ اس لئے اب وہ کوئی بات دل دکھانے والی نہیں سننا چاہتی، بلکہ وہ صرف ایسی گفتگو چاہتی ہے، جس میں تفاؤل و مسرت ہو، نشاط و ولولہ ہو، اور چونکہ کلام غالب کی بنیاد ہی طربیہ جذبات پر قائم ہے، اس لئے اس کو مقبول ہونا چاہئے اور جوں جوں انسانیت دنیاوی ترقی میں آگے بڑھیگی، اتنی ہی زیادہ مقبولیت اس کو حاصل ہوتی جائے گی۔

دین و مذہب دو بالکل علیحدہ چیزیں ہیں۔ اوّل الذکر کا تعلق ایک شخص کے ذاتی اعتقادات سے ہے۔ اور دوسرے کا سوسائٹی سے۔ اس لئے غالب مذہب کے لحاظ سے جو کچھ بھی رہے ہوں، لیکن دین کے لحاظ سے اُن میں ابن الراوندی، ابو المعلاء المعری، یا کم از کم علامہ ابن تیمیہ کی روح ضرور کام کر رہی تھی۔ اور اس خصوص میں ان کی آزاد خیالی کا اب سے ایک صدی قبل وہی عالم تھا جس میں آج ہر شخص سرشار نظر آتا ہے اور جس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے کہ

با من میاویز اے پدر فرزند آزر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نکرد

اس سے مقصود میرا یہ ظاہر کرنا ہے کہ غالب کی شاعری چونکہ صد درجہ آزاد شاعری تھی۔ اور وہ دین ایسی چیز کو بھی اپنی تنقید و آزاد خیالی سے مجروح کئے بغیر نہیں رہتے تھے، اس لئے دورِ حاضر کے انسان کو جو ہر چیز میں آزادی چاہتا ہے، ان کے کلام سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ اور یہ آزادی جس قدر ترقی کریگی، غالب اتنا ہی زیادہ ہر دلعزیز ہوتا

جائے گا۔

یہ درست ہے کہ غالب کے یہاں ایسے شعر بھی ہیں جو ان کے اصل پیغام سے علیحدہ صرف دنیا کے جذبات اور تاثرات حزن و ملال کی پیداوار کہے جا سکتے ہیں، لیکن اول تو وہ بہت کم ہیں اور جو ہیں ان میں بھی غالب کی تنقیدی انفرادیت بدستور باقی رہتی ہے ——— ان کی ایک نہایت ہی پاکیزہ غزل ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں۔

بیا و جوشش تمنائے دیدنم بنگر
چو اشک از سر مژگاں چکیدنم بنگر

زمن بجرم تپیدن کنارہ میکردی
بیا بخاک من و آرمیدنم بنگر

شنیدہ ام کہ نہ بینی و ناامیدنیم
ندیدن تو شنیدم، شنیدنم بنگر

دمید دانہ و بالید و آشیاں گم شد
در انتظار ہماں دام چیدنم بنگر

دیوان غالب میں مشکل ہی سے اس سوز و گداز کے شعر اور مل سکتے ہیں، یہاں تک کہ بہ اول نظر ان کے فرمودۂ غالب ہونے پر بھی بآسانی یقین نہیں ہو سکتا، لیکن جنھوں نے غالب کا غائر مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس عالم یاس و نامرادی میں بھی ان اشعار کے اندر غالب کی انفرادیت بدستور قائم ہے اور اس کی فطرت کا وہ جوش جو دوسرے اشعار میں شوخی کی صورت سے نمودار ہے، یہاں اس نے الفاظ کے رکھ رکھاؤ، مضمون کی بلندی، خیال کی رفعت اور بندش و ترکیب کی صورت اختیار کر لی ہے اور اگر ان خصوصیات کو علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو وہ عالم تاثر یکسر محو ہو جاتا ہے۔

الغرض مدعا یہ کہنا ہے کہ غالب کی وہ خصوصیت جو اسے تمام شعراء سے ممتاز کرتی ہے، صرف اس کی شوخی و رندی ہے اور بدقسمتی سے اسی چیز کو اس وقت تک اکثر نقادان فن نے نظر انداز کر دیا تھا۔

ہم ممنون ہیں کہ جناب آسی صاحب نے بہت کاوش سے اس موضوع پر اتنا مسالہ فراہم کر دیا۔ اور آیندہ اگر کوئی شخص اس مبحث پر کچھ لکھنا چاہے گا تو اس کو ان صفحات سے بہت مدد ملے گی۔

نیاز

زندگی نام زندہ دلی کا ہے۔ اس لئے ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے

انتخاب گلابی اردو (ملا رموزی) من چلے (مضحک افسانہ) موج تبسم (شوکت تھانوی) ۸؍

بحر تبسم (شوکت تھانوی) عہ (علاوہ محصول) تمام کتابیں معہ محصول ۱۲؍ میں

ملک کے نہایت مشہور شاعر فانی کا دیوان ۸؍ (علاوہ محصول)

مینیجر نگار

اس فہرست میں سب اصل قیمتیں درج ہیں

محصول ڈاک بذمہ خریدار

نصف قیمت صرف اس ماہ کیلئے

محصول ڈاک بذمہ خریدار ہے

فہرست کتب کارخانہ پیسہ اخبار لاہور

جملہ علوم و فنون کی بہتریں کتابیں قرآن

حدیث ـ دینیات ـ صنعت و حرفت ـ طب ـ تجارت ـ تاریخ ـ علاج البہائم ـ ناول ـ ڈرامے ـ فسانے وغیرہ

کارخانہ پیسہ اخبار واقعہ لاہور میں ہر قسم کی کتاب کی فرمایش آنے پر فوراً تعمیل کی جاتی ہے یہ کارخانہ گذشتہ ۴۰ سال سے آپ صاحبان کی خدمت کر رہا ہے۔ اس فہرست میں سب اصل قیمتیں درج ہیں۔ دیانتداری اس کارخانہ کا سب سے بڑا اصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس تجارت میں لاثانی عروج حاصل ہوا ہے۔ آپ نے جب کبھی کوئی کتاب منگانی ہو۔ تو سب سے پہلے ہمیں یاد کیا کریں۔

باورچی خانہ

ہدایت نامہ باورچیان ہر قسم کے انگریزی کھانے پکانے کی خانساموں کے لئے مفید کتاب ۱ـ

مربے حلوا اچار چٹنیاں لذیذ مربے خوشگوار اچار۔ خوشبودار حلوے چٹ پٹی چٹنیاں بنانیکے مفید نسخے جو ہر گھر میں معلوم ہونے ضروری ہیں لڑکیوں کیلئے یہ کتاب بہت اچھی و کارآمد ہے ۸ـ

خوان نعما مسلمانوں کے انواع و اقسام کے صدہا لذیذ کھانے پلاؤ زردہ قورمہ کوفتے وغیرہ بنانے اور مصالحہ ڈالنے اور پکانے کی کئی ترکیب درج ہیں قیمت ۸ـ

بھوجن پرکاش باورچی خانہ اور رسوئی سے لطف و محبت رکھنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں جس میں پر مزہ لذیذ نمکین اور شیریں کھانوں انواع و اقسام کی مٹھائیوں حلوے۔ پوریاں کچوڑیاں بھاجیاں۔ ترکاریاں وغیرہ تیار کرنے کی پوری کیفیت درج ہے۔ قیمت ۸ـ

پرورش و علاج حیوانات کیمتعلق کتابیں

علاج المواشی ہاتھی شتر گھوڑا خچر گدھا بھینس بکرے [illegible]

محب المواشی ہر قسم کے چوپایہ جانوروں کا حال علاج اور پرورش وغیرہ کے طریقے ۸ـ

بھیڑ بکری کی پرورش جس میں بھیڑ بکری کے ریوڑ پالنے اور ان کی تجارت سے نفع حاصل کرنے اور نگہداشت کے طریقے ۸ـ

معالجات الکلب کتوں کی ہر قسم کی بیماریاں اور علاج و پرورش اور نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ـ

مکمل مرغیخانہ مرغیوں کی پرورش سے دولت کمانا اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ فائدہ مند ہے بیوپاری مرغی انڈے کا بیوپار اس کا مطالعہ کریں قیمت ۱ـ

تربیت الدجاج اس میں بطوں اور مرغیوں کی ہر قسم کی بیماریوں کا علاج اور انڈے کی تجارت کا حال درج ہے۔ ۸ـ

حال کنیری کنیری پرند کی پرورش و نگہداشت کے طریقے ۸ـ

شہد کی مکھی ۸ـ **ریشم کا کیڑا** ۸ـ **خواص الحیوانات** ۸ـ

سیاسی دنیا میں تہلکہ مچا دینے والی کتب

مدر انڈیا یعنی مادر ہند مع ضمیمہ

امریکہ کی رہنے والی ایک عورت مس کیتھرائن میو نے ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کی سیاحت کر کے ایک کتاب مدر انڈیا کے نام سے لکھی جس کی [illegible] کئی ایڈیشن چھپ گئے ہیں اس کتاب میں مس میو نے ہندوستانیوں کی معاشرت پر ایسی جاہلانہ نکتہ چینی کی ہے کہ تمام ملک کے ہندو مسلمان اور تمام ہندو پریس نے اس پر سخت سے سخت اعتراض کئے ہیں اور بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے مس میو سے یہ کتاب اس لئے لکھوائی ہو کہ کمیشن اصلاحات جو ہندوستان میں حالات کی تحقیقات کیلئے آئی تھی اس کو ہندوستان کی معاشرتی کمزوریوں کا پتہ لگ جائے یا پتہ لگ جائے کہ تمام دنیا کے لوگ اس کتاب سے متاثر ہوئے ہیں نتیجہ اس کا نہایت سلیس ترجمہ عام فہم اردو میں شائع کیا گیا ہے لیکن جس قدر ترجمے اس کتاب کے چھپے ہیں وہ نامکمل ہیں یا ان میں اختصار سے کام لیا گیا ہے مگر ہم نے لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہے جس کو ناظرین دیکھ کر خوش ہونگے انگریزی کتاب کی قیمت آٹھ روپے فی جلد۔ اردو کتاب کی قیمت تین روپے لکھائی چھپائی عمدہ ۳ـ

فادر انڈیا یعنی بھارت پتا یہ کتاب مادر ہند کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ جن اصحاب نے مادر ہند کا مطالعہ کیا ہے ان کو چاہئے کہ جواب بھی منگوا کر پڑھیں ۲ـ

ذخیرہ صنعت و حرفت کے آٹھ حصے

یورپ امریکہ کی تمام صنعتوں کا مفصل حال ہر چیز کی تیاری کا نسخہ ترکیب وغیرہ مفصل درج ہے اس کتاب کے دس بار ایڈیشن آج تک [illegible]

روپے کمائے ہیں۔

حصہ اول اس میں روشنائیوں بیاہیوں سیمنٹ۔ روغن سازی
ملمع گری پالش الیکٹرو پلیٹنگ وغیرہ کے حالات درج ہیں۔ ۸ر

حصہ دوم میں لکڑی پیتل لوہا تانبہ سینگ وغیرہ کے مکمل حالات
اور مصنوعات وغیرہ کا ذکر ہے عہ

حصہ سوم میں کیمیا گری جڑی بوٹیوں کے خواص و فوائد۔
انگریزی ادویات دیسی اور انگریزی کھانوں کا بیان ہے ۸ر

حصہ چہارم میوہ کو خشک کر کے مربے بنانا۔ انگریزی مٹھائیاں اور
جلد سازی اور مختلف رنگوں کی ترکیب درج ہیں قیمت ۸ر

حصہ پنجم بکرے سیب لکڑی پر نقش و نگار۔ بید سازی عرق
سازی۔ روغن سازی کے مفصل حالات قیمت ۸ر

حصہ ششم میں مصنوعی موتی سیپ جواہرات کانچ ایلومینیم کافور کارک
وغیرہ وغیرہ کی مصنوعات کا ذکر ہے قیمت عہ

حصہ ہفتم منی کے تیل مچھلی۔ الکوحل چکنائی ہفت دھات وغیرہ کے مرکبات
حصہ ہشتم بارچنٹ مرنگ مصنوعی موتی چنگاری بید تمباکو سگریٹ
وغیرہ مفصل فہرست مضامین منگا کر دیکھیں ۸ر

مکمل صابون سازی
ہر قسم کے دیسی اور انگریزی صابن بنانے صابن کے اجزا حاصل کرنے
نئے تجربے صابن کا کارخانہ بنانے اور اس کو تجارتی طور پر کامیاب بنانے
کی ترکیبوں کا ذکر ہے قیمت عہ

کلید صنعت
حصہ اول سٹیم انجن کی پہلی کتاب مصنفہ علم دین انجنیئر عہ

کلید صنعت
حصہ دوم عہ

ویکیوم بریک
ویکیوم کے ذریعے ریل گاڑی کو ٹھہرانا اور اس کے استعمال وغیرہ پر مفصل بحث عہ

کارخانہ دھلائی لانڈری
ہر دو گرم کپڑے دھونے کے طریقے دھوبی خانہ بنانے چلانے کی ترکیب ۔ قیمت عہ

مکمل دندان سازی
مصنوعی دانت لگانے دانتوں پر پالش کرنے بھرنا چڑھانے۔ ڈرکا جبڑا وغیرہ بنانے کے مکمل حالات قیمت عہ

مکمل گھڑی سازی
گھڑیوں ٹائم پیس کلاک وغیرہ مرمت کرنے کے حالات قیمت عہ

گلٹ سازی
بجلی کے ذریعہ دھاتوں پر گلٹ کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ ۱۰ر

شربت سازی
ہر قسم کے خوشبودار پھلوں پھولوں کے شربت بنانا ۸ر

دیاسلائی
ہندوستان میں دیاسلائی کے کارخانوں کے حالات اور ان کی کامیابی و ناکامی پر بحث ۔ ۱۰ر

انیملنگ یا تام چینی
لوہے کے برتنوں پر تام چینی چڑھانے کی ترکیب ۔ عہ

داغ دھبے دور کرنا
کپڑے لکڑی دھات کی چیزوں پر سے تیزاب وغیرہ کے داغ دور کرنے کے ۲۵ مجرب نسخے درج ہیں قیمت ۱۰ر

آئینہ جواہرات
اس میں ہر قسم کے جواہرات کی شناخت۔ حالات باصول ماہرین فرنگ و دانشمندان
زمانہ قدیم معہ خواص ماہیت کیمیائی ترکیب مقامات پیدائش حالات
برآمدگی کان کنی کاٹ چھانٹ جلا و دستکاری۔ کھرے کھوٹے کی پہچان۔
غرض جواہرات کے متعلق ہر بات درج ہے ۔ قیمت صہ

کشیدہ کاری
اس میں ہر قسم کے بیل بوٹوں کے نمونے بنا کر دکھائے گئے ہیں گھروں میں عورتوں کے لئے بڑی مفید کتاب ہے قیمت ۸ر

چھریاں چاقو ۸ر رنگائی چھپائی ۸ر روشنائی ۸ر
سیمنٹ ۸ر آتشبازی ۱۲ر جلا و آبداری ۸ر
ہر قسم کے روغن و وارنش ۸ر نیلاری یا رنگریز ۸ر
مصنوعی دانت لگانا ۸ر بسکٹ فیکٹری ۶ر
موم بتی ۸ر چینی مٹی اور اس کے مصنوعات ۸ر
فاؤنٹین پن پاکٹ بک ۸ر رسالہ فوٹو گرافی ۸ر
دباغت ۸ر لوہا ڈھالنا ۸ر وارنش و پالش ۸ر
مٹی کے برتنوں پر کانچ چڑھانا ۸ر آلہ مقیاس ۸ر

روغن سازی
ہر قسم کے خوشبودار تیل تیار کرنے کے طریقے اور ان کی تجارت کے حالات قیمت ۸ر

زراعت و باغبانی
زراعت کی پہلی کتاب
مصنفہ جناب خان غلام محمد خان صاحب ایل اے جی ایم آر اے ایس ہیڈ ماسٹر ٹیچرز ٹریننگ کلاس پنجاب

متفرق ناول

ایڈیٹر کا حشر	۴ر
خوبصورت ناگن	۸ر
پیا ناچندول	۱۲ر
زہرہ جبین معشوقہ	عہ
رزم و بزم	۸ر
دھوکا یا طلسمی فانوس	۱۲ر
بجری لاش	۸ر
بیزبان دوست	۸ر
قاتل کا قاتل	۶ر
حیات ابنی	۶ر
کلام صدر	۶ر
سفر نامہ نجد و حجاز	۸ر
اہارول	۸ر
فردوسی	۱۰ر
فیضی	۴ر
نظامی	۸ر
تذکرہ صابر	۱۲ر
خوابنامہ و تعبیرنامہ	۴ر
تاریخ ریاست حیدرآباد دکن	
قدیم سیحیت	۸ر
بیان سلف	۱۰ر
ناشاد	عہ
الو کی دم فاختہ	۸ر
سعید و جمیلہ	۱۲ر
ننھے بگڑے	۸ر
نئی نویلی	۶ر
سنہری زیفن	عہ
بیدرد خانساماں	۸ر
عیار روک عیار	۸ر
شام جوانی دو حصہ	للعہ
طلسمی برج	۱۲ر
شوقین جاسوس	عہ
بنت فرعون	۸ر

بھنگی کا زار	۸ر
محب وطن	۸ر
تلاش حق	۶ر
فریب حسن	۸ر
شگوفہ محبت	۸ر
اشتہاری معشوقہ	عہ
گندم	عہ
چاند سلطانہ دو حصہ	للعہ
چابک سوار معشوقہ	۸ر
خونی شہزادہ	۸ر
مہ جبین جاسوسہ	۱۰ر
ہنگامہ عشق	۱۰ر
طلسمی انگوٹھی	۸ر
فرمان قضا	۲ر
میٹھی چھری	۸ر
حسرت وصل	۱۰ر
پرتیم کی تلاش	عہ
خضر شباب	عہ
چینی قزاق	۱۰ر
چینی فی وینی یا رز	۴ر
بم کا نسخہ	۶ر
تھلادہ	عہ
سلیمان عذرا	۸ر

انگریزی ناولوں کے ترجمے

مرد میدان حصہ اول دوم	
روز انیمبر	۸ر
سونے کا جزیرہ	۱۲ر
بادگیرٹ	عہ
حاجی بغلول	عہ
طرحدار لونڈی	۸ر
کایا پلٹ	۸ر

اردو زبان کے بہترین ناول

چپا	۴ر

پھلواڑی

میوہ جات اور ترکاریوں کے بعد تیسری کتاب پھولوں کے باب میں شائع کی گئی ہے اس میں صدہا قسم کے ہندوستانی اور انگریزی پھول اور پودوں کا ذکر ہے باغوں کے شوقین اس کتاب کی مدد سے ہر قسم کے پھول پیدا کر سکتے ہیں عہ

صنعت تربوز ۸/ کاشت آلو ۲/

حفظ صحت و طب کی کتابیں

بازاری ادویات اس کتاب میں ۲۰ حیوان کی ۵۰ مختلف بازاری ادویات جن کی ہر روز تمام گھروں میں ضرورت پڑتی ہے ۔ تفصیل درج کی گئی ہے ۔ عہ

رہنمائے فن عطاری شربت، اطریفل، کشتہ، معجون وغیرہ بنانے کے دو سو نسخے ۔ ۱۰/

ذخیرۃ الاطبا افضل مشاہیرین طب اسلامی و عامرخان ہیدک کے مفصل حالات عہ

قوت سماعت اور کان کان کے ہر قسم کے امراض کے علاج وغیرہ قیمت ۱۰/

موگدر و موگریاں (باتصویر) بذریعہ موگدر و موگریاں ورزش اور صحت قائم رکھنے کے طریقے عہ

کشتہ جات ویدک طبابت کے موجد ، دال کشتوں کے فن سے کتنے واقف ہیں اکسیر کا حکم رکھتے ہیں اس کتاب میں ہر قسم کے معدنیات سونا چاندی فولاد وغیرہ دھاتوں کے کشتوں کی ترکیبیں درج ہیں ۔ قیمت عہ

جڑی بوٹی تمام جڑی بوٹیوں کی شناخت استعمال خواص درج ہیں قیمت عہ

خوبصورتی تندرستی حفظ صحت کی تدابیر اور خوبصورتی ہر کار بند ہو کر انسان خوبصورتی اور تندرستی حاصل کر سکتا ہے ۔ یورپ کی تمام زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے ۔ قیمت عہ

حسن و صحت بڑھانے کے نسخے اس میں رنگ بڑھانے اور رنگنے کے خضاب خوشبودار تیل منہ کو خوشنما بنانے کے مجرب نسخے ۸/

لکنت اور اس کا علاج ۶/ فاد زہر ۲/

طب کیمیا کی لغت اسرار و بانی و حلیمہ بن اور اسکے امراض ۶/

مجربات حفظ صحت کے آٹھ حصے

مجربات حفظ صحت حصہ اول عہ ، حصہ دوم عہ حصہ سوم عہ حصہ چہارم عہ حصہ پنجم عہ حصہ ششم عہ حصہ ہفتم عہ حصہ ہشتم عہ ۔

بول چال و ادب کی کتابیں

فارسی بول چال عہ ۔ عربی بول چال عہ ترکی بول چال عہ انگریزی بول چال عہ ۔ ایشیا و یورپ کی ضرب الامثال ۔ نجم الدین مدرس دہلوی قیمت عا ۔

کتاب الاشجار فاضل اجل شمس العلما خان بہادر نواب سید امداد امام صاحب مصنف کیمیائے زراعت مراۃ الحکما وغیرہ باغبانی اور میوہ جات کی پر مشہور کتاب ، دوسرا ایڈیشن قیمت ۶/

کیمیائے زراعت یہ فن زراعت پر بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہے تمام قابل کاشت غلوں ترکاریوں فصلوں کے بونے اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی تدابیر قیمت صرف عہ

سبزی ترکاریاں اس کتاب میں ہندوستان اور ممالک غیر کی تمام ترکاریوں کی پیداوار کاشت پرورش کی ترکیبیں قیمت عہ

میوہ جات میوہ دار درختوں کے حالات ان کی پرورش اور پیوند کے طریقے ۔ کھاد اور لذیذ میوے تیار کرنے صرف عہ

اسلام کی کتابوں کا سلسلہ

کارخانہ پیسہ اخبار لاہور کے لئے جناب مولوی حکیم محمد نذیر صاحب عرشی مولوی فاضل منشی فاضل نے یہ مشہور سلسلہ لکھا کتب اسلام ۔ اسلام کی پہلی ۴/ دوسری ۶/ تیسری ۸/ اسلام کی چوتھی دس آنے ۔

بہشتی زیور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی یہ کتاب بچوں اور عورتوں کے لئے ضروری ہے دس حصوں میں ہے قیمت فی حصہ ۸/ مکمل سٹ عہ ۔ ہفت سورہ ہدیہ صرف ۸/ ما مجان ۲/ ثبوت ذات باری تعالیٰ ۶/ خلافت اسلامیہ ارکانیہ عہ/ ۔ پنج بنائے اسلام ۸/ مطالق صحیحہ نصائح فاروقیہ ۸/ مسلمانوں کے لئے حکمت کے سبق ۴/ تجارت العرب قبل اسلام ۴/ شریعت اسلامیہ ۸/ دیوان حافظ کی تاریخی فالیں ۳/

ناول نہایت اعلیٰ نظرتی قاتل عہ خوفناک قتل ۸/ پر اسرار قتل عہ نقاب پوش ڈاکو ۸/ رہائی بندوق ۴/ بیوی کی شرارت ۴/ طلسم ابجد ۴/ لال چھتری عہ دردِ دل ۴/ الٹی جوانی ۸/ انجام محبت ۴/ شیطان زادہ ۴/ دس عبرت ۶/ دکھیا فقیر ۴/ خت شگی ۴/ شریف بدمعاش ۴/ میاں بیوی ۴/ شریف چوہدم ۔

لغات النسوان

عورتوں کی روزمرہ کی زندگی میں جو محاورات بولے جاتے ہیں ان سب کو بہ ترتیب حروف تہجی مولانا اشہری خان مرحوم نے جمع کیا ہے قیمت عا

انگلش ٹیچر مبتدیوں کیلئے بے نظیر کتاب ہے اس کے مطالعہ سے بغیر استاد کی مدد کے انگریزی سیکھ سکتا ہے عہ

تاریخ انگورہ جس میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا بانئے حکومت اناطولیہ (انگورہ) ہاقر صبیح بے وزیر جنگ یوسف کمال بے سابق وزیر خارجہ حضرت شیخ سنوسی جنرل انور پاشا وزیر جنگ کاظم پاشا سپہ سالار قفقاز علی فتحی بے وزیر داخلہ قاضی احمد رفعت بے شیخ الاسلام انگورہ ادیبہ خالدہ خانم وزیر تعلیم جنرل علی احسان پاشا جنرل عصمت پاشا فاطمہ خانم وغیرہ شمارہ مجاہدین احرار انگورہ کے جذبات علیہ مہمات عمرا دشکیف جنگی کارناموں کے علاوہ انگورہ طرابزون سینوپ بروصہ قفقاز سمرنا ازمیر بمرنا وغیرہ اناطولیہ کے مشہور شہروں اور بندرگاہوں کے قدیم و جدید تاریخی جغرافیائی حالات درج ہیں ۔ قیمت عہ

نامۂ خسروان شاہ ایران کی ناسی تاریخ از ابتدائے آبادیان تا انجام ساسانیان ایرانی چھاپے کی نئی تاریخ ۔ روپیہ میں صحیح ہے باتصویر ۔ چھاپہ عہ

ہندوستان پر غیروں کے حملے افغانستان کی جانب ہمیشہ ہندوستان پر حملے ہوتے رہے ہیں ان مشہور حملوں کا بیان عہ

قوانین عثمانی دولت عثمانیہ کے اساسی و انتظامی قانون ترکی سے اردو میں عہ

اقوام ترکی وہی ترکی کی کثیر التعداد مختلف نسلوں اور قوموں کی تاریخ موجودہ اور آئندہ پولیٹیکل حالات سلطنت عثمانیہ کے آئے دن کے تحقیقوں وغیرہ کو سمجھنا ہو عہ

حالات ایران حصہ اول دوم مرزا ابن حکیم جلالوی سفیر متعینہ دربار ایران نے ملک ایران کے نہایت عجیب حالات لکھے ہیں ۔ قیمت عہ

ترکوں کے ہاتھ طرابلس میں جنگ طرابلس کے صحیح حالات جس میں ترکوں و عربوں کی بہادری کا حال [illegible] اور یورپ کی بے پروائی عہ

چہار مقالہ فارسی زبان میں نظامی عروضی سمرقندی جو ادب تاریخ کی بہترین کتاب ہے۔ عہ

تاریخ دربار امرتسر دربار صاحب امرتسر کے مفصل تاریخی حالات قیمت عہ

سفرنامہ بغداد مولوی محبوب عالم صاحب نے دوران جنگ عظیم میں خلفائے عباسیہ کے قدیم پایہ تخت اور عراق عرب کے جدید حالات لکھے ہیں قیمت ۱ؕ

رہنمائے مسافران ہند سہولیت مسافران سیاحان و جاتریان ہندوستان عہ

رہنمائے کشمیر سیر جنت نظیر کیلئے بہترین رہنما قیمت ۱ؕ

کارونیشن دربار دہلی اس میں کارونیشن دربار دہلی میں شامل ہونیوالے کل راجوں نوابوں روسا و جاگیرداروں و صوبجاتی حکومتوں کے تمام بڑے افسروں و وائسرائے اور کنگ جارج کی عکسی تصویریں اور مفصل سوانح حالات وغیرہ درج ہیں کتاب اعلیٰ درجہ کے آرٹ پیپر پر مدراس کی چھپی ہوئی ہے قیمت مع جلد

تاریخ مراکش سلطنت مراکش کی ابتداء سے لیکر آجتک کی مفصل تاریخ قیمت ۱ؕ

تاریخ سیالکوٹ ضلع سیالکوٹ کے حالات علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی زندگی اور جمعہ علماء کے کارنامے وغیرہ اس کتاب کا دیباچہ سر محمد اقبال صاحب نے لکھا ہے قیمت عہ

شباب کشمیر کشمیر کے مشہور بادشاہ بڈشاہ کی دور حکومت کے مفصل حالات قیمت ۱ؕ

سفرنامہ ایران مولانا محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا کے خود نوشت حالات قیمت ۱ؕ

ہدایت الحجاج ۱ؕ ۔ تاریخ جنگ سمالی لینڈ

انگلستان و اسلام ۸ر ۔ جنگ یورپ کے مکمل حالات ۱ؕ

دنیا کی نگین گوری قومیں ۸ر ۔ لاہور عہد مغلیہ میں ۸ر

شاہی سیر کشمیر ۸ر ۔ شالامار باغ ۸ر

بچوں کے متعلق مفید کتابیں

بچوں کے گیت اس کتاب میں نہایت عجیب بچوں کے گیت جمع کئے گئے ہیں ۔ ۱۲ر

اخلاقی کہانیاں نہایت دلچسپ بچوں کیلئے مفید حکایات جس پر پنجاب گورنمنٹ نے مصنف کو تین سو روپیہ انعام دیا قیمت عہ

گلیور صاحب کی سیاحت باونوں دبالشت بھر کے آدمیوں کے ملک میں گلیور صاحب کی سیاحت کے دلچسپ حالات مع تصاویر ۱ؕ

سندباد جہازی ۱ؕ ۔ اسیر قفس ۱ؕ ۔ پانچ باتونی ۱ؕ ۔ یادر

لطائف و ظرائف

گذشتہ تیس سال سے انتخاب لاجواب ہر ہفتہ وار پیسہ اخبار میں جو لاکھوں دلچسپ لطیفے چھپتے رہے ہیں ناظرین کے اصرار پر کتابی صورت میں چھاپے گئے ہیں ان کی دلچسپی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پہلا حصہ قریباً بیس دفعہ چھپ چکا ہے پانچو لطائف حصہ اول تا حصہ ہشتم ہر ایک حصہ میں پانچ پانچسو لطائف درج ہیں اور ہر ایک حصہ کی قیمت آٹھ آنے آٹھوں حصوں کی قیمت للعہ

رہنمائے پولیس جملہ ملازم محکمہ پولیس و عوام کے فائدہ کے لئے رہنما قیمت ۶ر

محبوب الاخلاق یعنی مسلمانوں عیسائیوں اور ہندوؤں کے مشاہیر بزرگوں مصنفوں لیڈروں اور حکمائے یونان چیدہ اقوال کا دلچسپ مجموعہ بہ ترتیب حروف تہجی ۸ر

خط تقدیر با تصویر ہاتھ کی ہتھیلی سے انسان کی قسمت و حالات معلوم کرنیکا رہنما قیمت ۱۲ر

نوشتہ تقدیر حکیم فیثا غورث کے چالیس سوالوں کا جواب علم نجوم میں یکتا کتاب۔ ۱ر

دو جالی پہلی دوسری اسمیں تمام جادو و شعبدے بازیاں چالاکیاں اور ہتھکنڈے درج ہیں

علم ہپناٹزم علم ہپناٹزم کی پہلی کتاب ۸ر

گنجینہ عملیات ہر قسم تعویذات اور نقش لکھنے کے طریقے قیمت عہ

ہدایت متعلمیہ انگلستان انگلستان میں جاکر مختلف کالجوں اور کارخانوں میں تعلیم حاصل کرنے کے حالات

خواجہ ناصر الدین ۱ؕ ۔ ریگستان و معمے ۶ر

ما محبان ۱ؕ ۔ آئینہ مسمریزم ۱ؕ ۔ علم کاسہ سر ۳ر

ڈاکٹروں اور مریضوں کے لطیفے ۱ؕ

دواوین وغیرہ

مسدس حالی مولانا حالی مرحوم کا جادو اثر کلام جس کے شعر شعر میں اسلامی جذبات کی تصویر کھینچ دکھائی ہے قیمت ۱۲ر

دیوان حافظ خواجہ حافظ شیرازی کا شیریں فلسفیانہ کلام ۱ؕ

باغ خیال اکبر اکبر میرٹھی دانا پوری کے کلام کا مجموعہ قیمت ۱۰ر

دیوان غالب حضرت اسد اللہ غالب کا مکمل دیوان اردو عہ

دیوان ذوق ملک الشعرا خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کا مکمل دیوان عہ

دیوان داغ نواب میرزا خان صاحب داغ دہلوی استاد نظام دکن کا دیوان عہ

دیوان ظفر شہنشاہ ہند ابو ظفر بہادر ظفر کا مشہور اردو دیوان عہ

ترانہ موسیقار اس میں غذائے روحانی یعنی نغمات اور سروں کو محفوظ رکھنے اور علم موسیقی کے علمی جزو پر بحث کی گئی ہے قیمت ۸ر

ہندو شعرا کا نعتیہ کلام اسمیں ہندو شعرا کے اس کلام کو جمع کیا ہے جو انہوں نے رسول خدا محمد مصطفےٰ کے متعلق لکھا ہے۔ ۸ر

انوار احمدی یا میلاد محمدی اسمیں آنحضرت کی پیدائش بعثت معراج شریف کے واقعات درج ہیں ۸ر

گلدستہ سہرا تمام مشہور مشہور سہرے جو آجتک مختلف شادیوں کے موقعوں پر لکھے گئے ہیں اس گلدستہ میں جمع کر دیئے ہیں۔ ۸ر

معلومات بوسہ بازی تمام دنیا کی قوموں میں بوسہ بازی کے رواج کے متعلق معلومات ۸ر

میلاد اکبر وارث میرٹھی نے اس میلاد شریف میں مختلف قصیدے، درود و سلام وغیرہ جمع کئے ہیں۔ ۱۲ر

ناول ڈرامہ فسانے

ناول ۱۳ ۱۱ سراغرسانی کا حیرت انگیز اور دلچسپ ناول۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے قیمت ۸/

فتح انطاکیہ یہ ایک اسلامی تاریخی ناول ہے اسمیں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے کیسی جانفروشانہ بہادریاں کر کے عیسائیوں پر غلبہ پاکر انطاکیہ فتح کیا۔ قیمت ۱۲/

فتح یرموک یہ بھی ایک اسلامی تاریخی ناول ہے اسمیں بتایا گیا ہے حضرت خالد بن ولید کی حیرت انگیز بہادری اور مجاہدین اسلام کے کارنامے درج ہیں ۱۲/

سیتا یہ ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کا قصہ ہے۔ جو ہندوستانی لڑکی پر عاشق ہوا۔ قیمت ۱۲/

قعر دریا دو حصہ منشی عبدالغفور صاحب مصنف حق بجقدار و تماشہ گاہ عالم وغیرہ نے اس سات سو صفحہ کے ناول میں حیرت انگیز مناظر کا پے در پے پیش آنا اور مجرموں کا نہایت چالاکی سے کامیاب ہونا اخیر تک طبع اور پیر کا دانش سراغرسان کا بھانڈا پھوڑنا ۱۲/

سرگذشت ۲ ہیلڈس کے مشہور ناول میری پراسرار کا ترجمہ ایک خاندان کی آپ بیتی کہانی۔ نہایت سنسنی خیز ناول چار حصوں میں خوبی یہ ہے کہ جب تک اس کو ختم نہ کر لیا جائے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا چاروں حصوں کا حجم (۱۲۰۰) صفحہ سرگذشت حصہ اول ۲۴۴ صفحہ قیمت ۱/ سرگذشت حصہ دوم ۲۳۲ صفحہ قیمت ۱/ حصہ سوم ۲۳۲ صفحہ قیمت ۱/ حصہ چہارم ۲۹۶ صفحہ قیمت ۱/

تماشہ گاہ عالم منشی عبدالغفور صاحب مرحوم مصنف حق بجقدار و قعر دریا نے ہندوستانی زندگی کا نقشہ پیش کیا ہے۔ نہایت دلچسپ۔ ۱/

فریبی عورت اسمیں ایک عورت اپنے ادنے اغراض کیلئے ایک مالدار شخص کی لڑکی کو گم کر کے اپنی بیٹی کو اس کی لڑکی ظاہر کرتی ہے آخر حق بجقدار رسید ۸/

فاتح تفتیش دو حصے جرائم پیشہ اقوام اور مجرموں کے سراغرسانی کے متعلق پولیس اور خفیہ پولیس کی ... دلیوں کو قابل قدر نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ ۱۲/

بد انجام جس میں ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات کو اس مشہور تاریخی ناٹک کے ایکٹروں کی زبانی۔ ۸/

دو حریف سراغرسان ملک افریقہ کی سراغرسانی میں سے ایک چوٹی کا پرحیرت قصہ طبع پنجم ۸/

شمع شبستان لاہور کا ایک امیرزادہ ایک نہایت مفلس بڑھیا کی لڑکی پر شیدا ہوتا ہے جو بڑی مشکلات سے اس کے ہاتھ آتی ہے وغیرہ ۹/

حسن آرا بیگم ایک زنانہ اخلاقی ناول۔ ۸/

قدرتی سیرین ہندوستانی زندگی کا دلچسپ اور عبرت انگیز ناول ۱۲/

دلفگار ایک حسین لڑکی کی درد بھری کہانی ۸/

اسرار انگلینڈ اس میں نیکیوں کے خوشگوار نتائج اور شریروں کو سزا وغیرہ قیمت ۱۲/

سیر بکاؤلی ملکہ بکاؤلی کے پراسرار طلسمی حالات ۸/

داستان چل و زیر ترکی زبان سے الف لیلیٰ کی کہانی کی طرح نہایت دلچسپ کہانیوں کی کتاب ایک بادشاہ کو چالیس روز تک اسکی بیوی اپنے سوتیلے بیٹے کے خلاف ہر روز نئی کہانی سنا کر اس کو قتل کر دینے کی خواہاں ہوتی ہے اور دوسری صبح ایک وزیر ایک نئی کہانی عورتوں کے مکر کی سنا کر بادشاہ کے بیٹے کا قصور معاف کرا دیتا ہے۔ ۱۲/

حق بجقدار منشی عبدالغفور صاحب مرحوم منیجر دیوٹی شاپ مشہور ناولسٹ نے نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز قصہ لکھا کہ بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ قیمت ۱۲/

قدیم لندن کے اسرار کی دو حصہ رینالڈس مشہور صنف نگار کے ناول کا ترجمہ دو حصوں میں ۱۲/

چلتا پرزہ رینالڈس کے مشہور ناول کا ترجمہ۔ ایک عیار کی مکاریاں۔ قابل دید ہے۔ ۸/

بدر کمال ہر دو حصہ۔ نہایت دلچسپ ناول ہے ۱/

موتیوں کا جزیرہ یا کونٹ آف مانٹی کرسٹو مشہور فرانسیسی ناولسٹ سراگزنیڈر ڈوما کی شاہکار کتاب سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کے پایہ کا ناول آج تک اردو زبان میں کوئی نہیں لایا گیا۔ قیمت مکمل ۱/

غبارہ میں پانچ ہفتے ہوائی جہازوں کی ایجاد سے قبل یہ ناول تصنیف ہوا تھا اس میں جو ورن نے ہوائی جہاز کی پرواز کے وہ امکانات دکھائے ہیں جو آجکل ظہور پذیر ہو رہے ہیں اس وقت وہ صرف فسانہ تھے۔ ۸/

پرستان بغداد بصرہ۔ بغداد۔ دمشق حلب وغیرہ مقامات کے عشقیہ فسانے قیمت ۸/

دس پونڈ کا نوٹ ایک معشوق کی ملاقات۔ دس پونڈ کے نوٹ کی جنگیں۔ قیمت ۸/

استانہ کی حور جنگ یورپ میں ترکوں کی بہادری کے کارنامے انجمن اتحاد و ترقی اور ینگ ٹرکش پارٹی کا زور و شور وطن فروش ترکی وزیروں کا فرید پاشا اور خلیفۃ المسلمین کی جلاوطنی وزراء سلطنت کی بے تدبیریاں اور خود غرض ارباب حل و عقد نے کس طرح قسطنطنیہ کو برباد کیا کس طرح ترک برباد ہو کر اندرون ملک میں چلے گئے مجلس ملی کا انعقاد جنرل نور الدین پاشا کی فتوحات یونانیوں کے مظالم یونانی لشکر کی تباہی ترکوں کی شجاعت و بسالت جن کو پڑھ کر حرارت اسلامی سے خون جوش میں آ جائے ۱/

سعید و فلپانہ اسلامی شجاعت تہور اور بہادری کے سچے تاریخی فسانے عربوں کی دلیرانہ اور فاتحانہ زندگی کی سرگذشت غازیان اسلام کی فتح ایک پادری کی لڑکی فلپانہ اسلام کے سچے اصول اور سعید کی بہادری دیکھ کر مسلمان ہو جاتی ہے پھر مسلمان علم تبلیغ لیکر تمام علاقہ شام کو فتح کرتے ہیں عیسائیوں کے قلعوں پر اسلامی پرچم لہراتے ہیں۔ یہ اسلامی تاریخ کا نہایت شاندار ناول ہے قیمت ۱/

اکبر و زہرہ ایک عشق و محبت کی داستان اکبر اپنے مہ جبین کے جنازہ تک ہمراہ جاتا ہے اور دنیا کی مصائب مردانگی سے جھیلتا ہے قیمت ۸/

امریکہ کی نازنین امریکہ کی ایک عالمگیر نمائش میں ایک نازنین سے ملاقات ۸/

بخیل کی دولت ایک بخیل کی زندگی دولت جمع کرنے اور حرام موت مرنے کے حالات ۸/

پرکالہ آتش ایک پرکالہ آتش سراغرسان کی بہادری اور پرجوش تفتیش کے حالات ۸/

آلات کیمیا ۸ر نیلگوں کمرہ ۸ر تخم بدی ۸ر
سلسلۂ مقبول یا فیلسوف ۸ر زن مرید ۸ر
مطرب چینیاں ۸ر عدم آباد ۸ر چار چمن ۸ر

مولانا عبدالحلیم شرر کے ناول

فلورا فلورنڈا اسپین کے آخری تاجدار ان اندلس کے عہد کا سچا واقعہ۔ رومن کیتھولک پادریوں کے خانقاہوں اور کلیساؤں میں آج تک نانوں کے ایسے بیہودہ اور ناپاک منظر دکھائے ہیں کہ پڑھکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قیمت عہ

منصور موہنا فتح سندھ کے تاریخی واقعات سلطان محمود غزنوی کے مشہور جرنیل منصور کا سندھ و ملتان کو لوٹنے کیلئے آنا اور راجہ کی حور وش لڑکی پر عاشق ہو جانا وغیرہ عہ

حسن بن صباح اسماعیلی فرقہ کے موجد کے مفصل حالات اور نظام الملک و حسن بن صباح کی لڑائیاں ۸ر

حسن انجلینا روسیوں اور ترکوں کی لڑائیاں ترکوں کی شکست ملکہ انجلینا کے عاشق کی بہادری اور حسن و عشق کی داستان عہ

دلکش کامل سر حصہ یہ ناول کبھی نصف قیمت پر فروخت نہیں ہوا تھا قیمت للعہ

فردوس بریں حسین زمرد کی ہمکناری کیلئے شیخ علی وجودی کے کہنے سے امام نجم الدین نیشاپوری کا قتل اور امن کے فردوس بریں میں قیام جا بجا کا سفر اور جنت کی سیر ۸ر

ملک العزیز و رجنا چرچ و فیرول اور صلاح الدین کے کارنامے اسلام کی فتوحات عہ

درگیش نندنی ایک زمیندار کی لڑکی تلوتما اور اکبر کے نامی جرنیل راجہ مان سنگھ کے بیٹے جگت سنگھ کی بہادری اور جنگی نقل و حرکت کی داستانیں درج ہیں۔ بملا اور تلوتما کے حسن و عشق کے مفصل حالات دلچسپ انداز میں قیمت ۸ر

دلچسپ ایک نوجوان فرخ اپنے باپ کی جائداد اڑا دیتا ہے فرخ کا دوست مہدی اسے ملتا ہے فرخ کی شادی عشق و محبت کی زندگی فرخ کا گم ہو جانا پھر مہدی کے قصور پر فرخ کا قتل کرنے کا جرم عدالت میں پیشی وغیرہ نہایت دلچسپ ۸ر

خزائن الادویہ

کی آٹھ جلدیں چھپکر تیار ہو گئی ہیں۔ یونانی، ہندی، انگریزی، ویدک وغیرہ ادویہ کی مکمل و مفصل انسائیکلوپیڈیا جس کو علامہ حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری نے پانچ ہزار صفحات کی آٹھ جلدوں میں لکھا ہے۔ قابل مصنف نے ساٹھ سال اپنی عمر کا زیادہ حصہ اس نایاب بے مثل کتاب کے تیار کرنے میں خرچ کر دیا ہے اس چار ہزار صفحوں کی بے مثل پر از معلومات کتاب میں دنیا جہان کی تمام مفرد ادویات کی صفات شناخت طبیعت خواص فوائد مصلح بدل وغیرہ نہایت تحقیقات اور تفصیل سے لکھے گئے ہیں یونانی طب کی تمام مشہور کتابوں کو جن کے ناموں کی فہرست مشکل چار پانچ صفحوں میں آسکتی ہے اس کتاب کی ترتیب کیلئے جمع کیا گیا تھا پھر ان میں سے ہر ایک کتاب کا عطر نکال لیا گیا ہے۔ بو علی سینا حکیم محمد رازی۔ ارسطو افلاطون۔ دھنونتری اور متقدمین کی اکثر شہرہ آفاق نادر تصنیفات کا خلاصہ ان آٹھ جلدوں میں شامل کر دیا گیا ہے اس کتاب کی کما حقہ کیفیت بیان کرنے سے قلم کی زبان عاجز ہے جن لوگوں کو طب اور ادویہ مفردہ کا شوق ہے۔ ان لوگوں کے لئے یہ کتاب سونے سے تولکر خریدنے کے قابل ہے اردو زبان میں آجتک ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کاغذ چھپائی نہایت عمدہ چار سال میں اس ضخیم کتاب کو طبع کیا ہے قیمت فی جلد پانچ روپے کل سٹ کی قیمت چالیس روپے ہے مگر اس وقت خاص رعایت کی گئی ہے یعنی جو صاحب آٹھوں جلدیں یکمشت خریدینگے ان کو نصف قیمت صرف بیس روپیہ میں دی جائیگی کتاب کا وزن دس سیر ہے۔

درازی عمر کے اسرار صحت قائم رکھنے اور زندگی دراز کرنے کے فن پر جو نہایت عمدہ کتاب آجتک جرمنی میں لکھی گئی ہے یورپ کی تمام زبانوں میں ترجمہ کیا۔ اس میں بذریعہ غذا زندگی بڑھانیکے طریقے درج ہیں عہ

صحت الابدان فن حکمت کا ایک نیا سبق جسمانی صحت کو بحال اور صحت قائم رکھنے کے ڈاکٹری و طبی اصول ۱۲ر

قلب اور اس کا فعل اس میں عضو رئیسہ قلب اور اس کے فعل کی مفصل کیفیت اور دیگر حالات صحت میں رکھنے کے مجرب علاج ہیں۔ بالتصویر ۸ر

علاج الغربا اس میں نہایت ہی کم قیمت ادویات سے تمام امراض کے علاج للعہ

کتاب الاغذیہ انسان کی غذا اگر اچھی ہو تو ہر انسان کی عمر سال ہا سال تک بڑھ سکتی ہے اس رسالہ میں غذاؤں اور ان کے متعلق بحث ہے۔ قیمت عہ

دو ستک ما منجن ما منجن کے اصول اور ان کے فوائد عہ

فرانسیسی کوک شاستر سیکسول سائنس ایک علم ہے۔ فرانس نے اس علم میں اس قدر ترقی کی ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے ملک کو اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہوتی سدا جوانی لذت شباب اور فرانس کی عیش پرست زندگی کے دوسرے مختلف پہلو قیمت ۸ر

اولاد نرینہ اس دنیا میں سب سے میٹھا پھل اولاد ہے جس کے حاصل کرنے کی دنیا میں ایک بڑی جماعت خواہشمند ہے اس کتاب کو پڑھکر کوئی مرد یا عورت اس بیش بہا پھل سے محروم نہیں رہ سکتے قیمت ۱۲ر رسالہ تپ دق ۸ر
مفتاح التشخیص ۸ر حسن و صحت بڑھانیکے طریقے ۸ر
بچے ۳ر مادر زاد بہروں و گونگوں کی تعلیم ۳ر
علاج مقناطیسی ۸ر علاج امارہ ۸ر رسالہ حکیم ۸ر

کامیاب و دولتمند بنانیوالی کتابیں

دنیا کا روشن رخ اس میں سیکڑوں مثالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا کی تمام کامیابی کا مدار خوش مزاجی و خندہ روئی پر ہے۔ قیمت ۸ر۔ آہنی ارادہ ۸ر

شاہراہ دولت دولت کمانیکے طریقے نہایت عمدگی سے درج ہیں۔ قیمت عہ

قوت الحیات۔ زندگی و مردانگی کیلئے پیدا کی گئی ہے ۸ر

طریق دولت کفایت، استقلال، دیانت، انتظام سے دولت پیدا ہوتی ہے ۔ ۱۲ر

تحریک ڈاکٹر سمائلز کی مشہور کتاب سلف ہیلپ یعنی خود داری کا اردو ترجمہ۔ نوجوانوں کی رگ حمیت میں جوش پھیلانے کیلئے بہترین کتاب۔ قیمت ۱۲ر اردو زبان میں ترجمہ

امریکہ کے کامیاب لوگ (با تصویر) آجکل دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب اور دولتمند ملک امریکہ ہے اس کتاب میں امریکہ کے تمام چوٹی کے کامیاب لوگوں کے حالات اور ان کی کامیابی کے وسائل درج کئے گئے ہیں کہ کس طرح یہ لوگ افلاس اور گمنامی سے اس عزت اور دولت کی انتہا تک پہنچ گئے عہ

اپنا فرض ادا کرو فرض ادا کرنے سے جو کامیابی ہو سکتی ہے اس کی نہایت شاندار مثالیں اس تین سو صفحہ کی کتاب میں درج ہیں۔ روم یونان اور یورپ کی تاریخ سے ایسے واقعات دکھائے گئے ہیں جن کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے آدمیوں نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ جن سے قیصر و کسریٰ اور بادشاہ لرزہ براندام ہو گئے قیمت ۱۲/ سبیل دولت ۸/ محمود کا راز ۶/

بیروزگاری کا علاج جو لوگ گھر بیٹھکر اپنی مفلسی کا علاج کرنا چاہیں وہ اس کتاب کو منگا کر پڑھیں قیمت عہ تجربہ کی کسوٹی ۳/ مطالعۂ نفس ۸/ مطالعۂ باطن ۸/

کم سرمایہ تجارتیں اگر آپکے پاس زیادہ سرمایہ نہیں ہے تو یہ کتاب منگا کر پڑھیں بہت تھوڑے سرمایہ سے آپ بڑی بڑی اچھی تجارتیں کر سکتے ہیں۔ عہ

تذکرات و سوانحعمری

حیات نعیم فی ذکر نبی کریم سید المرسلین کی زندگی کے حالات اقوال و اخلاق قیمت ۸/

پیغمبر اسلام ایک مذہبی فلسفہ انسانی کے خیالات حضرت خیر البشر کی تعریف میں قیمت ۸/

حضرت ابوبکر صدیق رضی کی شاندار زندگی کے حالات۔ دینی برکتیں کتاب مشاہیر الاسلام کا ترجمہ عہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی کے حالات۔ ۱۲/

حضرت خالد بن ولید حضرت خالد سیف اللہ سپہ سالار اسلام کی سوانحعمری قیمت ۸/

حیات سعدی شیخ مصلح الدین شیرازی کی زندگی کے حالات عہ

شہنشاہ جارج پنجم مفصل سوانحعمری باتصویر عہ

گارفیلڈ ایک یتیم بچہ جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کا پریزیڈنٹ بن گیا۔ ۶/

مسٹر اینڈریو کارنیگی امریکہ و انگلستان کو شہرۂ آفاق کروڑپتی قیمت ۸/

سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان کے عظیم الشان دانشمند اور طاقتور بادشاہ کے عہد کی ترقیاں و دشمنان اکابر علماء و فضلاء کے حالات ۶/

سوانح خواجہ غریب نواز نہایت اچھے انداز میں دہلی کی چھپی ہوئی۔ عہ

سلطان فاتح ۵/ سلطان الشہدائے سندھ ۴/
سوانح پنڈت موتی لال نہرو مہادیو گووند راناڈے ۴/
حیات مشتاق ۶/ حیات زیب النساء ۶/
ابراہیم لنکن ۸/ مصنفان اسلام ۳/ اکابر اسلام ۴/
ابوریحان البیرونی ۴/ نپولین بونا پارٹ ۳/
سلطان صاحبقران ۴/ غازی محمد بن قاسم ۳/
جمال الدین افغانی ۴/

اسلامی کتابیں

تجرید الاحادیث حدیث شریف کی اہم مختلف کتابوں کا خلاصہ دس ہزار احادیث عربی مع اردو ترجمہ قیمت عہ

شرح عقاید نسفی اس نام کی مشہور عربی درسی کتاب کا اردو ترجمہ قیمت ۸/

آئینہ اسلام ابتدائے اسلام سے آجتک تاریخ و معاملات اسلام کا عالمانہ بیان جو تمام انگریزی اردوخوان مسلمانوں کے پڑھنے کے لائق ہے عہ

زیور ایمان تمام ضروری و معتبر اسلامی مسائل فقہ کی کتابوں سے اردو لباس میں قیمت ۶/

دلیل الحیران قرآن شریف کی تمام آیات بحروف ابجدی ترتیب وار قیمت ۶/

علم الکلام امام غزالی کی مشہور کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد کا ترجمہ اردو۔ قیمت ۸/

فیض الرحمٰن فی تسہیل القرآن قرآن مجید کے مطلب کو سمجھانے کیلئے مختلف معانی کی شرح قیمت عہ

رام پیاری	۴/
پاربتی	۸/
اختر و بلقیس	۴/
ذبیح فاطمہ	۸/
یوسف و زینہ	۶/
اختری بیگم	۸/
بیٹے کا قاتل	۴/
فیروز و محمودہ	عہ
حمیدہ بانو	۸/
ماں کا قاتل	۶/

تاریخی عربی ناولوں کے ترجمے

حسن پرست	۱۰/
قدسیہ	۴/
بوالہوس نواب	۴/
نرالا بھوت	۸/
بڑھے میاں	۴/
رن بیر کانتا	۸/
کمسن بی بی کسن شوہر	۴/
جوان بی بی کمسن شوہر	۴/
نورجہان	۸/

تاریخی ناول

بانو بیگ شہزادی	۵/
انقلاب فرانس	۸/
معرکۂ یونس	۱۲/
جنگ قفقاز	۶/
جنگ طرابلس	۶/
جنگ سمرنا	۸/
ادرنگ زیب چنچل کماری	۱۲/
نازنین بلخ	۸/
سراب تنش	۸/
ماہ نو	۸/
برق غضب	۱۲/
زر پرست	۱۲/

بڑا سہارا گھوڑا	۶/
مقدس دیوی	۸/
جانفروش	۸/
سفید پوش	۴/
ترکی حرم سرا	۸/
سائیکل باز حسینہ	۲/
اسرار افریقہ	۱۲/
بچھڑوں کا ملاپ	۴/
خونی ملاح	۴/
خونی چور	۶/
خونی ساحر	۱۲/
خونی آقا	۲/
خونی بہن	عہ
خونی بھائی	عہ
خونی بھید	۸/
خونی منظر	۸/
خونی تصویر	۴/

عشق و محبت کا خزانہ

نرالا عاشق	عہ
پیارا عاشق	۶/
دلیر عاشق	۴/
ہوا باز عاشق	۸/
شیطان عاشق	۶/
رومال کا عاشق	۸/
درد عشق	۴/
قانون عشق	۶/
نظیر عشق	۴/
ظالم عشاق	۶/
معشوقۂ فرانس	۸/

دنیا کے چند مشہور جاسوسی ناول

لندنی جاسوس	۸/
بنگالی جاسوس	۸/
فطرتی جاسوس	عہ

زنانہ کتابیں

تربیتِ نسواں مصنفہ مسٹر منیر حسین صاحب قدوائی۔ اسلام میں عورتوں کا مرتبہ، امور و اولاد، نگہبانی، صفات، کثرت ازدواج، طلاق، پردہ وغیرہ پر مفصل بحث ہے۔ ۱ر

حیاتِ زیب النساء زیب النساء بیگم کی نہایت دلچسپ سوانح حیات۔ قیمت ۱۲ر

زنانہ نظمیں مختلف شعرائے عورتوں کے متعلق آج تک جس قدر دلچسپ نظمیں لکھی ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر کے چھاپا ہے۔ قیمت ۱۲ر

زنانہ خط و کتابت اس میں ہر قسم کے خطوط جو لڑکیوں کو لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے بطور نمونہ لکھ کر دکھائے گئے ہیں۔ قیمت ۸ر

کشیدہ کاری ریشمی سوتی وغیرہ کپڑوں پر مختلف رنگ کے دھاگوں سے کشیدہ کاڑھنے کے دو سو مختلف نقشے۔ قیمت ۱۲ر

مولانا شبلی النعمانی کی مشہور کتابیں

حیاتِ سعدی شیخ سعدی کے مفصل حالات، طالب علمی، سیر و سیاحت، شیراز میں واپسی، شاعری، طرز ادا، غزل گوئی، نکتہ سنجی وغیرہ پر کمال تبصرہ کیا ہے۔ ۸ر

حیاتِ حافظ خواجہ حافظ شیرازی کے نام و نسب، بچپن، شاعری، فلسفہ اخلاق، کلام کی بندش، چستی و ظرافت پر نہایت عالمانہ تبصرہ ہے۔ قیمت ۸ر

مولانا کا سفرنامہ روم و شام، مصر و شام۔ اس سفرنامہ میں ترکوں، عربوں کی تمدنی حالت اور حسن معاشرت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۲ر

مجموعہ نظم شبلی و سوانح حیات۔ مولانا کی وہ تمام اردو نظمیں اور مولانا مرحوم کی لائف شرر لکھنوی کے قلم سے۔ ۱۲ر

مقالاتِ شبلی مولانا شبلی کے وہ علمی و تاریخی مضامین جو [illegible]

آغازِ اسلام ترجمہ بدء الاسلام مسلمان بچوں اور لڑکیوں کیلئے مولانا شبلی مرحوم کے قلم سے۔ ۳ر

سوانح مولانا جلال الدین رومی۔ مولانا شبلی نے مثنوی شریف مولانا روم کی دیگر تصانیف پر شاندار تبصرہ لکھا ہے۔ مولانا کی شاعری، اخلاق، ریاضت اور زہد و تقویٰ وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت ۱۲ر

سوانح شیخ الاسلام ہند مولوی محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا کے خود نوشت حالات پڑھ کر سنسنی پیدا ہوتی ہے۔ ۱۲ر

الغزالی اسلام کے سب سے بڑے مصنف کی سوانح حیات، ان کے عقائد اور طرز استدلال۔ امام صاحب کی سوانح عمری میں آج تک کوئی کتاب صحیح نہیں تھی، یہ اپنی خوبی سے یہ کتاب سلسلہ آصفیہ میں داخل ہے۔

النعمان امام اعظم ابو حنیفہ کی مکمل سوانح عمری، خاتمہ پر امام صاحب کے شاگردوں کے حالات درج ہیں، امام صاحب کا عام اخلاق و عادات کی بہت سی شاہیں تاریخی حیثیت سے درج ہیں۔ ۲ر

المامون فرمانروایانِ اسلام کے سلسلہ میں خلافت ہارون رشید کی فتوحات، خانہ جنگیوں وغیرہ کے مفصل حالات۔ پڑھنے کے قابل کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ر

اورنگ زیب پر ایک سرسری نظر۔ عالمگیر اورنگ زیب کو بدنام کرنے کی خاطر برادرانِ وطن نے جو من گھڑت قصے تراشے ہیں ان کی تردید کرنے کے لئے مولانا شبلی نے یہ رسالہ لکھا۔ قیمت ۳ر

جوزف میزینی اٹلی کے نامور محب الوطن کی سوانح عمری۔ قیمت ۱۲ر

پیٹر اعظم روس کے نامور بادشاہ کی زندگی کے عبرت انگیز حالات۔ قیمت ۱۲ر

سوانح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی علمی زندگی، ان کی نادر تصنیفات کے تذکرے، اکبر، جہانگیر، شاہجہان، عالمگیر کے عہد زریں کے علمی کارنامے۔ قیمت ۱۲ر

سوانح راجہ بیربر، مشہور و معروف راجہ بیربر کی زندگی کے حالات۔ قیمت

سلطان صلاح الدین ایوبی صلیبی جنگوں کے سپہ سالار کے حالات زندگی مصنفہ مولوی اثری صاحب مرحوم۔ قیمت ۱۲ر

سوانح نور جہاں ملکہ نور جہاں اور شہنشاہ جہانگیر کی پر لطف زندگی کی تصویر۔ ۸ر

ابراہیم ادھم۔ ۱۲ر

تاریخی عربی ناولوں کے ترجمے

امین و مامون خلافت بنی عباس کے جلیل القدر ارکان کی زندگی کا خلاصہ۔ قیمت ۳ر

شارل اور عبدالرحمٰن فرانسیسی بہادروں کا مسلمانوں سے مقابلہ اور شکست وغیرہ۔ ۳ر

ابن طولون تیسری صدی کی مصری اسلامی حکومت کے سیاسی واقعات۔ قیمت ۱۲ر

عروس فرغانہ خلیفہ معتصم باللہ کے عہد حکومت کے پر اسرار واقعات۔ ۳ر

محبوبۂ قریش حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد کی فتوحات کا ذکر۔ ۱۲ر

اسمٰعیل صفیہ اسمٰعیل کا ڈاکوؤں کے خوف سے وطن کو خیرباد کہنا، جنگل میں اس کی بیوی صفیہ کا گم ہونا، اسمٰعیل کا واپس آ کر ڈاکوؤں سے ملک کو صاف کرنا وغیرہ۔ ۸ر

عصمت کا البم اکبر کی وزیر خان اعظم کی دختر عصمت [illegible] کی شادی۔ قیمت ۱۲ر

مالن کی بیٹی ایک مالن کی بیٹی تارا اور نیپال کے کنور کی شادی۔ ایک نہایت ہی دلچسپ عشقیہ فسانہ۔ قیمت ۸ر

شوخ دلہن دیہاتی زندگی کا زندہ مرقع، شوخی اور شرارت کی تصویر۔ قیمت ۸ر

فتنہ ایک پیارے بچے کے کارنامے، اس کے بھولے پن کی جیتی جاگتی تصویر، بلا ارادہ شرارتوں کا مرقع۔ قیمت ۱۲ر

عشق و محبت کی زندگی کا تلخ کام ہو جانا [illegible]

[illegible] کی مفصل کیفیت اور [illegible] حالت صحت میں رہنے کے مجرب علاج ہیں با تصویر۔

[illegible] نوجوانوں [illegible] کے لئے بہترین کتاب۔ قیمت [illegible]

مولانا شبلی

سیرۃ النبی جلد اول ۸ر
〃 دوم ۵ر
〃 سوم معہ
الفاروق عہ
سیرۃ النعمان ۸ر
الغزالی ۸ر
المامون ۸ر
سوانح مولانا روم ۸ر
سفرنامہ مصر و شام ۸ر
علم الکلام ۸ر
الکلام ۸ر
رسائل شبلی ۸ر
مقالات شبلی عہ
شعر العجم جلد اول ۱۲ر
〃 دوم ۸ر
〃 سوم ۸ر
〃 چہارم ۸ر
〃 پنجم ۱۲ر
موازنۂ انیس و دبیر ۸ر
مضامین عالمگیر ۱۲ر
آغاز اسلام ۱۲ر
کلیات فارسی شبلی عار
کلام شبلی اردو عہ

رتن ناتھ سرشار

سیر کہسار ۸ر
خدائی فوجدار ۸ر
جام سرشار عار
الف لیلہ بطرز ناول ۵ر
کامنی ۸ر

سوانح عمر و عیار ۸ر

منشی سجاد حسین مرحوم

احمق الذی ۸ر
حاجی بغلول ۸ر
پیاری دنیا ۸ر
کایا پلٹ ۸ر
میٹھی چھری ۶ر
طرحدار لونڈی عہ
طلسمی فانوس ۱۲ر

جوالا پرشاد برق

مرنالنی ۱۰ر
مار آستین ۱۰ر
بنگالی دولہن ۱۲ر
معشوقۂ فرنگ ۸ر
پرتاب ۱۲ر
روہنی ۱۰ر

مولانا شرر مرحوم

جنید بغدادی عار
ملکہ زنوبیہ ۳ر
قرۃ العین ۳ر
تمدرات ۸ر
جویائے حق للعہ
لعبت چین عہ
فاتح و مفتوح ۸ر
بابک خرمی ۸ر
الفانسو ۱۲ر
ایام عرب عار
قیس و لبنیٰ عار
یوسف و نجمہ ۸ر
زوال بغداد ۸ر

مینا بازار عہ
مقدس نازنین ۸ر
رومۃ الکبریٰ ۸ر
فلپانا ۸ر
شوقین ملکہ ۸ر
منصور موہنا ۸ر
حسن انجلینا ۸ر
ملک العزیز ورجنا ۱۲ر
فردوس بریں ۸ر
حسن کا ڈاکو ۸ر
دربار حرام پور ۱۰ر
غیب داں دولہن عہ
بدر النساء کی مصیبت ۸ر
میوۂ تلخ ۸ر
نیکی کا پھل عہ

شوق قدوائی

ترانۂ شوق ۸ر
قاسم و زہرہ ۱۲ر
نیرنگ جمال ۸ر

ظفر عمر بی اے

چوروں کا کلب ۹ر
نیلی چھتری ۸ر
بہرام کی گرفتاری عہ

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

شعلۂ رنگین ۸ر
محاصرۂ پیرس عہ
شیخ چلی عہ
بہرام کی واپسی ۸ر
انقلاب فرانس ۸ر
حسن بلدیس ۸ر

فرنگی جاسوس ۸ر
ترکی ترم سرا ۸ر
جنگ طرابلس ۸ر
بہرام چور ۸ر
زر پرست ۸ر
گنجی کا راز ۸ر
عبد الرحمن ناصر ۸ر
عروس مصر عار
سیلاب خون ۸ر
سیاحت زمین ۸ر
سیاحت ہوا عہ
نازنین مراکش ۸ر
سمندر کی سیر عار
اسرار بالشویزم ۸ر
ذبح لیلیٰ ۵ر
امین بک عہ
حجاج بن یوسف ۸ر
یوسف پاشا ۸ر
انقلاب عثمانی ۸ر
بہرام کی رہائی ۸ر
بہرام کی آزادی ۱۲ر
بہرام کی سرگزشت ۸ر
لال کنٹھور عہ
پراسرار قتل عار

ادبی کتابیں

مکمل شرح دیوان غالب ۵ر
بزم خیال عہ
نشاط سخن عہ
انشار نسواں ۸ر
مکاتیب محسن الملک ۸ر

لیلیٰ مجنوں ڈراما ۸ر

مراثی

مراثی دبیر عار
مراثی انیس للعہ
مراثی غنیمر عہ
مراثی مونس ۱۲ر
مراثی دلگیر ۱۲ر

تذکرۃ الشعراء

تذکرۂ حسینی ۱۱ر
گلشن ۱۰ر
سراپائے سخن عہ
سوانح نظیر اکبرآبادی عار

دواوین فارسی

دیوان شمس تبریز ۱۲ر
کلیات عراقی ۱۲ر
دیوان حافظ ۸ر
دیوان بیدل ۸ر
دیوان عرفی ۱۲ر
کلیات جامی ۸ر
کلیات غالب ۸ر
کلیات صائب ۱۲ر
دیوان ناصر علی ۶ر
کلیات سعدی ۸ر
کلیات حزیں ۱۲ر
دیوان عنصری ۱۴ر
دیوان غنی کشمیری ۶ر
دیوان ہلالی ۶ر

دواوین اردو

کلیات ظفر عار
کلیات مومن عہ

دیوان ناسخ عہ
کلیات میر ۸ر
کلیات سودا ۸ر
کلیات انشا عہ
کلیات نظیر اکبرآبادی عہ
گلزار داغ ۸ر
دیوان رند ۹ر
دیوان ذوق ۱۲ر
کلیات اسمٰعیل عار
مراۃ الغیب عہ
صنمخانۂ عشق عار
فریاد داغ ۳ر
دیوان قائل ۸ر
دیوان شیدی ۳ر

عجائب و غرائب

عجائب المخلوقات
تصویر رنگین عہ
〃 باتصویر سادہ للعہ
مجمع الفنون ۸ر
طلسم فرنگ عار
کارخانۂ عالم عہ

رنالڈز کے ناولوں کے ترجمے

الہ دین دہلی ۱۲ر
فریب حسن عار
سوز عشق ۸ر
روز الیمبرٹ للعہ
ناول اسرار عار
شام جوانی ۸ر
طلسمی فانوس ۱۲ر